اکابرین دار العلوم دیوبند کی طرف سے فتنۂ غیر مقلدین
کی روک تھام کیلئے ایک مکمل نصاب

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم

کی زیر صدارت
"تحفظِ سُنّت کانفرنس"
میں پڑھے گئے
مقالات کا مجموعہ

- تحریک لامذہبیت
- مسائل وعقائد میں غیر مقلدین اور شیعہ مذہب کا توافق
- قرآن وحدیث کے خلاف غیر مقلدین کے پچاس مسائل
- توسل و استغاثہ بغیر اللہ اور غیر مقلدین کا مذہب
- مسائل وعقائد میں غیر مقلدین کے متضاد اقوال
- ایک غیر مقلد کی توبہ
- غیر مقلدین کے (۵۶) اعتراضات کے جوابات
- مسائل نماز (قرآن وحدیث کی روشنی میں
- عورتوں کا طریقہ نماز
- خواتین اسلام کی بہترین مسجد

اِدارہ تَالِیفاتِ اَشرَفِیہ
چوک فوارہ ملتان، پاکستان
☏ 061-540513

اکابرینِ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے فتنۂ غیر مقلدین
کی روک تھام کیلئے ایک مکمل نصاب

جلد دوم

غیر مقلدین کی شرانگیزیوں اور ان کی طرف سے اسلافِ امت وفقہائے کرام کی توہین پر مبنی لٹریچر کی اشاعت پر اکابرین دارالعلوم نے اُمّتِ مسلمہ کے دینی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ۲،۳ مئی ۲۰۰۱ھ کو دہلی میں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم کی صدارت میں ''تحفظ سنت کانفرنس'' کا اہتمام کیا جس میں مشاہیر علماء نے متعلقہ موضوعات پر مقالے پیش کئے اور اس کانفرنس میں چند قراردادیں پاس کیں جو باقاعدہ سعودی عرب کی حکومت کو بھیجی گئیں۔ جس پر حکومت سعودیہ نے الحمد للہ مثبت ردّ عمل کا اظہار کیا ہے ہم اس کانفرنس میں پڑھے جانے والے تمام مقالہ جات اور ان کے علاوہ اس موضوع سے متعلق دیگر اکابرین امت کے افادات اور اس کے علاوہ دیگر کئی متعلقہ نایاب دستاویزات کو جدید ترتیب کے ساتھ مجموعہ مقالات کے نام سے عوام وخواص کے فائدہ کیلئے پیش کر رہے ہیں۔

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون: 540513

نام کتاب.................**مجموعہ مقالات** (جلد دوم)

تاریخ اشاعت طبع اوّل........................صفر ۱۴۲۳ھ

تاریخ اشاعت طبع الثانی.................ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

ناشر................................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت...........سلامت اقبال پریس ملتان

ضروری وضاحت

ایک مسلمان دینی کتابوں میں دانستہ غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون یقیناً صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان---ادارہ اسلامیات انارکلی، لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور---مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ---کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور---دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD BOLTON BLI3NE.(U.K.)

فہرست مضامین مجموعہ مقالات جلد دوم

مقالہ نمبر ۹

تحریک لامذہبیت ۱۷

مقالہ نمبر ۱۰

مسائل وعقائد میں غیر مقلدین اور شیعہ مذہب کا توافق ۳۳

مقالہ نمبر ۱۱

مقالہ نمبر ۱۲

مقالہ نمبر ۱۳

مسائل وعقائد میں غیر مقلدین کے متضاد اقوال.....۱۱۵

مقالہ نمبر ۱۴

مقالہ نمبر ۱۵

مقالہ نمبر ۱۶

مسائل نماز............۳۳۱

مقالہ نمبر ۱۷

عورتوں کا طریقہ نماز............۴۰۷

مقالہ نمبر ۱۸

خواتین اسلام کی بہترین مسجد ۴۳۱

مقالہ نمبر ۹

تحریک لامذہبیت

غیر مقلدیت / سلفیت

دور حاضر میں افتراق بین المسلمین کی سب سے خطرناک عالمگیر مہم

از

جناب مولانا مفتی سیّد محمد سلمان منصور پوری
استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد

تحریک لامذہبیت (غیر مقلدیت/سلفیت)

آج کے دَور میں اُمت کی شیرازہ بندی کی جتنی ضرورت ہے اتنی شاید زمانہ سابق میں کبھی نہ رہی ہو، آج دُشمنانِ دین ہر طرف سے اور ہر جگہ جمع ہوکر امتِ مسلمہ کو نوالہ تر بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، تعلیمی ہر اعتبار سے مسلمانوں کا وزن پوری دنیا میں ناقابلِ یقین حد تک گھٹ چکا ہے۔ اکثر مسلم کہے جانے والے ممالک بھی اندرونی طور پر پوری طرح غیر مسلم شاطر طاقتوں کے دستِ نگر بن چکے ہیں۔ مسلم حکومتوں کے اربابِ حل وعقد بھی زیادہ تر دین سے بے بہرہ بلکہ الحادی نظریات کے حامل ہیں۔ ایسے ماحول میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار کو ختم کیا جائے اور فروعی مسائل میں اُلجھنے کے بجائے اصولی طور پر اتحاد و اتفاق کو مضبوط کرنے کی راہ اپنائی جائے۔ اور کلمہ کی وحدت اور متواتر اجتماعی عقائد کو اتحاد کی بنیاد بنایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ حد تک اتفاق اور ہم آہنگی کی راہ ہموار ہو سکے۔

لیکن اس شدید ضرورت کے برعکس کچھ بے توفیق فتنہ پروروں نے پوری شدت کے ساتھ افتراق بین المسلمین کی مہم چھیڑ رکھی ہے۔ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے مسائل کو رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کر کے عوام میں معرکہ کا بازار گرم کر دیتے ہیں اور ایک محض افضل اور غیر افضل کے اختلاف کو ایمان و کفر کا اختلاف بنا کر پیش کرتے ہیں، اس سلسلے کا سب سے بڑا خطرناک فتنہ جس نے اب رفتہ رفتہ تقریباً پورے عالم میں ہاتھ پیر پھیلا لئے ہیں غیر مقلدیت اور لامذہبیت کا فتنہ ہے (جس سے وابستہ لوگ نام نہاد طور پر اپنے کو سلفی اور اہل حدیث کہتے ہیں) چند سالوں سے اس فرقہ نے سعودی عرب کے بااثر اصحابِ ظواہر (غیر مقلد) علماء و مفتیان کو شیشہ میں اُتار کر اور سعودی حکومت کا اخلاقی و مادّی تعاون حاصل کر کے تمام مقلدین عوام و علماء، بالخصوص حضرات حنفیہ کے خلاف برسرِ عام بدزبانی، طعن و

تشنیع اور تہمت طرازی کا بازار گرم کررکھا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ یہ لوگ حکومت سعودیہ کی سرپرستی میں حرمین شریفین کے شعبۂ وعظ وتذکیر میں دخیل ہیں اور حج ورمضان کے مہینوں میں وعظ وتذکیر کے عنوان سے جو اُردو میں بیانات ہوتے ہیں ان میں تذکیر یا وعظ تو برائے نام ہوتا ہے بس تقریر کا سارا زور عوام کے سامنے چند متعینہ اختلافی مسائل و دلائل بیان کرنے اور علماء سلف اور ائمہ عظام پر تبصروں اور تبرے بازیوں پر صرف ہوتا ہے۔ ان کی تقریروں کو سننے والا ہر شخص بہ آسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اہل مذہب سے بغض وعناد ان کے دِلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہے جس کا اظہار موقع بموقع زبان کی شدت اور گندگی سے ہوتا رہتا ہے۔

شرانگیز مغالطہ

غیر مقلدین اور لامذہبی لوگ سادہ لوح عوام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ایک طرف کوئی حدیث بیان کریں گے اور پھر اس کے مقابلے میں امام ابوحنیفہؒ کا کوئی قول ذکر کر کے دونوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کریں گے کہ نعوذ باللہ احناف قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں قول ابوحنیفہؒ کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات سرے سے غلط ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ حضرات احناف فہم کتاب و سنت میں امام ابوحنیفہؒ کے علم پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ انھوں نے نصوص سے سمجھ کر جو رائے اپنائی ہے وہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔

علامہ شاطبیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الاعتصام'' میں کسی عالم کی اتباع کا مطلب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ان العالم بالشریعة اذا اتبع فی قوله وانقاد الناس فی حکمه فانما اتبع من حیث هو عالم بها وحاکم بمقتضاها لا من جهة اخری فهو فی الحقیقة مبلغ عن رسول الله ﷺ المبلغ عن الله عز و جل. فیتلقی منه ما بلغ علی العلم بانه بلغ او علی غلبة الظن بانه بلغ لامن جهة کونه منتصباً للحکم مطلقاً اذ لایثبت ذالک لاحد علی الحقیقة وانما هو ثابت للشریعة

المنزلة على رسول الله ﷺ وثبت ذالک له عليه السلام وحده دون الخلق من جهة دليل العصمة۔ (الاعتصام ۲/۲۵۰ بحوالہ لامذہبیت ۸۴)

ترجمہ: شریعت کا عالم جب اس کے قول کی پیروی کی جائے اور اس کے فیصلہ کو لوگ تسلیم کرلیں تو اس کی اتباع صرف اس حیثیت سے ہوتی ہے کہ وہ شریعت کو جاننے والا اور اس کے مقتضی پر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جہت سے اس کی اتباع نہیں کی جاتی۔ تو وہ عالم دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے دین پہنچانے والا ہے۔ چنانچہ جو کچھ بھی وہ عالم ہم تک پہنچائے وہ اس سے قبول کیا جائے گا خواہ اس یقین کے ساتھ ہو کہ وہ واقعی مبلغ ہے یا اس کے مبلغ ہونے کا غالب گمان ہو (یہ قبول کرنا) اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس عالم ہی کو مطلقاً شارع کے درجہ میں رکھ دیا جائے، کیونکہ یہ حق کسی کے لیے بھی حقیقتاً ثابت نہیں ہے۔ یہ حق صرف اس شریعت ہی کو حاصل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اور معصوم ہونے کی حیثیت سے تشریع کا یہ اختیار صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، مخلوقات میں سے کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے۔''

امام ابوحنیفہؒ خود انتہائی احتیاط کرنے والے تھے۔ مسائل کے استنباط اور تخریج و تحقیق میں انھوں نے جو طریقہ اپنایا ہے اس کا اظہار آپ نے خود ان الفاظ میں کیا ہے:

آخذ بكتاب الله فان لم اجد فبسنة رسول الله ﷺ فان لم اجد في كتاب الله ولاسنة رسول الله ﷺ اخذت بقول اصحابه آخذ بقول من شئت به وادع من شئت منه ولأاخرج من قولهم الى قول غيرهم فاما اذ انتهى الامر الى ابراهيم والشعبي وابن سيرين والحسن وعطاء وسعيد بن المسيب وعدد رجالاً فقوم اجتهدوا فاجتهد كما اجتهدوا۔

(تاريخ بغداد بحواله الفقه الحنفي، ص ۲۲)

ترجمہ: میں (سب سے پہلے) کتاب اللہ کو اختیار کرتا ہوں۔ اگر اس میں مسئلہ نہ پاؤں تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اگر کتاب اللہ اور سنت نبویؐ دونوں میں مسئلہ نہ ملے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے اقوال کو اختیار کرتا ہوں اور ان میں (غور وفکر کرکے) جس کا قول چاہے لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہے

چھوڑ دیتا ہوں۔اور میں صحابہؓ کے اقوال کو چھوڑ کر ان کے علاوہ کسی کے قول کو اختیار نہیں کرتا۔اور جب معاملہ (صحابہؓ سے آگے بڑھ کر) ابراہیم نخعیؒ، امام شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ، عطاءؒ، سعید بن المسیبؒ اور متعدد افراد کے نام گنائے ان تک پہنچ جائے تو یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اجتہاد سے مسائل کا حکم معلوم کیا ہے تو میں بھی اسی طرح اجتہاد کرتا ہوں جیسے ان حضرات نے اجتہاد کیا (یعنی میں ان تابعین کی رائے کا پابند نہیں ہوں)

اس صراحت سے معلوم ہوگیا کہ امام ابوحنیفہؒ کا طریقۂ استنباط موافق شریعت ہے اور اختلافی مجتہد فیہ مسائل میں آپ کا ہر قول دلائل سے موید ہے۔جن مسائل میں دور صحابہؓ میں اختلاف ہو چکا ہے اور ان پر اجماع کی کوئی صورت نہیں ہوسکی ہے ان کا اختلاف قیامت تک مرتفع نہیں ہوسکتا۔اب یہ حضرات مجتہدین کا کام ہے کہ ان میں سے جو قول انھیں دلیل کے اعتبار سے مضبوط نظر آئے اسے اختیار کرلیں اور اپنے درجہ کے دوسرے مجتہد کو اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہ کریں بلکہ ان میں سے ہر رائے کا اختیار کرنے والا اپنی جگہ پر صائب ہے۔اور ہر رائے ''صواب محتمل خطاء'' ہے لہٰذا اگر امام ابوحنیفہؒ اپنی وسعت علمی، دقت نظر اور تخریج و استنباط کی بے مثال صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے کسی ایک رائے کو ترجیح دے دیں اور یہ حکم شرعی ان کی طرف منسوب ہوجائے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کے مقابلہ میں قول قول راجح کہا جارہا ہے۔یہ مقلدین کی محض تلبیس ہے۔حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مذاہب اربعہ میں انحصار

شروع دَور میں اگرچہ بہت سے مجتہدین امت میں گذرے ہیں، لیکن ان سب کی الگ لگ باقاعدہ اس انداز میں فقہ کی تدوین نہیں ہوسکی کہ ان کی تقلید کرنے والا دوسروں سے بے نیاز ہوجائے۔یہ فخر و امتیاز اللہ تعالیٰ نے حضرات ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کو عطا فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر یک کے مذہب کی جزئیات اور اصول اس انداز میں مدون ہوئے کہ جو شخص دین کے جس مسئلہ میں رہنمائی چاہے، اس کو ہر مذہب میں رہنمائی مل سکتی ہے۔چنانچہ جب غیر مجتہدین کے لیے تقلید شخصی

کا سوال سامنے آیا تو تجربہ اور تحقیق سے امت اس امر پر متفق ہوئی کہ جامعیت اور تدوین کے اعتبار سے حضرات ائمہ اربعہ کے مذاہب سے زیادہ کوئی مسلک اس ضرورت کو پورا نہیں کرسکتا اس لیے چوتھی صدی میں اس بات پر اجماع ہوگیا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید شخصی باضابطہ نہیں کی جائے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

ان هٰذا المذاهب الاربعة المدوّنة المحررة قداجتمعت الامّة او من يعتد منها علی جواز تقليدها الی يومنا هٰذا. وفی ذالک من المصالح مالا يخفی لاسيما فی هٰذه الايّام الّتی قصرت فيها الهمم جدّاً فاشربت النفوس الهوی واعجبَ كلّ ذی رأی برأيه۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۴)

ترجمہ: یہ چاروں مذاہب جو مدوّن و مرتب ہیں ان کی تقلید پر آج تک امت کے معتبر افراد کا اتفاق چلا آرہا ہے۔ اور اس میں جو مصالح ہیں وہ مخفی نہیں، خاص کر اس زمانہ میں جبکہ لوگوں کی ہمتیں کوتاہ ہوگئی ہیں اور خواہشِ نفس لوگوں کے قلوب میں جاگزیں ہوچکی ہے، اور اپنی رائے کو ہی اچھا سمجھنے کا دور دورہ ہے۔

اور عقد الجید میں تحریر فرماتے ہیں:

ولما اندرست المذاهب الحقة الا [illegible] ذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسّوادِ الاعظم والخروج عنها خروجاً من السّوادِ الاعظم۔ (عقد الجید، ص ۳۸)

ترجمہ: اور جب ان چار مذاہب کے علاوہ سبھی مذاہبِ حقہ کالعدم ہوگئے تو اب انہی کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع کہلائے گا۔ اور ان چار مذہبوں سے خروج سوادِ اعظم کے مذہب سے خروج کہلائے گا۔

اور حقیقت میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر یہ اللہ ربّ العزت کا بڑا فضل وانعام ہے کہ اس نے مذاہبِ اربعہ کی شکل میں ہمارے لیے عمل کی ایسی راہیں متعین کردی ہیں جو ہر قسم کے خرخشہ سے پاک اور دلجمعی اور سکونِ قلبی کے ساتھ ہر طرح کے احکامات بجالانے کا سرچشمہ ہیں۔ ملا جیونؒ فرماتے ہیں:

والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة واتباعهم فضل الٰهی وقبولية عند الله لامجال فيه للتوجيهات والادلّة۔ (تفسیرات احمدیہ، ص ۲۹۷)

اور انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب اربعہ پر انحصار اللہ کا عظیم فضل ہے اور عند اللہ ان کے مقبول ہونے کی ایسی نشانی ہے جس میں توجیہات اور دلائل کی چنداں حاجت نہیں۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

ان الاجماع انعقد علی عدم العملِ بمذھبِ مخالف الاربعة لانضباط مذاھبھم وَ انتشارھا و کثرة اتباعھم۔ (الاشباہ، مطبوعہ کراچی (۱۴۳)

ترجمہ: ائمہ اربعہ کے خلاف رائے اپنانے کے ممنوع ہونے پر اجماع منعقد ہے۔ اس لیے ان چاروں کے مذاہب ہی مدوّن ہیں۔ اور عوام و خواص میں مشہور ہیں اور ان کے پیروکاروں کی کثرت ہے۔

اور شیخ عبدالغنی نابلسیؒ اپنے رسالہ خلاصۃ التحقیق میں وضاحت کرتے ہیں:

و امّا تقلید مذھب من مذاھبھم الآن غیر المذاھب الاربعة فلایجوز لالنقصان فی مذاھبھم ورجحان المذاھب الاربعة علیھم لانّ فیھم الخلفاء یالمفضلین علیٰ جمیع الامّةِ بل– لعدم تدوین مذاھبھم وعدم معرفتنا الآن بشروطھا وقیودھا وعدم وصول ذالک الینا بطریق التواتر حتیٰ لو وصل الینا شئی من ذالک کذالک جازلنا تقلیدہ' لٰکنہ' لم یصل کذالک۔

ترجمہ: اس وقت مذاہبِ اربعہ کو چھوڑ کر دیگر مجتہدین کے مذہب پر عمل کی اجازت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دیگر مجتہدین کے مذہبوں میں کچھ نقصان ہے۔ اور مذاہبِ اربعہ ہی راجح ہے۔ اس لیے کہ ان مجتہدین میں ایسے بھی ہیں جو تمام امت پر بھاری ہیں، بلکہ اصل وجہ ان کے مذہب کو اختیار نہ کرنے کی یہ ہے (۱) ان کے مذاہب با قاعدہ مرتب و مدوّن نہیں ہو سکے۔ (۲) ہمیں آج ان مذاہب کی شرائط و قیود کا پورا علم نہیں ہے۔ (۳) اور وہ مذاہب ہم تک تواتر کے طریقہ پر نہیں پہنچے۔ اگر وہ اس طریقہ پر ہم تک پہنچتے تو ہمارے لیے ان کی تقلید کرنا جائز ہوتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔

آگے چل کر علامہ مناویؒ سے نقل کرتے ہیں:

فیمتنع تقلید غیر الاربعةِ فی القضاء و الافتاء لانّ المذاھب الاربعة

انتشرت وظهرت حتیٰ ظهر تقييد مطلقها وتخصيص عامها بخلاف غيرهم لانقراضِ اتباعهم۔ (خلاصۃ التحقیق ص۳-۴)

ترجمہ: لہٰذا قضاء وافتاء میں مذاہبِ اربعہ کے علاوہ کسی امام کی پیروی ممنوع قرار دی جائے گی، اس لیے کہ مذاہبِ اربعہ مشہور ومعروف ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے مطلق احکامات کی قیدیں، اور عام امور کی تخصیص وغیرہ کا علم ہو گیا ہے۔ ان کے برخلاف دیگر مذہبوں کی اس طرح وضاحت نہیں ہو سکی کیونکہ ان کے پیروکار ناپید ہو چکے ہیں۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہو گیا کہ مذاہبِ اربعہ پر عمل کا انحصار ایک اجماعی مسئلہ ہے، اور دین کی صحیح شکل وصورت میں حفاظت کا بڑا اہم وسیلہ ہے۔

ایک ہی امام کی اتباع کیوں ضروری ہے؟

غیر مقلدین یہ بات بھی بڑے زور وشور سے اٹھاتے ہیں کہ اگر چاروں مذاہب برحق ہیں تو پھر ایک ہی امام کی تقلید کو ضروری کیوں خیال کیا جاتا ہے؟ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جس مسئلہ میں چاہیں حسبِ سہولت دوسرے کے مسلک پر عمل کر لیں تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ گو کہ کسی متعین عالم کی اتباع وتقلید فرض عین کے درجہ کی چیز نہیں ہے لیکن عوام کی سہولت پسندی، بے احتیاطی، بددیانتی اور افتراق وانتشار کو دیکھتے ہوئے صدیوں سے امت کا اس پر عملاً اتفاق رہا ہے کہ ایک عامی شخص (جس میں وہ علماء بھی شامل ہیں جن میں اجتہاد کی مطلوبہ صلاحیت نہیں ہے) کے لیے صرف ایک ہی امام کی تقلید لازم اور واجب ہے، کیونکہ جب وہ مجتہد نہیں ہے تو وہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ کس کی رائے راجح ہے اور کس کی مرجوح۔ اب جب بھی وہ مسلک سے خروج کرے گا تو یقیناً کسی نہ کسی ذاتی غرض اور خواہش کی وجہ سے ہوگا۔ اور اتباعِ ہویٰ شریعت میں قطعاً جائز نہیں ہے۔ تو یہ شخصی تقلید، حکم انتظامی اور فرض لغیرہ ہے تاکہ عامۃ المسلمین مذہبی اعتبار سے افتراق وانتشار سے محفوظ رہیں۔ اور اس کی نظیر دورِ عثمانی میں حضرات صحابہؓ کے اتفاق سے قرآن کریم کی سات لغات میں سے صرف لغت قریش کو اختیار کرنے اور بقیہ مصاحف کو ختم کرنے کا واقعہ ہے۔

اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ نقیہ النفس قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ نے اپنے درج ذیل فتوی میں بیان فرمایا ہے۔ ذہن ودماغ کے استحضار کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ حضرت فرماتے ہیں:

''تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں مامور من اللہ تعالیٰ ہیں اور جس پر عمل کرے عہدۂ امتثال سے فارغ ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ مسئلہ درست ہے۔ اور جو ایک فرد پر عمل کرے اور دوسرے پر عمل نہ کرے اس میں دراصل کوئی عیب نہ تھا اور بوجہ مصلحت ایک پر عمل کرنا درست ہے۔ پس فی الواقع اصل یہی ہے۔ لہٰذا جو تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں کہ مامور من اللہ کو حرام کہتے ہیں اور جو بدون حکم شرعی کے غیر شخصی کو حرام کہتا ہے وہ بھی گنہگار ہے کہ مامور حرام بتاتا ہے۔ دونوں ایک درجہ کے ہیں اصل میں۔ اور سائل خود اقرار کرتا ہے کہ مطلق شرعی کو اپنی رائے سے مقید کرنا بدعت ہے۔ یہ قول اس کا صحیح ہے مگر حکم شرع سے خواہ اشارتاً ہو یا صراحتاً اگر قید کرے تو درست ہے۔ پس اب سنو کہ تقلید شخصی کا مصلحت ہونا اور عوام کا اس میں انتظام رہنا اور فساد وفتنہ کا رفع ہونا اس میں ظاہر ہے اور خود سائل بھی مصلحت ہونے کا اقرار کرتا ہے لہٰذا یہ استحسان اور عدم وجوب اسی وقت تک ہے کہ کچھ فساد نہ ہو کہ تقلید غیر شخصی میں وہ فساد وفتنہ ہو کر تقلید شخصی کو شرک اور ائمہ کو سب وشتم اور اپنی رائے فاسد سے ردِ نصوص ہونے لگے جیسا کہ اب مشاہدہ ہو رہا ہے تو اس وقت ایسے لوگوں کے واسطے غیر شخصی حرام اور شخصی واجب ہو جاتی ہے اور یہ حرمت اور وجوب لغیرہٖ کہلاتا ہے کہ دراصل جائز اور مباح تھا کسی عارض کی وجہ سے حرام اور واجب ہو گیا تو اس سبب فساد عوام کی وجہ سے کہ ہر ایک مجتہد ہو کر خراب دین میں پیدا کرتا ہے خود مولوی محمد حسین بٹالوی ایسے مجتہدین جہلاء کو فاسق کہتے ہیں۔

پس اس رفع فساد کے واسطے شخصی کا واجب ہونا اور غیر شخصی کا ایسے جہلاء کے واسطے حرام ہونا اور عوام کو اس سے بند کرنا واجب ہوا اور اس کی نظیر شرع میں موجود ہے لہٰذا یہ تقیید مطلق کی نص سے کی گئی ہے نہ کہ بالرائے۔ دیکھو کہ جناب فخر عالم علیہ السلام نے قرآن پڑھنا ہفت زبان عرب میں حق تعالیٰ سے جائز کرایا کہ علی سبیل البدل کسی لغت میں پڑھو جائز ہے اور اس وسعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مشقت وسعی سے حلال کرایا اور حق تبارک وتعالیٰ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

مگر جب اس اختلافِ لغات کے سبب باہم نزاع ہوا اور اندیشہ زیادہ نزاع کا ہوا تو باجماع صحابہؓ قرآن شریف کو ایک لغت قریش میں کر دیا گیا اور سب لغات جبراً موقوف کر دیئے گئے کہ جملہ دیگر مصاحف جلا دیئے اور جبراً چھین لیے گئے۔ دیکھو یہاں مطلق کو مقید کیا مگر بوجہ فساد اُمت کے، لہٰذا واجب لغیرہٖ شخصی کو کہا جاوے اور غیر شخصی کو منع کیا جاوے تو یہ بالرائے نہیں بلکہ بحکم نص شارع علیہ السلام کے ہے کہ رفع فساد واجب ہر خاص و عام پر ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ و تالیفات رشیدیہ، ص۲۰۴، مطبوعہ پاکستان)

اور علامہ نوویؒ نے مذہب معین ہی کی تقلید ضروری ہونے پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

ووجهه انه لوجاز اتباع الى مذهب من شاء لافضى الى ان يلتقط رخص المذاهب متبعاً هواه ويتخير بين التحليل والتحريم و الوجوب والجواز وذالك يؤدى الى اضلال ربقة العكليف بخلاف العصر الاوّل فانه لم تكن المذاهب الوافية باحكام مهذبة فعلى هذا يلزمه ان يجتهد فى اختيار مذهب يقلده على التعيين۔ (شرح المہذب ۱/۵۵ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن ۲/۲۲۳)

ترجمہ: اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر جس مذہب کی چاہے اتباع کی اجازت دے دی جائے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے مذاہب کی رخصتوں کو چبا جائے گا اور حلال وحرام اور وجوب و جواز کے درمیان عمل کا اختیار دیا جائے گا جس کا نتیجہ بالآخر شرعی تکلیف کا چولا اُتار پھینکنے کی صورت میں نمودار ہوگا۔ برخلاف دورِ اولیٰ (خیر القرون) کے کہ اس زمانہ میں وہ مذاہب جن میں مسائل کا حل ہو مہذب و مرتب نہیں تھے لہٰذا اس بنا پر آج مقلّد پر لازم ہے کہ وہ ایک متعین مذہب کی اتباع میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے۔

دور حاضر کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ جو شخص بھی کسی امام کی تقلید کا راستہ چھوڑ کر ''ہرجائی'' بننے کی کوشش کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی آزادی کھلی گمراہی اور کفر و ضلال تک پہنچا دیتی ہے۔ خود بعض مشہور غیر مقلد علماء نے بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔ عام طور پر باطل فرقوں کے دام تزویر میں یہی آزادی اور تجدد پسند لوگ پھنستے ہیں جو اپنے کو کسی ایک عالم کا پابند نہیں سمجھتے بلکہ حق ناحق بس اپنی رائے اور خواہش کی پیروی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس انتشار سے امت کے ہر فرد کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

اذا صح الحدیث فھو مذھبی کا صحیح مطلب

فتنہ پرور غیر مقلدین عوام کو دھوکہ دینے کے لیے امام ابوحنیفہؒ کا یہ ارشاد "اذا صح الحدیث فھو مذھبی "(جب صحیح حدیث سامنے آجائے تو وہی ہمارا مذہب ہوگا) بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے تو دیانت کا ثبوت دیتے ہوئے غیر راجح مسئلہ بیان کرنے کے باوجود اپنا دامن یہ کہہ کر بچالیا کہ اگر اس کے مقابلے میں صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہوگا، لیکن ان کے مقلدین ان کی اس ہدایت کو نظر انداز کرتے ہوئے صحیح احادیث آجانے کے باوجود امام صاحب کے اقوال کو سینے سے لگائے رہتے ہیں۔ یہ بات دیکھنے میں بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہے اور ایک خالی الذہن آدمی اسے سن کر بے اختیار مقلدین احناف سے بدگمانی دل میں بٹھا لیتا ہے۔ حالانکہ یہ پوری تقریر محض تلبیس اور حقیقت واقعہ سے قصداً روگردانی پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ اذا صح الحدیث کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جہاں کہیں بھی صحیح حدیث نظر آجائے بس فوراً اس پر عمل کرلیں۔ اور نہ یہ کسی کا مذہب ہوسکتا ہے، اس لیے کہ بہت سی احادیث اگرچہ صحیح ہیں لیکن ان کے مضامین میں تعارض ہے۔ اس تعارض کو ختم کرنے کے لیے مجتہد کے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اور مجتہد ناسخ منسوخ قوت وضعف اور اصول شریعت سے موافقت وغیرہ امور پر پورے غور وفکر کے بعد ہی کسی ایک جانب کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیتا ہے۔ ذخیرۂ حدیث کا ادنیٰ سا مطالعہ کرنے والا شخص بھی اس بات کو جانتا ہے کہ بہت سی احادیث صحیح سند سے مروی ہونے کے باوجود منسوخ ہیں یا بااجماع امت ان کے ظاہر پر عمل ترک کردیا گیا ہے۔ مثلاً آگ پر پکی ہوئی چیزوں کو کھانے سے وضو ٹوٹنے کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے لیکن منسوخ ہے اور آج کوئی اس پر عمل نہیں کرتا۔ (ترمذی شریف ۱/۲۴)

اسی طرح متعہ کی مشروعیت کی روایات بھی صحیح ہونے کے باوجود منسوخ ہیں۔

(بخاری شریف ۲/۶۰۶)

امام ترمذی نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثوں کو چھوڑ کر ہر حدیث پر امت کے کسی نہ کسی طبقہ کا عمل ہے۔ ان میں سے ایک حدیث شرابی کو قتل کرنے

کے بارے میں ہے اور دوسری حدیث بلا عذر جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں ہے۔

(کتاب العلل، ص ۲۳۳/۲)

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ امام ابوحنیفہؒ کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ کہیں بھی کوئی حدیث صحیح نظر آ جائے تو فوراً اسے مذہب بنالیا جائے بلکہ لازمی طور پر اس حدیث کا دیگر نصوص و احادیث سے موازنہ و مقابلہ کیا جائے گا پھر جو رائے صحت کے ساتھ سامنے آئے گی صرف اسے ہی قبول کیا جائے گا۔ اور حضرات احناف ایسے مختلف فیہ مسائل میں چونکہ دلیل کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو راجح سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اگر بالفرض کوئی ظاہری حدیث آ رہی ہو تو اس کا صحیح محمل تلاش کرتے ہیں اور دلائل کے تعارض کو ختم کر کے تطبیق کی صورتیں نکالتے ہیں۔ اصولی اعتبار سے علمائے احناف کا یہ عمل نہ تو شریعت کے خلاف ہے اور نہ امام ابوحنیفہؒ کی ہدایت کے خلاف ہے۔ غیر مقلدین کا اس طرزِ عمل کو کتاب وسنت کے خلاف قرار دینا بجائے خود ناواقفیت یا محض شر انگیزی پر مبنی ہے۔

کیا صحیح حدیثیں صرف صحاحِ ستہ میں ہیں؟

غیر مقلدین یہ بھی پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ صحیح حدیثیں صرف صحاحِ ستہ بالخصوص بخاری و مسلم میں ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے مسلک پر ان کے خلاف کوئی ایسی حدیث پیش کرے جو صحاحِ ستہ کے علاوہ کسی معتبر کتاب میں ہو تو وہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس کے قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ اس کا ذکر صحاح میں نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات واقعہ کے برخلاف ہے۔ اتنی بات تو درست ہے کہ صحاح کی اکثر احادیث صحیح ہیں۔ مگر یہ بات قطعاً صحیح نہیں کہ تمام صحیح حدیثوں کا انحصار صرف صحیحین یا صحاح پر ہے۔ امام نوویؒ نے مقدمہ شرح مسلم میں لکھا ہے کہ جب امام مسلمؒ حضرت ابن وارہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے حضرت الامام کی یہ کہہ کر سرزنش کی کہ تمھاری اس کتاب مسلم کو دیکھ کر بدعتیوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ تمام صحیح حدیثیں بس مسلم ہی میں ہیں اور جو حدیث اس کے علاوہ ہو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ تو اس پر امام مسلمؒ نے معذرت پیش کرتے ہوئے یہ جواب دیا کہ حضرت والا! میں نے اس کتاب کو تصنیف کر کے صرف یہ کہا ہے کہ اس کی

روایتیں صحیح ہیں۔ میں نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جس حدیث کی میں نے اس کتاب میں تخریج نہیں کی وہ مطلقاً ضعیف ہے۔ میرا تو منشا صرف یہ ہے کہ صحیح احادیث کا یک مجموعہ میرے پاس اور میرے شاگردوں کے پاس مہیا ہوجائے تا کہ اس پر اعتماد ہوجائے۔ چنانچہ ابن وارہؒ نے آپ کے عذر کو قبول کیا اور تعریف فرمائی۔ (مقدمہ نووی علی مسلم، ص ۱۶)

لٰہذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ تمام صحیح حدیثوں کا انحصار صحیحین یا صحاح پر ہے، بلکہ دیگر کتب حدیث میں بھی صحیح اور مستند روایتوں کا معتبر ذخیرہ موجود ہے۔ اور ایسی سب صحیح روایتیں قابل استدلال اور لائق حجت ہیں، اگر کوئی مجتہد ان سے اپنے مذہب پر استدلال کرے گا تو اسے یقیناً قبول کیا جائے گا۔

ضعیف احادیث کا طعنہ

غیر مقلدین کا یہ بھی وطیرہ ہے کہ اپنی غلط رائے کو اپنانے کے لیے تو کسی ضعیف حدیث کو بھی کھینچ تان کر اور محدثین کے یک طرفہ اقوال کو نقل کر کے اسے صحیح قرار دینے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے، لیکن اگر اتفاق سے حنفیہ اپنے مذہب میں کوئی ایسی حدیث پیش کردیں جس کی سند میں کوئی راوی ضعیف آ گیا ہو تو پھر غیر مقلدین غیظ و غضب میں زمین آسمان ایک کردیتے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ آج کل کے غیر مقلدین کا مبلغ علم شہور غیر مقلد محدث علامہ ناصر الدین البانی کی تحقیقات ہیں، جن کا غیر مقلدیت میں نصب روز روشن کی طرح آشکارا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی بھی متعصب شخص حدیث کی عیف و تصحیح میں جانب داری سے بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ محققین علماء کی نظر میں علامہ البانی متعصبانہ جرح اور تضعیف نا قابلِ قبول ہے۔ دوسری بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ کسی راوی بارے میں جرح مبہم کافی نہیں ہے، بلکہ جرح مفصل ضروری ہے۔ نیز جس راوی کی و تعدیل میں اقوال مختلف رہے ہوں اس کو محض یک طرفہ طور پر مجروح کر کے مطلقاً نہیں کہا جا سکتا اور ان میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ جو ضعیف قرار دی جارہی ہے، اس میں ضعف کس زمانہ کے راوی کی وجہ سے آیا ہے۔ ۔ راوی امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ کے بعد کا ہے (جیسا کہ اکثر ضعیف روایتوں کا حال

ہے) تو اس راوی کے ضعف سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ امام صاحبؒ تک بھی یہ روایت ضعیف طریقوں سے پہنچی ہو۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ ان تک پہنچنے والی تمام روایتوں کے طرق معتبر اور قابل قبول ہوں اور انہی پر حضرت الامام نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہو۔ لہٰذا محض کسی روایت کے ضعیف ہونے سے مذہب ابوحنیفہؒ کا کمزور ہونا ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

صرف مختلف فیہ مسائل پر ہی بحث کیوں؟

غیر مقلدوں کی شرانگیزی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ناواقف عوام کے سامنے صرف چند رٹے رٹائے اختلافی مسائل کی بحثیں کر کے علمائے احناف کو مخالف سنت قرار دینے کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اگر احناف مخالف سنت ہیں اور بقول غیر مقلدین انھیں صحیح احادیث سے تنفر ہے تو پھر کہیں بھی ان کا کوئی بھی مسئلہ حدیث کے موافق نہ ہونا چاہیے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ کتاب الطہارۃ سے کتاب المیراث تک فقہ کی ہزاروں ہزار جزئیات میں بلامبالغہ اسی پچاس فیصدی مسائل پر کاربند رہتے ہیں۔ انھوں نے آخر ان چند مسائل میں ظاہر کے خلاف قول کیوں اپنایا۔ یقیناً ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہوگی جس کی وجہ سے انھیں حدیث کے معنی اور محل صحیح انداز میں متعین کرنا پڑا۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ معنی دوسرے مجتہدین کے لیے بھی قابل قبول ہوجائیں۔ امام اعظمؒ اور ان کے مسلک کے علماء نے اپنی اجتہادی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے اگر کوئی ایسی رائے اپنائی، جو دوسروں سے میل نہیں کھاتی تو آخر انھوں نے ایسا کون سا قصور کرلیا کہ ان کے خلاف پورا محاذ جنگ کھول دیا جائے۔ ہر مجتہد کو اپنے اجتہاد پر عمل کا حق ہے، لیکن دوسرے شخص پر اپنی رائے زبردستی تھوپنے کا قطعاً مجاز نہیں۔ آج کے زمانہ میں بھی اگر کوئی غیر مقلد شخص یہ کہے کہ میرے اندر اجتہاد مطلق کی صلاحیت ہے جیسا کہ بہت سے جا[ہل] کے طالب علموں اور آزادی کے فیشن ایبل محققین کو اپنے بارے میں خوش گمانی ہوگئی [ہے] ہمیں ان سے کوئی واسطہ مطلب نہیں۔ وہ شوق سے اپنے اجتہاد پر عمل کریں اور اپنے [ماننے] والوں کو کرائیں۔ ہماری شکایت تو یہ ہے کہ امت مسلمہ کا ننانوے فیصدی طبقہ جو صد[یوں] سے معتبر ائمہ کے اوپر اعتماد کرتا چلا آرہا ہے۔ اور ان کی فقہ پر عمل پیرا ہے اس کو نئے [...]

اجتہاد کے نام نہاد اجتہادی مسائل کے لیے تختۂ مشق بننے پر آخر کیوں مجبور کیا جارہا ہے۔ کیا ان چند روزہ غیر مقلدین کے وجود سے پہلے امت کا یہ عام طبقہ ضلالت وگمراہی میں پڑا رہا، اور لمبے عرصہ میں کسی کو فکر آخرت اور دیانت کا خیال نہ آیا؟ کتاب وسنت کو چھوڑ کر ائمہ کے اقوال امت میں رائج رہے اور صدیوں تک کوئی ایسا صاحبِ عزیمت پیدا نہ ہو سکا؟ جو اس رواج پر نکیر کرتا؟ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی توفیق صرف انھیں لامذہبوں کو نصیب ہوئی ہے۔

بہر حال اس وقت امت میں مذہبی اعتبار سے افتراق وانتشار کی یہ کوشش باعثِ صد مذمت ہے اور سبھی دردمندانِ امت کے لیے انتہائی تشویش کا سبب ہے۔ اگر اس تحریک پر مضبوط بند نہ لگایا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں یہ فتنہ گھر گھر میں اور بھائی بھائی میں نزاع وجدال اور قتل وخونریزی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

ضرورت ہے کہ ان بے ادب اور گستاخ غیر مقلدین کو لگام دینے کے لیے علماء اسی طرح کمر بستہ ہوں جیسے انھوں نے قادیانیت وغیرہ باطل طاقتوں کا تعاقب کر کے ان کے ضلال کو واضح کیا ہے۔

سعودی حکومت کو بھی ہوش کی آنکھوں سے صورت حال سمجھ کر حرمین شریفین میں تحریک لامذہبیت کے فروغ پر پہلی فرصت میں پابندی لگائی جانی چاہیے اور ان مقدس مقامات کو گستاخانِ ائمہ سے جلد از جلد پاک کر دینا چاہیے، ورنہ اگر یہ فتنہ انگیزی اس انداز میں جاری رہی تو زیادہ دِنوں تک اسے برداشت نہیں کیا جاسکے گا۔ اور خدانخواستہ شرانگیز سلسلہ حرمین کے امن وامان میں بھی مخل ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو انتشار سے محفوظ رکھے اور ہر قسم کے شرور وفتن سے بچائے۔ آمین۔

بے ادبی اور گستاخی

تحریک لامذہبیت سے وابستہ افراد کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زبان اور اعمال سے بے ادبیوں کے اظہار میں کوئی عار محسوس نہیں کرلے۔ مثلاً نماز کے بعد کی سنن مؤکدہ جن کا التزام صحیح احادیث سے ثابت ہے غیر مقلدوں کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ان کی مساجد میں فرض نماز کا سلام پھیرتے ہی چہل قدمی شروع ہوجاتی ہے، اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ سنت پڑھنے کے اہتمام کے بجائے باقاعدہ نہ پڑھنے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ یہ سنتوں کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح نماز پڑھنے آئیں گے تو ٹوپی اگر پہلے سے اوڑھے ہوئے بھی ہیں تو اسے اُتار کر نماز کی نیت باندھیں گے، اور پیر اتنے چیر کر نماز پڑھیں گے کہ دیکھنے والے کی نظر میں مضحکہ خیز صورت بن جائے گی۔ کیا یہی بارگاہِ رب العالمین کے ادب کا تقاضا ہے؟ کیا سلف سے ایسی ہی بے ادبیاں ثابت ہیں جنھیں کارِ ثواب سمجھ کر دین کا مذاق اُڑایا جارہا ہے؟ عرصہ ہوا تبلیغی جماعت کے بعض احباب نے خود مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ وہ نیپال کے کسی علاقہ میں گئے تو جس مسجد میں ٹھہرے وہ غیر مقلدوں کی مسجد تھی۔ نماز کے وقت امام صاحب گھر سے کرتا وغیرہ پہن کر آئے، مگر جب ان کی نظر تبلیغی جماعت پر پڑی تو انھوں نے محض جماعت کے لوگوں کو چڑانے کے لیے یہ حرکت کی کہ اپنا کرتا اُتار کر سامنے کھونٹی پر ٹانگ دیا اور صرف بنیائن اور پاجامے میں ننگے سر نماز پڑھائی۔ ذرا غور فرمائیں جہالت اور بے ادبی اور گستاخی کا اس سے بڑا اور نمونہ کیا ہوسکتا ہے؟ اسی طرح گفتگو میں ایسی بدزبانی اور فقرے بازی کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ شریف آدمی سر پیٹ کر رہ جائے۔ ان کی زبان کی زد سے ائمہ تو درکنار بہت سے حضراتِ صحابہؓ بھی محفوظ نہیں ہیں۔ بے تکلف کہہ دیتے ہیں کہ ان سے مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ یہ دودن کے پڑھے ہوئے جن میں نہ علمی گیرائی ہے، نہ قوتِ حافظہ ہے، نہ انصاف اور نقولی سے کسی طرح کا مس ہے، وہ منہ بھر بھر کر علماء متقدمین کی آراء کا تجزیہ کرکے کسی کو غلط اور کسی کو صحیح قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں۔ اور اپنی فہم ناقص کے آگے بڑے بڑے اساطین امت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ایسے بے ادب، فتنہ پرور اور عاقبت نااندیش لوگ دراصل قیامت کی ایک اہم علامت ”ولعن آخر ھذہ الامۃ اولھا“ (ترمذی شریف) (اور امت میں آخر میں آنے والے پہلے لوگوں پر لعن طعن کرنے لگیں) کے کھلے ہوئے مصداق ہیں۔ امت کو اس طرح کے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

مقالہ نمبر ۱

مسائل وعقائد میں

غیر مقلدین اور شیعہ مذہب کا توافق

از

جناب مولانا محمد جمال صاحب بلند شہری
استاذ دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیعہ اور غیر مقلدین کی تاریخ ولادت اور پس منظر

اسلام میں رونما ہونے والے فرقوں میں قدیم ترین فرقہ شیعہ فرقہ ہے جو ایک سازش کے تحت وجود میں لایا گیا، یہود کی اسلام دشمنی کسی پر مخفی نہیں، قرآن نے بھی اسکی شہادت دی ہے۔اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃ الآیۃ...... تاریخ اسلام کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اسلام کی آمد کے وقت سے اسکی رفتار ترقی برق رفتاری کے ساتھ حیران کن طریقہ سے جزیرۃ العرب سے نکل کر روم وفارس کی سلطنتوں کو اپنے زیر اقتدار لیتی ہوئی مصر، شام، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق عجم، آرمینا، آذر بائیجان، فارس، کرمان، خراسان، مکران اور بلوچستان کی حدود کو بھی پار کر گئی۔ صیہونی اور استعماری طاقتیں اسلام کی اس آفاقی ہمہ گیر ترقی سے نہ صرف یہ کہ حیران تھیں بلکہ خوف زدہ بھی تھیں، اور میدان کارزار میں بار بار شکست کھانے کے بعد ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ مسلح تصادم کے ذریعہ اسلام کے سیلاب کو روکنا ممکن نہیں ہے، تو کافی بحث وتمحیص اور صلاح ومشورہ کے بعد یہ طے کیا گیا کہ اگر اسلام کے سیل رواں کو روکنا ہے تو پالیسی بدلنی ہوگی، اور پالیسی یہ ہونی چاہئے کہ کسی بھی طریقہ سے اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا جائے اور ان کے عقائد کو مشکوک بنا دیا جائے، چنانچہ اس کام کے لئے یمن کے شہر صنعاء کے ایک یہودی عبد اللہ ابن سبا المعروف بابن سوداء کو منتخب کیا گیا، چنانچہ ابن سوداء منافقانہ طور پر اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کے عقائد کو مشکوک اور اسلامی صفوں میں انتشار پیدا کرنے لگا۔

خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت کے آخری ایام میں افراتفری کے جو حالات رونما ہوئے ان سے حضور کے زمانہ میں شہر بدر کئے ہوئے یہودیوں نے بڑا فائدہ اٹھایا، خود آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اسلام کے خلاف متعدد سازشیں کیں۔

یہودیوں نے دیکھا کہ اسلام کو کمزور کرنے اور اس کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کا چولا پہن کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہوا جائے اور اس طریقہ سے ان کے عقائد کو مشکوک ومشتبہ بنایا جائے، تاکہ ان کے اندر سے دین کی اسپرٹ ختم ہو جائے اس خطرناک منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہت سے یہودیوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ عبداللہ بن سبا ان یہودیوں میں سرفہرست تھا اور اس تمام تر توجہ کا مقصد اسلامی عقائد پر شک وشبہ کا اظہار کرنا اور حضور ﷺ سے منسوب کر کے جھوٹی احادیث تیار کرنا تھا۔

مصر کے ایک مشہور عالم دین شیخ محمد ابوزھرہ لکھتے ہیں:

کہ حضرت علیؓ ابن سبا کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص حضور اکرم کی جانب جھوٹی باتیں منسوب کرتا ہے۔ (تاریخ المذاہب الاسلامیہ ج ۱/ص ۱۳، محمد ابوزھرہ)

معتبر تاریخی حوالوں کے مطابق عہد عثمانی کے اواخر میں ابن سبا کا ظہور ہوا اور اس کا نصب العین تحریک اسلامی کو ہر طرح شل اور معطل کرنا تھا، اس سلسلہ میں اس کا پہلا وار عقیدۂ توحید پر تھا جو اس عظیم تحریک کی روح تھی، اس کے بعد اس کا نشانہ داعی توحید کی شخصیت تھی۔

یمن کے اس یہودی نے نبی امی ﷺ کی قدر ومنزلت کم کرنے کیلئے "امامت اور عصمت ائمہ" کا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ امامت امیر المؤمنین علیؓ کا موروثی حق ہے کیونکہ جس طرح ہر نبی کا ایک وصی ہوتا چلا آیا ہے اسی طرح امیر المؤمنین بھی نبی علیہ السلام کے وصی ہیں۔ (کشی، معرفۃ اخبار الرجال ص ۷۱، نعمت اللہ جزائری انوار النعمانیہ ص ۲۰۷)

ابتداء لفظ شیعہ حمایتی اور طرفدار کے معنیٰ میں استعمال ہوا، حضرت عثمانؓ کے طرف دار اور مداحوں کو شیعان عثمان اور حضرت علی کے حمائیتوں اور بہی خواہوں کو شیعان

علی کہا جاتا تھا اور یہ نظریاتی نہیں بلکہ سیاسی تقسیم تھی ۳۹ھ میں کچھ لوگ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دینے لگے اور حضرت علیؓ کے بارے میں دیگر خرافات مثلاً وصی اور خلیفۃ الرسول اور امام کی معصومیت کا عقیدہ ان میں شامل ہو گیا، بس یہی تھا شیعیت کا نقطۂ آغاز شیعان عثمان نے جب دیکھا کہ شیعان علی کہلانے والے اپنے عقیدہ میں غلو کرنے لگے اور اسلام کی روح کے منافی عقیدے اختیار کرتے ہیں تو حضرت عثمان کے حمائتیوں نے خود کو شیعان عثمان کہنا بند کر دیا، اب میدان میں صرف شیعان علی رہ گئے، رفتہ رفتہ انہوں نے بھی اضافت کو ختم کر کے اپنے آپ کو مطلقاً شیعہ کہنا شروع کر دیا، اسلام کو جس قدر فرقۂ شیعہ سے نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے کسی بدترین سے بدترین دشمن سے نہیں پہنچا آج تک امت اس نقصان کا خمیازہ بھگت رہی ہے، اب آخر میں ایک نومولود فرقہ جو اپنے آپ کو بزعم خویش قدیم ترین فرقہ کہتا ہے غیر مقلدین کا ہے، جس کا مقصد بھی شیعوں کی طرح اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہے اور یہ ان کا محبوب اور پسندیدہ ترین مشغلہ ہے، جس کی تاریخ ولادت اور پس منظر ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔

غیر مقلدین کی تاریخ ولادت اور اس کا پس منظر

ہر فرقہ خواہ وہ نومولود ہی کیوں نہ ہو اپنی قدامت کا دعویٰ کرتا ہے، غیر مقلدین کا بھی دعویٰ ہے کہ وہ اسلام میں سب سے زیادہ قدیم بلکہ اصل وہی ہیں باقی تمام فرقے بعد کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپالی ترجمان الوھابیہ کے ص ۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

اہل حدیث تیرہ سو برس سے چلے آتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی کسی ملک میں جھنڈا اس جہاد اصطلاحی کا کھڑا نہیں کیا اور نہ ان میں کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ملک کا بنا بلکہ سب کے سب تارک الدنیا تھے۔ (ص ۲۱)

اس بیان سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اہل حدیث کا طائفہ تیرہ سو سال سے چلا آتا ہے۔

(۲) اہل حدیث نے کبھی جہاد نہیں کیا۔
(۳) اہل حدیثوں میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔
(۴) اہل حدیث تیرہ سو برس سے خاں صاحب کے زمانہ تک سب کے سب تارک الدنیا تھے۔

اہل حدیث اپنی تاریخ پر جتنا چاہیں فخر کریں، مگر کم از کم یہ مسلمانوں کی تاریخ نہیں ہے یہ صحابہ کرام اور تابعین، ائمۂ دین، محدثین ومفسرین اور مجاہدین اسلام کی تاریخ نہیں ہے اور اللہ کی راہ میں سر کٹانے والوں کی تاریخ نہیں ہے، یہ تاریخ اہل حدیث (غیر مقلدین) کو مبارک ہو۔

مگر کوشش کرنے کے باوجود ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اہل حدیث کے تیرہ سو سال سے چلے آنے کا کیا مطلب ہے؟ اگر مطلب یہ ہے کہ حدیث چونکہ تیرہ سو سال سے موجود ہے لہٰذا اہل حدیث بھی تیرہ سو سال سے موجود ہیں تو پھر اہل قرآن بھی اسی دلیل سے کہہ سکتے ہیں کہ اہل قرآن کا فرقہ تیرہ سو سال سے چلا آرہا ہے اس لئے کہ قرآن تیرہ سو سال سے موجود ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بے چاروں کو کہیں کسی کتاب میں اصحاب الحدیث یا محدث کا لفظ مل گیا تو خوش ہو گئے اور جھٹ سے اپنا مسلکی سلسلۂ نسب ان سے جوڑ دیا، ہم چونکہ اس مختصر رسالہ میں بات کو طویل نہیں کرنا چاہتے اس لئے ہم خود انھیں کے اکابر کے کلام سے یہ بات ثابت کریں گے کہ اس فرقہ کا وجود ڈیڑھ سو سال سے قبل کہیں نظر نہیں آتا۔ فرقۂ غیر مقلدین کی ولادت کا پس منظر معلوم کر کے آپ کو حیرت ہوگی کہ شیعوں اور غیر مقلدین کے پس منظر میں کس قدر یکسانیت اور اتحاد ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ شیعہ فرقہ صیہونیت اور استعماریت کے ناجائز ملاپ کا نتیجہ اور پیدا کردہ ہے اور فرقۂ غیر مقلدین ان کا پروردہ۔

نواب صاحب بھوپالی کا اعتراف

کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد (غیر مقلد) متبع سنت حدیث وقرآن پر چلنے والا بے وفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا ہو جتنے لوگوں نے غدر میں شر وفساد کیا

اور حکام انگلشیہ سے برسر عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدین مذہب حنفی تھے۔

(ترجمان الوھابیہ ص ۲۵)

نواب صاحب بھوپالی مرحوم کی یہ تاریخی شہادت بھی ناظرین ملاحظہ فرمالیں۔

یہ لوگ (اہل حدیث) اپنے دین میں وہی آزادی برتتے ہیں جس کا اشتہار بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا، خصوصاً دربار دہلی میں جو سب درباروں کا سردار ہے۔

(ترجمان الوہابیہ ص ۳۲)

مولوی نذیر حسین کے لئے انگریز کمشنر کی چٹھی

خیال رہے کہ چٹھی انگریزی میں ہے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ یہ چٹھی میاں صاحب نے جب حج کا ارادہ کیا تھا تو ان کو یہ خوف ہوا کہ مخالفین انھیں پریشان کریں گے تو انھوں نے اپنی حفاظت کی خاطر کمشنر دہلی سے جو انگریز تھا ایک چٹھی لی۔

مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ اب وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کیلئے مکہ جاتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی مدد چاہیں گے وہ ان کی مدد کرے گا کیونکہ وہ کامل طور پر اس مدد کے مستحق ہیں۔

(ترجمان الوہابیہ ص ۸۳)

ناظرین! ذرا آپ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ ملک وملت کیلئے آزادی کی جد وجہد کرنے والوں کو تختۂ دار پر چڑھایا جارہا تھا اور مجاہدین سربکف اور کفن بردوش ہوکر اپنی جانیں قربان کررہے تھے اور غیر مقلدین حضرات انگریزی سرکار کی چھتر چھایہ تلے مزے اڑارہے آخر اس کی کوئی تو وجہ ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کے عام مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے اور انگریزوں کے خلاف ان کی جد وجہد کو کمزور کرنے کے لئے اس فرقہ کو کھڑا کیا اور ہر قسم کی عنایتوں سے نوازا۔

(الماثر شمارہ نمبر ۳/ ۹۶ھ بحوالہ غیر مقلدین کی ڈائری ۹۴)

نومولود طائفہ غیر مقلدین کی عمر ڈیڑھ سو سال سے زیادہ نہیں!

تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ہندوستان میں غیر مقلدین کا نام ونشان نہیں تھا، غیر مقلدیت کی وبا اس وقت شروع ہوئی جب ہندوستان کے بعض علماء نے علامہ شوکانی کی شاگردی اختیار کی۔

نواب بھوپالی صاحب مرحوم ''الحطہ فی ذکر صحاح الستہ'' میں خود اعتراف کرتے ہیں:-

''یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند، ریا کار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے اپنے لئے قرآن وحدیث پر علم وعمل کا مدعی ہے حالانکہ اس کا علم وعمل اور معرفت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے''۔ (ص ٦٧-٦٨)

مولوی عبدالجبار غزنوی کچھ اس طرح اعتراف کرتے ہیں۔

''ہمارے زمانے میں ایک فرقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو اتباع سنت کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ وہ اتباع حدیث سے کوسوں دور ہے''۔ (فتاویٰ علماء اہل حدیث ج ۴، ص ۷۵)

مولانا عبدالرحمٰن فریوائی اپنی جماعت ''غیر مقلدین'' کے نومولود ہونے کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

''احیاء سنت کی تحریک تیرھویں صدی کے اواخر میں اپنی قوی ترین شکل (غیر مقلدیت) میں شروع ہوئی''۔ (جہود مخلصہ ص ۹۳)

نیز لکھتے ہیں:-

''اس علمی اور اصلاحی تحریک کی قیادت کی باگ ڈور وقت کے دو مجدد دو امام نواب صدیق حسن بھوپالی اور امام سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نے سنبھالی''۔

گویا یہ تمام حضرات فرقۂ غیر مقلدیت کے نومولود ہونے پر متفق ہیں۔

ناموں کے انتخاب کا اضطراب ان کے اندورنی اضطراب کا پتہ دیتا ہے۔

سب سے پہلے لامذہبیت کے ان علم برداروں نے خود کو موحد کہنا اور لکھنا شروع

کیا گو کہ اور لوگ موحد نہ تھے یہی نام ایک مدت تک باقی رہا پھر خدا جانے کس مصلحت کے پیش نظر اس نام کو خیر باد کہہ کر محمدی نام رکھ لیا، اسی نام سے اسلامی حلقوں میں انہیں جانا پہنچانا جاتا تھا، اس دور میں جو کتابیں لکھی جاتیں وہ عموماً اسی محمدی نام کی طرف منسوب ہوتیں، مثلاً مذہب محمدی، تعلیم محمدی، دلائل محمدی، عقیدۂ محمدیہ، طریق محمدی، تعویذ محمدی، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد جب نجد وحجاز میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اصلاح نے زور پکڑا اور پورے عالم اسلام میں محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت وتحریک کا چرچا ہونے لگا تو ان لوگوں نے اپنے نام ''محمدی'' کو ترک کر دیا کہ کہیں ان کی جماعت کا انتساب اسی ''محمد بن عبدالوہاب'' کی طرف نہ سمجھ لیا جائے جس سے اس جماعت کے سخت نظریاتی اختلاف ہیں۔ اب یہ طے پایا کہ نہ توحید کے علمبردار رہیں گے اور نہ محمد کے تابعدار کسی شخص کی طرف انتساب میں تقلید کی بو آتی ہے اس لئے اب ہم غیر مقلد رہیں گے، اور ایک عرصہ تک اسی نام پر فخر کیا جاتا رہا کہ ہمارا شیوہ کسی کے پیچھے چلنا نہیں ہم اپنی راہ خود بناتے ہیں، ہمارا طائر فکر مسلکی حدود وقیود سے آزاد کھلی فضاء میں اڑتا ہے نہ مکان متعین اور نہ سمت نہ راہ کا پتہ اور نہ منزل کا جس فضاء میں چاہیں اڑتے پھریں گے جس راہ پر چاہیں گے چلیں گے کبھی بریلیوں کی موافقت کر لیں گے تو کبھی شیعوں کی ہاں معتزلہ بھی کچھ برے نہیں ہیں ان کی راہ بھی تو ایک راہ ہے۔

پھر نہ جانے کیوں؟ اس نام سے بھی دل برداشتہ ہو گئے اور غیر مقلد کے بجائے اب اہل حدیث نام کا انتخاب کیا گیا، ان کے بزرگوں میں کوئی بھی سلفی یا اثری نام سے معروف نہیں تھا وہ لوگ جب تک زندہ رہے بس اہل حدیث نام پر جمے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی کتابوں، رسالوں، مدرسوں اور مسجدوں کے نام اسی نام سے موسوم کئے جاتے تھے اہل حدیث مذہب، تاریخ اہل حدیث، مدرسہ اہل حدیث، مسجد اہل حدیث، غرباء اہل حدیث، صحیفۂ اہل حدیث، اہل حدیث گزٹ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جب جماعت کے اکابر گذر گئے اور نئی نسل وجود میں آئی تو اس وقت تک

اقتصادی دنیا میں انقلاب برپا ہو چکا تھا، خلیجی ریاستیں معاشی اعتبار سے تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن تھیں خصوصا سعودی عرب میں ترقی اور خوشحالی کی رفتار اس قدر تیز ہوگئی کہ یہ خطہ اپنی خشک حالی میں ہمیشہ سے معروف تھا چند ہی دنوں میں اپنی خوشحالی پر فخر وناز کرنے لگا، اب غیر مقلدین کی نئی پود نے موقعہ کو غنیمت جانا، عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی سلفی جماعت کا غلبہ تھا اور انہیں کے ہاتھوں میں ملک کا اقتدار بھی ان لوگوں نے طے کیا کہ کیا برا ہے اگر اہل حدیث نام کو چھوڑ سلفیت کی طرف ہم اپنا انتساب کر کے چور دروازے سے اس جماعت میں شامل ہو جائیں ایک آدھ جام مل ہی جائے گا یا جام نہ سہی دردتہہ جام ہی سہی، جماعت کی تقدیر سنور جائے گی بس اب کیا تھا غیر مقلدین اور اہل حدیث نام پر فخر کرنے والے دھڑ ادھڑ سلفی اور اثری ہونا شروع ہو گئے اداروں اور تنظیموں کے نام بدلے جانے لگے۔

واقعہ یہ ہے کہ ناموں کا یہ اضطراب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کا اصل مذہب اور اصل عقیدہ اس قدر تاریکی اور خفا میں ہے کہ کوئی شخص اس سے آسانی سے واقف نہیں ہوسکتا تاہم کافی تگ ودو کے بعد جو چیز ہمارے مطالعہ میں آئی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ترک تقلید کی ذہنیت نے اس جماعت کو کسی ایک ڈگر پر رہنے نہیں دیا کبھی یہ شیعوں کی راہ چلنے لگے اور کبھی قبر پرستوں کی اور کبھی اباحیت پسندوں کی راہ اختیار کر لیتے ہیں اور کبھی صوفیاء کے دامن سے دامن باندھ لیتے ہیں۔

(خلاصہ وماخوذ آئینہ غیر مقلدیت)

غیر مقلدوں کے اہل حدیث بننے کی تاریخی شہادت

۱۸۵۷ء سے پہلے تک یہ جماعت غیر مقلدین کی نام سے کبھی بھی جانی پہچانی نہیں گئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے ان کا وجود ہی نہیں تھا، انگریزی دور میں ان کی ولادت ہوئی تھی اور انگریز نے اپنی پرانی عادت ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے مطابق مسلمانوں کی تحریک آزادی میں نقب لگانے کیلئے ان غیر مقلدوں کو جاگیر اور مناصب

اور نوابی دے کر ایک نئے مذہب کے طور پر کھڑا کیا تھا، ان کے ہاتھ میں آزادی مذہب اور عدم تقلید کا جھنڈا تھمادیا اور عام مقلدین کے خلاف مختلف انداز سے ان کی پشت پناہی کرتے رہے، ان کے دینی اور شرعی مسائل جمہور مسلمین سے الگ تھے اور ان کا عقیدہ بھی بالکل نئے قسم کا تھا جس سے مسلمانان ہند بھی واقف نہیں تھے، پہلے ان لوگوں نے اپنی جماعت کو موحدین کی جماعت کہا یعنی صرف یہ موحد بقیہ سب مشرک، مگر یہ نام چل نہ سکا تو انہوں نے خود کو محمدی کہنا شروع کیا مگر اس پر بھی زیادہ دن قائم نہ رہ سکے، پھر خود کو غیر مقلد مشہور کیا یہ ان کا مقلدین کے خلاف فخریہ نام تھا مگر یہ بھی ان کو راس نہیں آیا اس لئے کہ پورا ہندوستان مقلد اور ان کے بیچ میں تنہا یہ غیر مقلد ان کو جلد ہی محسوس ہوگیا کہ وہ تمام مسلمانوں میں اچھوت بن کر رہ گئے ان کے بعض عقائد کی بناپر عوام نے ان کو وہابی کہنا شروع کر دیا وھابی کا لفظ ان کے لئے گالی سے بدتر تھا ان کو فکر ہوئی کہ اپنی جماعت کے لئے دل لبھاتا ہو چمچماتا ہوا اور تاریخ اسلام میں جگمگاتا ہوا نام ہو ان کو تاریخ اسلام میں کہیں (اہل الحدیث) کا نام نظر پڑ گیا بس اب کیا تھا یاروں نے جھٹ اپنے لئے اس کا انتخاب کرلیا اور خود کو اہل حدیث کہنے لگے، جس طرح منکرین حدیث خود کو اہل قرآن کہتے ہیں، مگر عوام کی زبان پر ان کا نام وہابی ہی چڑھا رہا، اب اس پریشانی میں کیا کریں؟ تو ان کو اپنے آقائے ولی نعمت، انگریز بہادر یاد آئے جن کی خدمت گذاری عرصہ سے چلی آرہی تھی استمداد اور اعانت کیلئے انگریزی سرکار کا دروازہ کھٹکھٹایا اور انگریزی سرکار سے ''اہل حدیث'' نام الاٹ کرانے کے چکر میں لگ گئے۔ غیر مقلدین کے ایک بڑے اور معتبر عالم صاحب نے انگریزی سرکار کی خوشی حاصل کرنے کے لئے نسخ جہاد میں ''الاقتصاد'' نامی ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں ثابت کیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا حرام ہے یہ مسلمانوں کا کام نہیں ہوسکتا، ایک نواب صاحب نے ''ترجمان وہابیہ'' نامی کتاب لکھی جس میں انگریزوں سے لڑنے والوں کے خلاف خوب خوب زہر اگلا، غرض انگریزی سرکار کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے تمام ذرائع استعمال کئے گئے۔ اور جب سرکار کو اپنی وفاداری کا یقین دلادیا اور سرکار ان کی وفاداری پر ایمان لا چکی تو

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے جماعت غیر مقلدین کے مقتدر علماء کی رائے اور دستخط سے اپنی جماعت کیلئے ''اہل حدیث'' کا لقب الاٹ کرانے کیلئے سرکار کی خدمت میں درج ذیل متن کی درخواست پیش کردی جو سرکار انگریزی نے منظور کر لی درخواست کا متن یہ تھا۔

برطانیہ سرکار سے ''اہل حدیث'' نام الاٹ کرانے کی درخواست کا متن بخدمت جناب سکریٹری گورنمنٹ۔

میں آپ کی خدمت میں سطور ذیل پیش کرنے کی اجازت اور معافی کا خواستگار ہوں ۱۸۸۶ء میں میں نے اپنے ماہواری رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں شائع کیا تھا جس میں اس بات کا اظہار تھا کہ لفظ وہابی جس کو عموماً باغی اور نمک حرام کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اس لفظ کا استعمال مسلمانان ہند کے اس گروہ کے حق میں جو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور ہمیشہ سے انگریز سرکار کے نمک حلال اور خیر خواہ رہے ہیں اور یہ بات بارہا ثابت ہو چکی ہے اور سرکاری خط وکتابت میں تسلیم کی جا چکی ہے۔

ہم کمال ادب اور انکساری کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ سرکاری طور پر اس لفظ وہابی کو منسوخ کر کے اس لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم نافذ کرے اور ان کو اہل حدیث نام سے مخاطب کیا جائے۔

اس درخواست پر فرقۂ اہل حدیث کے تمام صوبہ جات ہندوستان کے دستخط ثبت ہیں۔ (اشاعۃ السنۃ ص ۲۴، جلد ۱۱، شمارہ ۲ بحوالہ غیر مقلدین کی ڈائری)

عقیدۂ امامت میں شیعہ اور غیر مقلدین میں توافق و یکسانیت

شیعوں کے نزدیک عقیدۂ امامت

پہلے ہم شیعوں کے عقیدۂ امامت کو بیان کرتے ہیں، اس کے بعد غیر مقلدین کے عقیدۂ امامت سے موازنہ کر کے یہ واضح کریں گے کہ دونوں فرقوں کے عقیدۂ امامت میں کس قدر ہم آہنگی ہے۔

شیعہ مذہب کا محور عقیدۂ امامت ہے

شیعہ مذہب میں عقیدۂ امامت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، بقیہ تمام عقیدے اسی عقیدۂ امامت کی صیانت وحفاظت کے لئے تصنیف کئے گئے ہیں، اہل تشیع کے نزدیک امامت کا عقیدۂ توحید ورسالت کے عقیدہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ عقیدۂ امامت عماد الدین (دین کا ستون) ہے اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ نبی پر لازم ہے کہ امام کا تعین خود کرے، قوم کے حوالہ نہ کرے، اور یہ کہ امام نبی کی طرح معصوم ہوتا ہے، شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کی امامت کی تصریح فرمائی تھی اور حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ کی امامت اور حضرت حسن نے اپنے بھائی حضرت حسین کی امامت کی اور حضرت حسینؓ نے اپنے بیٹے علی کی اور علی بن حسین نے اپنے بیٹے ابو جعفر محمد کی اور محمد نے اپنے بیٹے جعفر کی امامت کی اور جعفر نے موسیٰ کاظم کی اور موسیٰ کاظم نے اپنے بیٹے علی رضا کی امامت کی اور انہوں نے اپنے بیٹے محمد تقی کی امامت کی اور انھوں نے اپنے بیٹے علی نقی کی امامت کی اور انہوں نے اپنے بیٹے حسن عسکری کی امامت کی اور انہوں نے اپنے بیٹے محمد بن حسن عسکری کی امامت کی تصریح فرمائی تھی۔ یہ کل بارہ امام ہیں انھیں کی طرف شیعوں کا مشہور فرقہ امامیہ منسوب ہے جس کو اثنا عشریہ بھی کہتے ہیں۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۰۶)

امام غائب کے بارے میں غیر مقلدین کا عقیدہ

امام غائب اور بقیہ اماموں کے بارے میں غیر مقلدین کا عقیدہ قریب قریب وہی ہے جو اہل تشیع کا ہے چنانچہ غیر مقلدین کی ایک مشہور عالم اور مقتدر ہستی نواب وحید الزماں صاحب اپنی کتاب ''ہدیۃ المہدی'' میں لکھتے ہیں:-

اگر سیدنا حضرت علیؓ اور معاویہ کے درمیان ہمارے زمانہ میں جنگ ہوتی تو ہم حضرت علیؓ کے ساتھ ہوتے، اس کے بعد حسن بن علی کے ساتھ پھر امام حسین بن علی کے

ساتھ ہوتے ان کے بعد علی بن حسینؓ کے ساتھ ان کے بعد امام باقر کے ساتھ ان کے بعد امام جعفر صادق کے ساتھ ان کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم کے ساتھ ان کے بعد امام علی بن موسیٰ کاظم کے ساتھ ان کے بعد امام محمد تقی کے ساتھ ان کے بعد امام محمد نقی کے ساتھ پھر ان کے بعد حسن عسکری کے ساتھ ہوتے اور اگر ہم باقی رہے تو انشاء اللہ اپنے امام غائب محمد بن (عبداللہ) حسن عسکری کے ساتھ ہوں گے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۰۳)

اور سنئے موصوف تحریر فرماتے ہیں:-

یہ بارہ امام ہیں اور در حقیقت یہی حکمراں ہے جن پر نبی کریم ﷺ کی خلافت دین کی ریاست منتہی ہوتی ہے یہ آسمان علم ویقین کے آفتاب ہیں۔

(ہدیۃ المہدی ص ۱۰۲)

جناب حیدرآبادی صاحب اس فصل کو ان دعائیہ کلمات پر ختم فرماتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ احْشُرْنَا مَعَ ھٰؤُلَاءِ الائمۃِ الاثنیٰ عَشَرَ وَثَبِّتْنَا عَلٰی حُبِّھِمْ اِلیٰ یَوْمِ النُّشُوْرِ۔

"اے اللہ ان بارہ اماموں کے ساتھ ہمارا حشر فرما اور قیامت تک ان کی محبت پر ہمیں ثابت قدم رکھ"۔

ناظرین آپ ذرا غور فرمائیں:

کیا مذکورہ کلام میں شیعی عقائد کے جراثیم صاف معلوم نہیں ہو رہے ہیں؟ کیا اس کلام میں شیعیت کی روح صاف نہیں جھلک رہی ہے؟ کیا اہل سنت والجماعت کے کسی فرد کا یہ عقیدہ ہو سکتا ہے!!

مصائب اور تکالیف کے وقت امام غائب سے فریادرسی

غیر مقلدین بھی شیعوں کی طرح امام غائب سے فریادرسی کرتے ہیں چنانچہ غیر مقلدین کے ایک بڑے عالم جن۔ کے بارے میں "جہود مخلصہ" کا غیر مقلد مؤلف لکھتا ہے۔

آپ علماء اہل حدیث کے مشہور علماء میں سے تھے علمی حلقوں میں آپ کی شہرت تھی زندگی بھر تصنیف وتالیف اور سنت وسلفیت کی اشاعت میں لگے رہے بدعات

وخرافات اور تقلید و مذہبی تعصب کے خلاف ہمیشہ لڑتے رہے۔ ۱۸۱ (ایضاً ص ۱۹۳)

چنانچہ یہ بڑے عالم صاحب امام غائب کی شان میں اپنے ایک قصیدے میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔

خوشی اور چڑھتے ہوئے دریا کا پانی خشک ہو گیا اسلام کی فرحت جاتی رہی اور سکون کے ہار کے موتی بکھر گئے وہ دن اور وہ نظام بدل گیا اے اللہ امام غائب کا ظہور تو اب ہونا ہی چاہئے کہ قافلہ اسلام کا نہ آج کوئی رہنما اور نہ اس کا کوئی جاجور۔

ناظرین! دیکھا آپ نے شیعیت کی کیسی روح بول رہی ہے۔ آپ ﷺ نے سچ فرمایا جس روح کا جس سے تعارف ہوتا ہے وہ آپس میں مل جاتی ہیں اور جن روحوں میں اجنبیت ہوتی ہے وہ ایک دوسرے سے دور رہتی ہیں۔ (صحیح بخاری ۱۰۶/۴)

جو امام کی بیعت کے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا

غیر مقلدین کے علماء میں سے ایک مشہور عالم مولوی عبدالوہاب ملتانی جو جماعت غرباء اہل حدیث کے امیر اور میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ کے شاگرد خاص بھی ہیں تحریر فرماتے ہیں:-

جو امام کی بیعت کے بغیر مرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور جو امام وقت کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ دے گا تو اس کی زکوٰۃ قبول نہ ہوگی۔ اور امام کی اجازت کے بغیر طلاق ونکاح بھی درست نہیں اور جو اس وقت (میرے علاوہ) مدعی امامت ہوگا وہ واجب القتل ہے۔ (مقاصد امامت ص ۱۴)

دیکھا آپ نے شیعہ اور غیر مقلدین کے نزدیک اس مسئلہ امامت میں کس قدر توافق ہے اہل تشیع کا بھی امامت کے بارے میں بعینہٖ یہی عقیدہ ہے امام ابن تیمیہؒ جن کے کندھے پر رکھ کر غیر مقلدین حضرات بندوق چلاتے ہیں امامت کے بارے میں شیعی عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان کی حماقت یہ ہے کہ چند جگہیں متعین کر کے وہاں امام منتظر کا انتظار کرتے ہیں

اور بلند نعرے لگا کر ان کو نکالنے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ اگر وہ موجود ہوتے اور انہیں نکلنے کا حکم ہوتا تو نکل آتے چاہے لوگ ان کو پکاریں یا نہ پکاریں۔ (منہاج السنۃ ج ۱، ص ۱۰)

علامہ ابن تیمیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

رہا ان ائمہ کی عصمت کا دعویٰ کرنا تو اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی گئی ہے ان کی عصمت کے صرف امامیہ اور اسماعیلیہ قائل ہیں اور ملحدین و منافقین نے ہی اس سلسلہ میں ان کو موافقت کی ہے۔ (ایضاً ج ۲، ص ۸۳)

عیش بہار کا ثواب بے شمار

ہم خرما و ہم ثواب

اہل تشیع کا مرغوب ترین اور پسندیدہ مسئلہ متعہ ہے جو تمام عبادتوں سے بڑھ کر عبادات اور تمام نیکیوں سے بڑھ کر نیکی ہے

متعہ کی حقیقت

مرد و زن کا جنسی تسکین حاصل کرنے کیلئے آپس میں معاہدہ کر لینا، یہ معاہدہ چند دنوں کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور چند گھنٹوں کیلئے بھی، نہ اس میں ولی کی اجازت کی ضرورت اور نہ گواہوں کی، بس دونوں فریق تنہائی میں بیٹھ کر وقت اور فیس طے کر لیں اور آپس ہی میں ایجاب و قبول کر لیں اور بس

متعہ میں طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ٹائم اور وقت پورا ہونے پر خود بخود جدائی واقع ہو جائیگی۔ جدائی کے بعد نہ وارثت اور نہ عدت اور نہ نان و نفقہ

بقول امام جعفر" کرایہ دار عورت ہے" اسلام کی نظر میں یہ زنا بالرضاء ہے، برٹش عہد میں اور شیعہ ریاستوں میں لائسنس یافتہ عورتیں یہ کار خیر کراتی تھیں،

ناظرین کرام! ذرا آپ غور فرمائیں زنا کی جتنی شکلیں ہوسکتی ہیں ان میں سے

سوائے زنا بالجبر کے کون سی شکل باقی رہ گئی، زنا تو عام طور پر ہوتا ہی رضامندی سے ہے، جب کوئی شخص طوائف کے یہاں کوٹھے پر جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ طرفین سے رضامندی ہوتی ہے اور فیس بھی طے ہوتی ہے اگر عیش بہار کا وقت بھی مقرر کرلیا جائے تو اسی کا نام متعہ ہے اور اس تعین وقت کیلئے ضروری نہیں وہ لمبی مدت ہی ہو چند منٹ بھی ہو سکتے ہیں اور چند گھنٹے اور چند دن بھی، اگر ایک شخص داد عیش دے کر فارغ ہو جائے تو فوراً ہی دوسرا شخص اسی طرح داد عیش دے سکتا ہے اور یہ آمدورفت کا سلسلہ پوری رات جاری رہ سکتا ہے

شیعہ حضرات نہ صرف یہ کہ اس کو زنا تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس عمل پر اجر عظیم کا مستحق بھی قرار دیتے ہیں

ہمارے سامنے علامہ مجلسی کا رسالہ ہے جس کا ترجمہ ''عجالۂ حسنہ'' کے نام سے سید محمد جعفر قدسی نے کیا ہے اور ۱۹۱۴ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے، اور ایک رسالہ ''برہان متعہ'' ہے جو ابوالقاسم ابن الحسین النقی کی تصنیف ہے جو کہ ۱۳۰۵ھ کا مطبوعہ ہے ''برہان متعہ'' کا مؤلف لکھتا ہے:-

بلے باباکرہ متعہ تا زماں قلیل جائز است علی سبیل الکراہت مگر پدرش یا اقارب دیگرش راضی باشند پس مکروہ ہم نخواہد شد۔ (برہان متعہ ص ۵۵)

دیکھا آپ نے، اگر باکرہ لڑکی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر چند گھنٹوں میں بہار عیش لوٹ کر آجائے تو صرف مکروہ ہے، اور اگر والدین کے علم میں بھی ہو تو مکروہ نہیں ہے بلکہ بہار عیش کا ثواب بے شمار ہے زنا و بدکاری ہر معاشرہ میں گھناؤنا اخلاقی جرم رہی ہے مگر شیعہ مذہب ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس میں زنا نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ افضل اعمال بھی ہے اور متعہ شیعہ حضرات کے نزدیک صرف مسلمہ ہی سے نہیں بلکہ یہودیہ اور نصرانیہ حتی کہ مشرکہ اور کافرہ سے بھی جائز ہے، اور متعہ کے لئے غیر شوہر دار ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ شوہر دار سے بھی متعہ کیا جا سکتا ہے، اور یہ بدکاری دو حقیقی بہنوں سے بیک وقت جائز ہے۔

مشہور رافضی مصنف (عاملی) نے جماعتی بدکاری کو فردی بدکاری پر ترجیح دی

ہے اس کو متعہ دوری کہتے ہیں، اس اجتماعی بدکاری کا طریقہ یوں بیان کیا ہے، ایک ہی عورت سے پانچ مرد بیک وقت متعہ (زنا) کر سکتے ہیں ایک فجر سے ظہر تک دوسرا ظہر سے عصر تک تیسرا عصر سے مغرب تک اور چوتھا مغرب سے عشا تک اور پانچوں عشا سے فجر تک۔

صاحب برہان متعہ تحریر فرماتے ہیں۔

اگر بازانیہ عقد متعہ کرد واجب نیست کہ از و دریافت نماید کہ آیا تو باشوہری یا بے شوہری یا در عدت کسے ہستی یا نہ، اگر چہ بقرائن گماں می شود کہ باشوہر یا باعدت است اعتبار ندارد تا ہنگام کہ یقیں او نشود۔ (ایضاً ص ۵۷)

ترجمہ:- متعہ کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ عورت سے یہ معلوم کیا جائے کہ تو شادی شدہ ہے یا نہیں یا کسی کی عدت میں ہے یا نہیں اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ شوہر یا کسی کی عدت میں ہے اس کا اعتبار نہیں جب تک کہ یقین نہ ہو جائے۔

فرقۂ شیعہ چونکہ یہود کا ساختہ پرداختہ فرقہ ہے لہذا اس کے طور طریقوں کا پایا جانا ضروری ہے جس طرح یہود نے اپنے اقتدار و تسلط کے لئے تاریخ کے ہر دور میں جنس (Sex) کا سہارا لیا ہے ٹھیک اہل تشیع نے بھی اسی طرح انسانی معاشرہ کو کھوکھلا کرنے کے لئے زنا و بدکاری پر متعہ کا نقاب ڈال کر اس کو اعلیٰ ترین عبادت کا درجہ دے دیا، اور کلینی سے لے کے خمینی تک کے رافضی اہل قلم اس بات پر متفق ہیں کہ جو متعہ سے محروم رہا وہ جنت سے محروم رہے گا اور قیامت کے دن نکٹا اٹھے گا (یعنی ذلیل و خوار ہو کر) اور اس کا شمار خدا کے دشمنوں میں ہوگا۔

شیعوں کے بارے میں مسعودیؒ اور ابن عبد ربہؒ کی رائے

مسعودی اور ابن عبد ربہ لکھتے ہیں کہ " رافضیت نواز تحریک صرف اعتقادی گمراہیوں تک محدود نہ تھی بلکہ عملاً اخلاقی حدود سے آزادی اس کیلئے لازم ملزوم تھی اور عوام میں اس بات کا شعور پیدا ہو گیا تھا کہ شراب و زنا اور رشوت مذکورہ تحریک کے لوازم اور کھلی علامات ہیں۔

(المسعودی مروج الذہب ج ۳ ص ۵۱۵ ابن عبدربہ العقد الفرید ج ۲ ص ۱۷۹)

باقر مجلسی نے زنا بدکاری کی حلت وجواز کو سرور کائنات ﷺ کی طرف منسوب کر کے یہ روایت اپنی کتاب ''منہج الصادقین'' میں درج کی ہے اس شرمناک روایت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

جو ایک مرتبہ متعہ کرے گا وہ امام حسین کا درجہ پائے گا اور جو دو مرتبہ متعہ کرے گا وہ امام حسن کا درجہ پائے گا اور جو تین مرتبہ متعہ کرے گا وہ امیر المومنین کا درجہ پائے گا اور جو چار مرتبہ متعہ کرے گا وہ میرا درجہ پائے گا۔ (یعنی معاذ اللہ رسول پاک کا درجہ)

ایک دفع متعہ (زنا) کرنے سے سترحج کا ثواب

باقر مجلسی متعہ (زنا) کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، حضرت ﷺ نے فرمایا جس نے زن مومنہ سے متعہ کیا اس نے ستر مرتبہ کعبہ کی زیارت کی۔

(عجالہ حسنہ ترجمہ رسالہ متعہ ص ۱۴/۱۶، لاہور)

اور سنئے اور داد عیش کی داد دیجئے، جس نے اس کار خیر (متعہ) میں زیادتی کی ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے مدارج اعلی کرے گا، یہ لوگ بجلی کی طرح پل صراط سے گذر جائیں گے ان کے ساتھ ملائکہ کی ستر صفیں ہوں گی، دیکھنے والے یہ کہیں گے کیا یہ مقرب فرشتے ہیں؟ یا انبیاء ورسل ہیں؟ فرشتے جواب دیں گے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سنت رسول پر عمل کیا یعنی متعہ کیا، اور یہ لوگ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

(ایضاً ص ۱۷)

دیکھا آپ نے دین کے دیگر ارکان نماز روزہ حج زکوۃ میں سے کسی پر درجات کی بلندی اور بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخلہ کا وعدہ نہیں ہے اگر وعدہ ہے تو (متعہ) زنا وبدکاری پر مطلب یہ ہے کہ شیعہ حضرات کو جنت میں داخلہ کے لئے کچھ

کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف متعہ (زنا) جیسے کار خیر میں کثرت کرنے سے بغیر حساب و کتاب جنت میں داخلہ کی گارنٹی ہے۔ یہ تھے باقر مجلسی جنہیں گذرے ہوئے تقریباً چار سو سال ہو چکے ہیں۔ اب ذرا عصر حاضر کے مجلسی "خمینی" کو سنئے، خمینی صاحب نے متعہ (زنا) کی فضیلت میں ایک کتاب تحریر فرمائی ہے، جس کا نام "تحریر الوسیلہ" ہے لکھتے ہیں کہ:

"زنا کار عورتوں (طوائف) سے متعہ جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ خصوصاً جب کہ وہ مشہور پیشہ ور طوائف ہوں، اگر اس سے متعہ کرلے تو چاہئے کہ اس کو بدکاری کے پیشہ سے منع کرے۔ (تحریر الوسیلہ ج ۲، ص ۲۹۲)

اسی کتاب کے ص ۲۹۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ متعہ کم سے کم مدت کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے مثلاً صرف ایک رات کے لئے یا ایک دن کے لئے، اور اس سے کم وقت یعنی گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے بہر حال مدت اور وقت کی تعیین ضروری ہے خواہ اقل قلیل ہی کیوں نہ ہو۔

ناظرین! آپ ملاحظہ فرمائیں خمینی صاحب کی مذکورہ صراحت اور وضاحت کے بعد اب زنا کی کونسی شکل باقی رہ گئی آپ یہ تو سابق میں معلوم کرہی چکے ہیں کہ متعہ میں نہ گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اولیاء کی اجازت کی بس فریقین کا راضی ہو جانا کافی ہے اور فیس طے کرلینا بھی ضروری ہے تاکہ اجرت مجہول نہ رہے، ممتوعہ اگر متعہ کے نتیجے میں حاملہ ہو جائے تو متعہ کرنے والے مرد کی بچہ کی کفالت یا پرورش کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، سارا بار زن ممتوعہ پر ہوتا ہے، مرد تو بہار عیش لوٹ کر اور فیس ادا کرکے الگ ہو جائے اور بس!

اہل سنت والجماعت متعہ کی حرمت پر متفق ہیں جن بعض علماء سے ابتداء متعہ کے جواز کا قول منقول ہے ان کا رجوع بھی ثابت ہے لیکن چونکہ غیر مقلدین اور شیعہ حضرات کا مسلکی رشتۂ یگانگت ہے لہذا متعہ جیسے لذت بخش مسئلہ میں شیعوں سے کیسے

الگ ہو سکتے تھے۔

غیر مقلدین کا عقیدہ ہے کہ متعہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔

چنانچہ نواب مولانا وحید الزماں صاحب حیدرآبادی غیر مقلد اپنی کتاب ''نزل الابرار'' میں لکھتے ہیں۔

المتعة ثابت جوازها بآية قطعية للقرآن۔

متعہ کا جواز قرآن کی قطعی آیت سے ثابت ہے۔ (نزل الابرار ج ۲ ص ۳۳، ۳۴)

شیعہ اور غیر مقلدین کے درمیان توافق کی ایک اور مثال

جمہور مسلمانوں کے خلاف اور شیعوں کے موافق غیر مقلدین کا مذہبیہ ہے کہ جمعہ کی اذان اول کا جسے حضرت عثمانؓ نے جاری کیا تھا انکار کرتے ہیں حالانکہ تمام صحابہ، تابعین اور ائمہ نے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عثمان کی پیروی فرمائی ہے " علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين" پھر دوسری بات یہ بھی مسلم ہے کہ امت محمدیہ کبھی کسی گمراہی پر اتفاق کر کے جمع نہیں ہو سکتی صدیوں سے امت محمدیہ میں جاری اس عمل کی مخالفت البتہ ضرور گمراہی اور خلفاء راشدین کی مخالفت کے زمرہ میں آتی ہے۔ شیعہ اور غیر مقلدین کے علاوہ اس مسئلہ میں کسی اور سے انکار منقول نہیں ہے۔

شیعوں کا مذہب ہے کہ جمعہ کے دن دوسری اذان بدعت ہے اور بعینہ یہی غیر مقلدین کا مذہب ہے۔ (کنز الحقائق ص ۳۶)

جبکہ جمہور امت حضرت عثمان کے جاری کردہ اس عمل کی پیروی کرتے ہیں چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو پہلی اذان کا عمل اختیار کیا لوگوں نے بعد میں اس پر اتفاق کیا اور چاروں مذاہب میں اسے اختیار کیا گیا جیسا کہ ایک امام پر لوگوں کو

جمع کرنے کا سلسلہ میں حضرت عمر کے جاری کردہ طریقہ پر اتفاق کیا۔

(منہاج السنۃ ج ۳، ص ۲۰۴)

علامہ ابن تیمیہ اذان اول کو بدعت قرار دینے والے سے خطاب کر کے کہتے ہیں:-

یہ آپ کس بنا پر کہہ رہے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی شرعی دلیل کے یہ عمل انجام دیا؟۔ (ایضاً)

ایک جگہ فرماتے ہیں:-

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں نے اس کے استحباب پر حضرت عثمان کے ساتھ اتفاق کیا حتیٰ کہ حضرت علی کے ساتھیوں نے بھی اس کی موافقت فرمائی ہے جیسے حضرت عمار، حضرت سہل بن حنیف اور سابقین اولین سے تعلق رکھنے والے دوسرے بڑے صحابہ ہیں اگر یہ بڑے صحابہ اس کا انکار کر دیتے تو کوئی ان کی موافقت نہ کرتا۔ (ایضاً)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

یہ اذان حضرت عثمانؓ کی جاری کردہ ہے اور مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا ہے اس لئے اسے اذان شرعی کہا جائے گا۔ (منہاج ۴، ص ۱۹۳)

حقیقت یہ ہے کہ موافقت اور مخالفت کا جذبہ انسان کے اپنے اندر پوشیدہ بغض ومحبت کے چشمہ سے پھوٹتا ہے۔ بہت سے مسائل میں صحابہ اور خلفاء راشدین کی مخالفت کر کے اور ان کی سنت اور دینی امور میں ان کی اتباع سے اعراض کر کے غیر مقلدین صحابہ کے بارے میں اپنے دل کے پوشیدہ بغض کی ترجمانی کررہے ہیں۔

خطبہ میں خلفاء راشدین کا تذکرہ غیر مقلدین اور اہل تشیع کے نزدیک بدعت ہے۔

غیر مقلدین کے ایک نامور عالم نواب وحید الزماں صاحب حیدر آبادی اپنی کتاب ''نزول الابرار'' میں لکھتے ہیں

اہل حدیث خطبہ میں بادشاہ وقت اور خلفاء کے ذکر کا التزام نہیں کرتے کہ یہ بدعت ہے۔ (نزول الابرار ج ۱ ص ۱۵۳)

جس طرح اہل تشیع کے نزدیک خلفاء کا ذکر خطبہ میں بدعت ہے ٹھیک اسی طرح غیر مقلدین کے نزدیک بھی یہ ذکر بدعت ہے، دیکھا آپ نے دونوں فرقوں کے درمیان کس قدر یکسانیت ہے، مجدد الف ثانی فرماتے ہیں،

خلفاء راشدین کا ذکر اگرچہ شرائط خطبہ میں داخل نہیں مگر اہل سنت والجماعت کا شعار ہے خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر مبارک صرف وہی شخص چھوڑ سکتا ہے جس کا دل مریض ہو اور باطن خبیث۔ (مکتوبات ج ۲ ص ۳۸-۳۹)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مسئلہ میں شیعہ اور ان کے ہمنواؤں پر بڑا سخت رد کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں

برسر منبر خلفاء کا ذکر حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں تھا بلکہ ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب کے عہد میں بھی تھا۔ (منہاج ج ۲ ص ۲۴۷)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

خلفاء راشدین کا ذکر مستحب ہے۔ (ایضاً)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

خلفاء راشدین کا ذکر معیوب کیسے ہوسکتا ہے جن سے اسلام میں کوئی افضل نہیں۔ (ایضاً)

ہم مضمون کے طویل ہونے کے خوف سے انہی چند حوالوں پر اکتفاء کررہے ہیں مزید حوالوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی بات کو ان الفاظ پر ختم کررہے ہیں۔

جمعہ کی اذان اول اور خطبہ میں خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کے ذکر کے بارے میں یہ تھا اہل سنت والجماعت کا مذہب اور یہ تھا سلفی مسلک، لیکن غیر مقلدین صحابہ اور اہل سنت والجماعت کے طریقہ کو شنیع سمجھتے ہیں اور اس کو کتاب وسنت کی اتباع خیال کرتے ہیں، صحابہ کرام کے پاک باز قافلہ کے طریقہ کی شناعت کو اگر قرآن وسنت کی اتباع کا نام دیا جائے تو اسلامی تعلیمات کا تابناک عملی نمونہ تاریخ اسلام پھر کہاں سے پیش کرے گی؟۔

صحابہ کرام اور اہل تشیع و غیر مقلدین

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں

اہل تشیع اور غیر مقلدین کی بدزبانی

صحابہ کرام کے بارے میں شیعہ حضرات کا عقیدہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے کہ غیر مقلدین صحابہ کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ ہم اس مختصر مضمون میں مذکورہ دونوں فرقوں کے عقیدہ کا جائزہ لیں گے:

بعثت نبوی کے علتِ غائی اور اللہ کے رسول ﷺ کی عمر بھر کی کمائی مکتبِ رسالت کے شاہکار، آفتابِ ہدایت کے گوہر آبدار، ہدایت الٰہی کے فیضان، اسلام کے اعجاز اور قرآن کا انقلاب، حزب اللہ اور حزب الرسول حضرات صحابۂ کرام ہیں، اگر صحابہ نہ ہوتے تو خدا اور رسول کی معرفت نہ ہوسکتی، بلکہ خدا کا نام لیوا کوئی نہ ہوتا، آپ ﷺ نے سچ فرمایا، اللھم ان تھلك ھذہ العصابة لم تعبد ابداً (بخاری)

اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک کردی گئی تو پھر تیری کبھی بندگی نہ ہوگی،

اہل ایمان سے دشمنی یہود کا شیوہ اور کافروں کی علامت ہے، شیعہ بھی چونکہ اپنی عادات واطوار عقائد وخصوصیات کے اعتبار سے یہود کا ایک فرقہ ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیعیت یہودیت ہی کا چربہ ہے، ابن عبدالبر صدیوں پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہودی اور رافضی ایک ہی سکہ کے دورخ ہیں، ابن عبدالبر نے یہودیوں اور رافضیوں کے درمیان عقائدی مماثلت ومشابہت کی نشاندہی کی ہے، لیکن ذرا فکری مشابہت ملاحظہ کیجئے۔

(۱) یہود خود کو اللہ کی پسندیدہ قوم تصور کرتے ہیں اوران کا دعویٰ ہے کہ یہودیوں کے علاوہ تمام انسان گوئیم (Gavim) ہیں یعنی حیوان ہیں جو یہودیوں کی

خدمت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اوران کے مال و دولت کو لوٹنا جائز ہے۔

(۲) رافضی بھی بالکل یہی دعویٰ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان کا تعلق اہل بیت سے ہے رافضیوں کے علاوہ تمام انسان ناصبی ہیں (یعنی ان کے عقیدہ کے دشمن ہیں اوران کے اموال کو لوٹ لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ کار ثواب ہے)۔

(۳) یہودی نسلی برتری وتعصب کے علمبردار ہیں، اور عربوں کو بڑی حقارت اور ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں رافضیوں کا بھی عربوں کے سلسلہ میں یہی نقطہ نظر ہے۔

(۴) یہودی اپنے آپ کو ہمیشہ سے مظلوم کہتے چلے آرہے اور وہ ایک زمانہ سے ازسرنو تاریخ مرتب کرنے اوران پر ظلم کرنے والوں کو سزائیں دینے کا مطالبہ کررہے ہیں، رافضیوں کا بھی ہو بہو یہی مطالبہ ہے فتنہ ایران کے سرغنہ خمینی متعدد بار ایک ایسے کمیشن کی تشکیل کا مطالبہ کر چکے ہیں جو رافضیوں پر بقول ان کے مظالم کرنے والوں کو سزائیں دے اوران کے ٹولے کو اس کا جائز حقوق دلوائے۔

یہود اور شیعہ اسلام دشمنی میں مشترک ہیں

شیعہ یہود کے مانند مخلصین مومنین خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے جو کہ روئے زمین پر پاکیزہ اور اللہ کی پسندیدہ جماعت ہیں دلی بغض اور عداوت رکھتے ہیں، اللہ تعالی نے بھی قرآن کریم میں یہود و مشرکین کو مومنین کا شدید ترین دشمن بتایا ہے،

لَتجدَنَّ اَشَدَّالناسِ عَدَاوَۃَ لِلَّذِیۡنَ آمنواالیَہُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ اَشر کوا۔ (پ۶ رکوع ۱۴)

ترجمہ :-اے مخاطب مومنین کا سخت ترین دشمن لوگوں میں سے یہود اور مشرکین کو پائے گا۔

یہود کے مانند شیعہ حضرات بھی صحابہ کرام کے سب سے بڑے اور بدترین دشمن ہیں کفار قریش کی صحابہ دشمنی قبول اسلام کے بعد محبت صحابہ میں تبدیل ہوسکتی ہے مگر شیعوں کی دشمنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جلائے جانے کے بعد بھی ہر گز نہیں بدل سکتی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا اور مشکل کشا کہنے والی ایک جماعت کو حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلایا تھا مگر جلتے وقت بھی انہوں نے شرک و بغض نہ چھوڑا۔

شیعوں کی صحابہ دشمنی کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے

روی العیاشی عن الباقر علیہ الصلوٰۃ والسلام،قال کان الناس اھل ردۃ الا ثلاثۃ (ابو ذر ،مقداد ،سلمان)وَاَبو اَن یُبَایِعُوا حتی جاء وابامیر المومنین علیہ السلام مکرھاً فبایع (تفسیر صافی ص۳۸۹ ج۴ پ۴)

امام باقر فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ سوائے تین ابوذر،مقداد ،سلمان کے مرتد ہو گئے تھے،انہوں نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا جب سب لوگ حضرت علی کو بھی لے آئے اور امیر المومنین نے بھی مجبوراً ابوبکر کی بیعت کر لی پھر ان صحابہ نے بھی امیر کی اتباع میں بیعت کر لی۔

مامتانی نے ارتداد صحابہ کی روایت کو متواتر کہا ہے(تنقیح المقال ص۱۲۶ ج۱) ۔

تقریب المعارف میں روایت ہے کہ حضرت زین العابدین سے ان کے آزاد کردہ غلام نے کہا میرا جو آپ پر حق الخدمت ہے اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر وعمر کا حال سنائے۔

حضرت فرمود ہر دو کافر بودند وہر کہ ایشاں دوست دارد کافر است

(حق الیقین ص ۵۲۲)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان میں گستاخی

مجلسی اپنی کتاب حق الیقین میں رقمطراز ہے،

چون قائم زماں ظاہر شود عائشہ رازندہ کند تا بروحد بزند وانتقام فاطمہ از وبکشد

ترجمہ :-جب قائم الزماں ظاہر ہوں گے عائشہ کو زندہ کر کے اس پر حد جاری کریں گے اور اس سے حضرت فاطمہ کا انتقام لیں گے۔

صحابہ پر طعن و تشنیع اور ان سے اظہار براٗت شیعیت کا شعار ہے غیر مقلدین چونکہ

ان کے برادر خورد ہیں لہذا وہ شیعہ حضرات سے الگ اپنی راہ کس طرح بنا سکتے تھے؟ طائفۂ غیر مقلدین میں رفض و تشیع کے جراثیم پوری طرح سرایت کئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے فقہی اور اعتقادی مسائل میں دونوں جماعتوں کے درمیان توافق پایا جاتا ہے اور یہی چیز دونوں فرقوں کے درمیان گہرے روابط کی نشاندہی کرتی ہے۔

دونوں فرقوں کے درمیان توافق کا نمونہ

شیعوں کے مانند غیر مقلدین بھی صحابہ کی ایک باوقار جماعت کو طعن و تشنیع اور باطنی خباثتوں کا نشانہ بنانے میں کوئی خوف محسوس نہیں کرتے غیر مقلدین کے اکابر بعض صحابہ کی شان میں گستاخانہ لب ولہجہ استعمال کر کے ان سے اپنی برأت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں غیر مقلدین کی بدزبانی

شیخ عبدالحق بنارسی کا نام کون نہیں جانتا غیر مقلدین کے مشہور و معروف عمائدین اور علماء میں سے ہیں آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں ان کے تشیع زدہ الفاظ کو تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے، فرماتے ہیں۔

حضرت علی سے جنگ کر کے حضرت عائشہ مرتد ہو چکی تھیں، اگر بلا توبہ مری تو کفر پر مری۔ (کشف الحجاب ص ۲۱) بحوالہ آئینہ غیر مقلدیت ص ۲۳۹)

اور سنئے!

غیر مقلدین علماء میں سے نواب وحید الزماں صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ بھی فاسق ہیں۔ (نزل الابرار ج ۳ ص ۹۴)

مذکورہ مشہور عالم صاحب حضرت امیر معاویہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امیر معاویہ کو نفوس مقدسہ پر قیاس کیا جائے، وہ نہ مہاجرین میں سے ہیں اور نہ انصار میں سے، اور نہ وہ نبی کریم ﷺ کے خدمت میں رہے، وہ تو ہمیشہ آپ ﷺ سے جنگ کرتے رہے اور اسلام لائے بھی تو فتح مکہ کے دن ڈر کر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت علی، زبیر

،اور طلحہ کو قتل کر دیں، حیدر آبادی خانصاحب حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص کے بارے میں لکھتے ہیں:-

مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ معاویہ اور عمرو بن عاص دونوں باغی اور سرکش تھے

(رسالہ اہلحدیث جلد ۹۲)

حضرات آپ نے ملاحظہ فرمایا کیسی خالص شیعیت بول رہی ہے۔

حکیم فیض عالم صاحب غیر مقلد، حضرت ابوذر غفاری کے بارے میں لکھتے ہیں،

اس شعر میں دوسرے نمبر پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام ہے جو ابن سبا کے کمیونسٹ نظریہ سے متاثر ہو کر ہر کھاتے پیتے مسلمان کے پیچھے لٹھ لیکر دوڑتے تھے۔

(خلافت راشدہ ص ۱۴۳)

یہی حکیم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتا ہے ،پس آؤ سنو بہت صاف صاف اور موٹے مسائل میں بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ غلطی کرتے تھے ان مسائل کے دلائل سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بے خبر تھے۔ (طریق محمدی ص ۴۰)

آگے چل کر یہ باخبر حکیم دس فقہی مسائل ذکر کر کے یوں گوہر افشانی کرتے ہیں:-

پھر بھی ان موٹے مسائل میں جو روزمرہ کے ہیں دلائل شرعیہ آپ سے مخفی رہے

(ایضاً ص ۴۳)

ناظرین! دیکھا آپ نے کس قدر شیعیت جھلک رہی ہے اور اس پر بھی دعویٰ ہے کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ صحابہ پر تبرا کرنے والا زندیق اور منافق ہے۔

(الکبائر للذہبی ص ۲۳۹)

جو صحابہ پر طعن کرے وہ ملحد اور اسلام کا دشمن ہے اسکا علاج اگر توبہ نہ کرے تو تلوار ہے۔

(اصول سرخسی ج ۲ ص ۱۳۴)

ابن تیمیہ فرماتے ہیں، ایسا شخص بدترین زندیق ہے۔ (فتاوی ج ۴ ص ۱۶۳)

ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرمایا:-

''جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالی دیتے ہیں تو کہو:

" لعنت اللہ علی شر کم''

ایک دوسری روایت میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو دیکھو میرے بعد ان کو ہدف تنقید نہ بنالینا۔ (ترمذی شریف)

یہ ہے صحابہ پر تبرا کرنے والوں کے حق میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اور غیر مقلدین اس عقیدہ سے کوسوں دور ہونے کے باوجود جب اپنا انتساب اہل سنت والجماعت اور اسلاف کی جانب کرتے ہیں تو ہماری حیرت کی انتہاء نہیں رہتی ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے مدعودین کو تشیع کی دعوت دیتے ہیں اور روافض نے جن چیزوں کو واجب کیا ہے ان کی پابندی اور جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو حرام سمجھنے کی تاکید کرتے ہیں پھر اسکے بعد وہ لوگ ان کو آہستہ آہستہ اسلام سے نکال کر ہی دم لیتے ہیں۔

(آئینۂ غیر مقلدیت ص ۲۴۴)

یقیناً ان لامذہبوں کی تخریبی دعوت کا یہی مقصد ہے، یہ لوگ اپنی مفسدانہ تحریکوں کو سلفیت کے خوبصورت لباس میں پیش کرکے امت اسلامیہ کے سادہ لوح مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔

اور کل تک جو دھندا شیعہ اور خوارج کیا کرتے تھے وہ آج اس فرقہ غیر مقلدین نے سنبھال لیا ہے، اسطرح ان فرقوں کو غیر مقلدین سے کافی تقویت پہنچ رہی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ اگر غیر مقلدین نے توہین صحابہ کے علاوہ کوئی اور جرم نہ بھی کیا ہوتا تو یہی ان کو گمراہ ہونے کے لئے کافی تھا، لیکن سینکڑوں قسم کی ضلالتوں میں مبتلا ہونے کے باوجود دعویٰ ہے کہ ہم اصلی مسلمان ہیں۔

خلفاء راشدین کے بارے میں عقیدۂ غیر مقلدین اور اہل تشیع میں توافق

اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ حضرات صحابہ تمام امت میں افضل ہیں اور ان میں سابقین اولین افضل ہیں یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس میں اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے چنانچہ عقیدہ طحاویہ میں ہے۔

ونثبتُ الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اولاً لابى بكر الصديق رضى الله عنه تفضيلاً له وتقديماً على جميع الامة۔

(شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۵۳۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور تمام امت پر مقدم ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم اولاً خلافت ان کیلئے ثابت مانتے ہیں اور عقیدہ طحاویہ کی شرح میں ہے۔

وترتيب الخلفاء الراشدين رضى الله عنهم اجمعين فى الفضل كترتيبهم فى الخلافه۔　(ص ۵۴۸)

اور فضیلت میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ کے درمیان وہی ترتیب ہے جو خلافت میں ان کی ترتیب ہے، عقیدۃ الطحاویہ ہی کی شرح میں ایک اور جگہ ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو شخص حضرت علی پر مقدم نہیں مانے گا وہ درحقیقت انصار اور مہاجرین پر عیب لگائے گا، (کیونکہ انصار مہاجرین دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے) (ایضاً) اب آپ غیر مقلدین حضرات کی رائے بھی سنئے شیعہ حضرات کی رائے اور عقیدہ سے کس قدر ہم آہنگ ہے ہدیۃ المہتدی کا مؤلف یوں رقمطراز ہے:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق حضرت صدیق اکبرؓ، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت

عثمانؓ پھر حضرت علیؓ پھر حضرت حسنؓ بن علی، ان پانچوں میں سے عند اللہ کون افضل و ارفع ہے؟ یہ ہمیں معلوم نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کے بکثرت فضائل ہیں، البتہ سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت حسن کے فضائل کی کثرت ہے اسلئے کہ یہ صحابی ہونے اور اہل بیت ہونے دونوں فضیلتوں کے جامع ہیں یہی محققین کا قول ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۹۴)

اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ خلفائے راشدین کی افضلیت خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے لیکن اس کے متعلق ہدیۃ المہتدی کے مؤلف لکھتے ہیں۔

اکثر اہل سنت والجماعت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے افضل صدیق اکبرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو قرار دیتے ہیں لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں مل سکی۔ (ہدیۃ المہدی ص ۹۴)

حضرت علیؓ کا یہ قول کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر صدیق اکبرؓ پھر حضرت عمرؓ ہیں اور میں تو مسلمانوں میں ایک عام آدمی ہوں، ان کا یہ قول تواضع پر محمول ہے۔

(ہدیۃ المہدی ص ۵۵)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی مشہور کتاب ''ازالۃ الخفاء'' میں اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے خلفائے راشدین کی افضلیت حسب ترتیب خلافت ثابت کی ہے نواب وحید الزماں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ترجیح اور فضیلت دینے پر حضرت شاہ صاحب نے کوئی قطعی دلیل پیش نہیں کی ہے جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے وہ سب اندازے اور تخمینہ کی باتیں ہیں جو اس مقام پر مناسب نہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص ۵۵)

اور اہل سنت کے عقیدہ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

یہ نہ کہا جائے کہ شیخین کی افضلیت ایک اجماعی مسئلہ ہے کہ علماء نے اس کو اہل سنت والجماعت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے اس لئے کہ اجماع کا دعویٰ ہمیں تسلیم ہی نہیں ہے، اجماع کیلئے کوئی مستند دلیل ہونی چاہئے یہاں مستند دلیل کہاں ہے؟

(ہدیۃ المہدی) بحوالہ وقفة مع اللامذهبية)

خلفائے راشدین کی افضلیت کے بارے میں یہ ہے غیر مقلدین کا عقیدہ جوشیعوں کے عقیدہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے مذہب میں صحابہ کا قول حجت نہیں

اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ کتاب وسنت کے بعد صحابہ کا قول حجت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت کی اقتداء کا حکم فرمایا ہے، حضرات صحابہ کے اقوال اور ان کے طریقوں کو ترک کرنا روافض ہی کا شعار ہے۔

غیر مقلدین بھی اس سلسلہ میں روافض اور شیعوں کی راہ پر گامزن ہیں ان کے دل حضرات صحابہ کے ساتھ بغض ونفرت سے بھرے ہوئے ہیں، ان کے عجیب عقائد کا علم ان کی کتابوں کے مطالعہ کرنے سے ہوتا ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کا قول حجت نہیں ہے، جمہور اہل سنت کی مخالفت کرتے ہوئے اقوال صحابہ سے استدلال کو درست نہیں مانتے، نواب بھوپالی صاحب کا ارشاد سماعت فرمائیں۔

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تفسیر سے دلیل قائم نہیں ہوسکتی بالخصوص اختلاف کے موقعہ پر۔ (بدور الاھلہ ص ۱۳۹)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

"صحابی کا فعل حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا" (التاج المکلل ص ۲۹۲)

نواب صاحب کے صاحبزادے نور الحسن لکھتے ہیں:-

"اصول میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ صحابی کا قول حجت نہیں" (عرف الجادی ص ۱۰۱)

اور میاں نذیر حسین صاحب لکھتے ہیں:-

"صحابہ کے افعال سے استدلال نہیں کیا جاسکتا" (فتاوی نذیریہ ص ۱۹۶ ج ۱)

غیر مقلدین حضرات صحابہ کرام کے اقوال اور افعال سے استدلال کو درست نہیں مانتے اور اس معاملہ میں خلفاء راشدین تک کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔

غیر مقلدین حضرات خود کو سلفیوں میں شمار کرانے اور چور دروازے سے داخل

ہونے کی بڑی سرتوڑ محنت اور کوشش کرر ہے ہیں اور تقیہ کا نقاب ڈال کر اس بات کے باور کرانے میں کہ ہمارا عقیدہ اور مسلک وہی ہے جو سلفیوں کا ہے پوری کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ حضرات سلفیوں سے بہت دور اور روافض اور شیعوں سے زیادہ قریب ہیں جیسا کہ ہم نے ان کے بہت سے عقائد و مسائل میں شیعوں کے ساتھ توافق اور ہم آہنگی کو دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔

جیسا کہ مذکور ہوا کہ غیر مقلدین صحابہ کے قول و فعل کو حجت نہیں مانتے اور ان کے قول و فعل سے استدلال کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم جو کہ سلفیوں کے امام اور مقتدا شمار ہوتے ہیں، حضرات صحابہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں اور خلفاء راشدین کے جاری کردہ طریقہ اور عمل کو سنت قرار دیتے ہیں اور ان کے مخالف کو اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ نے " منہاج السنہ" اور اپنے فتاوی میں اس مسئلہ پر کافی تفصیلی کلام کیا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں۔

خلفاء راشدین کی سنت بھی ان چیزوں میں داخل ہے جن کا اللہ اور رسول نے حکم دیا ہے۔ اس پر بہت سے شرعی دلائل موجود ہیں۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۱۰۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے:-

ہمارے نزدیک سنت کے اصول وہ ہیں جن پر صحابہ کرام تھے۔ (ایضاً ج ۴ ص ۱۵۵)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:-

حضرات صحابہ کرام علم، عقل، دین اور فضل میں ہم سے فائق ہیں اپنی رائے کے بجائے ہمارے لئے ان کی رائے زیادہ بہتر ہے۔ (ایضاً ج ۴ ص ۱۵۸)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

" حضرات صحابہ کا جب کسی بات پر اتفاق ہو جائے تو وہ بات باطل نہیں ہو سکتی۔

(منہاج، ج ۳ ص ۶۶)

اور فتاوی میں فرماتے ہیں:-

کتاب وسنت میں غور کرنیوالا یہ بات اچھی طرح جانتا ہے اور اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق بھی ہے کہ عمل، قول، اور عقیدہ غرضیکہ ہر فضیلت میں سب سے بہتر پہلا زمانہ تھا (یعنی نبی کریم ﷺ کا زمانہ) پھر ان کے بعد کے لوگوں کا زمانہ (یعنی تابعین کا دور) اور پھر ان سے متصل لوگوں کا زمانہ (یعنی تبع تابعین کا دور) جیسا کہ مختلف طرق سے نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے، حضرات صحابہ علم وعمل عقل، ایمان، دین، بیان، اور عبادت غرضیکہ ہر فضیلت میں سب سے افضل ہیں اور ہر پیچیدہ مسئلہ کی وضاحت اور بیان کے لئے بہتر واولیٰ، یہ ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی انتہائی ہٹ دھرم، اور گمراہ آدمی ہی رد کرسکتا ہے۔　(فتاویٰ ج ۴ ص ۱۵۷)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

کتاب وسنت اور اجماع کی دلالت کی بناء پر حضرات صحابہ امت میں سب سے اکمل ہیں اسلئے آپ امت میں کسی بھی شخص کو اسطرح نہیں پائینگے کہ جو حضرات صحابہ کی فضیلت کا معترف نہ ہو، اس مسئلہ میں اختلاف اور نزاع کرنے والے۔ جیسا کہ روافض ہیں در حقیقت جاہل ہیں۔　(منہاج، ج ۱ ص ۱۶۷)

مسئلہ اجماع غیر مقلدین اور اہل تشیع کا توافق

غیر مقلدین کی ایک گمراہی یہ ہے کہ وہ اجماع کے منکر ہیں، ان کے نزدیک اسلامی عقیدہ کے اصول صرف کتاب وسنت ہیں حتیٰ کہ اجماع صحابہ کے بھی منکر ہیں ان کا یہ عقیدہ بھی شیعوں کے ساتھ توافق اور مسلکی موافقت کا مظہر ہے شیعہ اور غیر مقلدین کے علاوہ کوئی فرقہ ہمارے علم میں ایسا نہیں کہ جس نے اجماع کا انکار کیا ہو وہ اجماع کہ جس کے اصول دین ہونے پر حضرات صحابہ، خلفاء راشدین اور پوری امت کا اتفاق ہے، علامہ ابن تیمیہ روافض پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں

اجماع تمہارے (روافض کے) نزدیک حجت نہیں ہے۔

(منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۶۶)

بہر حال انکار اجماع روافض کا مذہب ہے، اہل سنت کا مذہب نہیں، غیر مقلدین بھی اس مسئلہ میں شیعوں کیساتھ ہیں، ان کے عقیدہ کی تفصیل نواب نورالحسن نے ''عرف الجادی'' میں کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

دین اسلام کی اصل صرف دو ہیں منحصر ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

(عرف الجادی ص ۳)

ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

اجماع کوئی چیز نہیں ہے۔ (عرف الجادی: ۳)

اور فرماتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اجماع کی اس ہیبت کو دلوں سے نکال دیں جو دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ (ایضاً)

جو اجماع کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بہت بڑا ہے کیونکہ وہ اس کو ثابت نہیں کرسکتا۔ (ایضاً)

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:-

حق بات یہ ہے کہ اجماع ممنوع ہے۔ (ایضاً)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

اجماع جس کا وقوع اور ثبوت ممکن ہے، ہم اسے حجت شرعیہ تسلیم نہیں کرتے۔ (ایضاً ٦)

یہ تو تھا غیر مقلدین کا عقیدہ انکار اجماع کے سلسلہ میں، رہا اس بارے میں سلفیوں کا عقیدہ تو وہ غیر مقلدین کے بالکل برخلاف ہے، سلفی حضرات اجماع کو ایک دلیل شرعی سمجھتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ کی کتابیں پڑھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہ کا ایک قول ابھی گزرا، کہ صحابہ جس بات پر اجماع کرلیں وہ بات باطل نہیں ہوسکتی، ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:-

''حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کا ایمان نقل متواتر سے ثابت ہے اور اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔ (فتاوی ج ۴ ص ۴۵۳)

ایک جگہ صحابہ کی ایک جماعت کی پاک بازی کے متعلق فرماتے ہیں:-
"یہ تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سلف کے اجماع سے ثابت ہے۔
(فتاویٰ ج ۴ ص ۴۳۳)

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:-
کئی اہل علم نے اس بات پر علماء کا اجماع ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ علیؓ سے اعلم تھے۔ (ایضاً ج ۴ ص ۳۸۹)

مذکورہ عبارتوں کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ دوسرے تمام اہل سنت والجماعت کی طرح اپنی تالیفات میں "اجماع" سے استدلال کرتے ہیں اور حق بات یہ ہے کہ جس امر پر صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین اجماع کر لیں اس کا انکار کرنا زندقہ الحاد اور نفاق ہی کی بنیاد پر ہو سکتا ہے، افسوس یہ ہے کہ غیر مقلدین نے الحاد نفاق اور رافضیت سے بڑا وافر حصہ پایا ہے اگرچہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ سلفی اور داعی سنت ہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاقین

ایک مجلس کی تین طلاقوں کے عدم وقوع کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے کہ جس میں شیعہ اور غیر مقلدین حضرات ایک ہی صف میں کھڑے اور ایک ہی فضا میں اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر باکبوتر باز بایاز

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا واقع ہو جانا جمہور کا متفق علیہ اور اجماعی مسئلہ ہے سوائے روافض اور خوارج کے غیر مقلدین حضرات ذہنی طور پر شیعہ حضرات سے بہت زیادہ قرب رکھتے ہیں اس لئے یہ حضرات بھلا شیعی مسلک سے کیسے الگ رہ سکتے ہیں؟

غیر مقلدین کو شذوذ کا ایسا چسکہ لگا ہوا ہے کہ اجماع صحابہ وتابعین وتبع تابعین بلکہ اجماع امت کی بھی پرواہ نہیں کرتے،

حافظ بدالدین محمود احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کا جن میں تابعین اور اتباع تابعین اور بعد کے حضرات شامل ہیں یہ مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہونگی، اور یہی امام اوزاعی، امام نخعی، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راھویہ، امام ابوثور، اور امام ابوعبیدہ کا مذہب ہے۔

(عمدۃ القاری، ج ۹ ص ۵۳۷)

حافظ ابن قیم جن کو غیر مقلد حضرات اپنے مذہب کا رکن یمانی سمجھتے ہیں لکھتے ہیں:- ''امام ابوالحسن علی بن عبداللہ بن ابراہیم اللخمی الشطی نے کتاب الوثائق الکبیر تصنیف فرمائی ہے اور اس جیسی کتاب اس دور میں تصنیف نہیں کی گئی، اس کتاب میں موصوف لکھتے ہیں''۔

الجمہور من العلماء علی انہ یلزمہ الثلاث وبہ القضاء وعلیہ الفتوی وھو الحق الذی لاشک فیہ۔ (اغاثہ ج ۱ ص ۳۲۶)

ترجمہ:- جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ تین طلاقیں اس پر لازم ہیں یہی فیصلہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک نہیں،

امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی (المتوفی ۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

والجمھور علی وقوع الثلاث بل حکی ابن عبدالبر الاجماع قائلاً انّ خلافہٗ شاذلا یلتفت الیہ، انتھیٰ (زرقانی شرح مؤطأ ج ۳ ص ۱۶۷ مصری)

ترجمہ:- جمہور تین طلاق کے وقوع کے قائل ہیں بلکہ امام ابن عبدالبر نے یہ کہتے ہوئے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس کے خلاف قول شاذ ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جاسکتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جمہور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس اجماع کے خلاف قول شاذ ہے جس کی طرف نگاہ اٹھانے اور التفات کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ کا یہی مذہب ہے اور حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے بلکہ صحیح روایت ہی حضرت علیؓ سے یہی ہے اور یہی مذہب حضرت عثمانؓ کا نقل کیا گیا ہے۔ (تعلیق المغنی ج ۲ ص ۴۳۰)

اور فقہائے اربعہ اور جمہور سلف وخلف کا یہی مسلک ہے۔

(سبل السلام ج ۳ ص ۲۱۴)

قاضی محمد بن علی شوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ میں کہ علماء غیر مقلدین میں ایک اہمیت بلکہ مقتدیٰ کا درجہ رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ جمہور تابعین اور حضرات صحابہ کرام کی اکثریت اور ائمہ مذاہب اربعہ اور اہل بیت کا ایک طائفہ جن میں حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب بھی ہیں یہی مذہب ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۴۵)

اور لطف تو یہ ہے کہ مشہور ظاہری محدث امام ابومحمد بن حزم ظاہری تین طلاق کے وقوع کے قائل ہیں ملاحظہ ہو محلی اور حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ:-

وخالفهم ابومحمدبن حزم فی ذلك فاباح جمع الثلاث اوقعها ،
(اغاثه اللهفان)۔ (ج ۱ ص ۲۲۹)

اہل ظاہر کے ساتھ امام ابومحمد بن حزم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کیونکہ ابن حزم اکٹھی تین طلاقوں کو جمع کرنے اور ان کے وقوع کے جواز کے قائل ہیں غیر مقلدین حضرات کو جن عمائدین پر بڑا ناز ہے اور جن ستونوں پر غیر مقلدیت کا قصر سوداء قائم ہے وہی چھت کے نیچے سے نکل گئے اور چھت زمین پر آ رہی ہے۔

؎ گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ امت مرحومہ جب کسی چیز کی نقل پر متفق ہو جائے تو وہ خطا سے معصوم ہو گی۔

(الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص ۱۷)

ان ٹھوس اور صریح حوالوں کے بعد حضرات صحابہ کرام اور امت مرحومہ کے اجماع سے اعراض واغماض کرنا کسی صورت میں درست نہیں ہوسکتا کیونکہ حق ان کے ساتھ ہے

دیکھا آپ نے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے واقع ہونے پر صحابہ تابعین اور اتباع تابعین اور ائمہ فقہ نیز ائمہ حدیث متفق ہیں حتی کہ ابن حزم ظاہری بھی اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں، ہاں البتہ غیر مقلدین کے برادر بزرگ اور خود غیر مقلدین جمہور علماء محدثین سے الگ ہیں اور کیوں نہ ہوں؟ ان دونوں فرقوں کے وجود میں آنے کی علت غائی ایک ہے، اور وہ ہے امت میں اختلاف پیدا کرکے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا۔

شیعہ حضرات کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں اہل تشیع کی مشہور ومعرف کتاب فروع کافی میں ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال ایاك والطلقات الثلاث فی مجلس فانھن ذوات ازواج۔ (ج ۲ ص ۹۱،۸)

ابوجعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جن عورتوں کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی گئی ہوں ان سے نکاح کرنے سے بچنا کیونکہ وہ خاوند والی ہیں (یعنی ابھی تک وہ پہلے شوہر پر حرام نہیں ہوئیں)۔

ہم اس مسئلہ کو مزید حوالہ جات نقل کرکے طول دینا نہیں چاہتے اور نہ اس مختصر کتابچہ کی تنگ دامانی اس کی اجازت دیتی ہے بس آخر میں ادارۃ بحوث علمیہ افتاء ودعوت وارشاد ریاض کا فتویٰ نقل کرکے اپنی بات کو ختم کرتے ہیں۔

چند سال قبل ادارۃ بحوث علمیہ افتاء ودعوت وارشاد ریاض کے سامنے بھی یہ مسئلہ آیا تھا اور وہاں کے تمام اکابر علماء واعیان نے یہ فیصلہ صادر کردیا کہ طلاق ثلث والے مسئلہ میں حق جمہور ہی کے ساتھ ہے اور علامہ ابن تیمیہ وابن القیم کی رائے قابل نفاذ وعمل نہیں ہے اس مسئلہ کی مکمل بحث سہ ماہی مجلہ بحوث اسلامیہ دار الافتاء ریاض (سعودیہ) کے ص ۲ جلد اول میں شائع ہوچکی ہے اور سعودی حکومت کے

تمام قضاۃ و حکام جمہور کے موافق ہی فیصلے کرتے ہیں (والحمدللہ علی ذلک)

غیر مقلدین حضرات نہ صرف طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں بلکہ اور بھی بہت سے مسائل میں جمہور امت، ائمہ فقہ، محدثین کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں اور خلیجی ممالک میں جاکر چہرے پر سلفیت کا نقاب ڈال کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور مکر وفریب کے ذریعہ کوشش کرتے ہیں کہ چور دروازہ سے طائفۂ سلفیہ میں شمار ہوکر سعودیہ سے لاکھوں اور کروڑوں ریال حاصل کریں اور ان کی یہ کوشش ان کے مکروفریب کے ذریعہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہے، مگر اب تلبیسات کا پردہ چاک ہونا شروع ہوگیا ہے جس کی وجہ سے نقلی چہرہ اتر کر اصلی چہرہ سامنے آنے لگا ہے۔

دعاء ہے کہ پروردگار تمام اہل اسلام کو حق پر قائم رہنے کی اور قرآن وحدیث صحیح طور پر سمجھنے اور جمہور علماء و امت کے دامن سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

محمد جمال بلند شہری مقیم حال میرٹھ

استاذ دارالعلوم دیوبند

۸ رمحرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۵ راپریل ۲۰۰۱ء

مقالہ نمبر ۱۱

قرآن وحدیث کے خلاف

غیر مقلدین کے بچاس مسائل

از

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ
سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل علینا الکتاب الفارق بین الحق والصدق والصواب والباطل والکذب والارتیاب والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سید ولد آدم محمد الذی میز القشر عن اللباب واوضح طرق الھدایۃ والرشاد لاولی الالباب وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین ھم خلص الاصحاب وخلاصۃ الاحباب وعلیٰ تابعیھم وتبع تابعیھم باحسان ما افل شھاب وطلع شھاب۔

امابعد۔ آج ایک رسالہ مؤلفہ مولوی عبدالجلیل صاحب، سامرودی غیر مقلد میری نظر سے گزرا جس کا نام "بورے غسلین من قطرات عشرین" ہے۔ اس کے چار ورق ہیں۔ مولوی صاحب مذکور نے اس میں حنفیوں کی کتابوں سے بیس مسئلے نقل کرکے عوام کو دھوکے میں ڈالا ہے۔ حالانکہ وہ کوئی ایسے نئے مسئلے نہیں جن کی کبھی تحقیق نہ ہوئی ہو۔ بارہا ان کے جوابات ہو چکے، کتابیں اور دفتر کے دفتر طبع ہو چکے جو اردو، فارسی، عربی میں موجود ہیں۔ مگر مولوی صاحب نے اس خیال سے کہ اہل گجرات ان سے بے خبر ہیں ان کو شائع کیا کہ جو مذہب حنفی کی وقعت ان کے دلوں میں ہے وہ نکل جائے لیکن یاد رکھئے۔ اللہ متم نورہ ولو کرہ الکارھون کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے گا۔ رسالہ میں حضرت نے جو بازاری لفظ استعمال کئے ہیں وہ دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں اس وقت میں اس رسالہ کا جواب نہیں دینا چاہتا ہوں تاکہ اس کے الفاظ کے درپے ہوں۔ بلکہ چند مسئلے ان کے پیشواؤں کی کتابوں سے نقل کرتا ہوں جن سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ یہ غیر مقلد قرآن وحدیث پر کہاں تک عمل کرتے ہیں یا صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ محض آمین، رفع یدین، فاتحہ خلف الامام وغیرہ چند مسائل کی احادیث پر عمل کرکے غیر مقلدیت کے ساتھ اہل حدیث بن گئے ورنہ ہاتھی کے دانت

کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں، نہ اس کی پرواکہ قرآن کا خلاف ہوگا نہ اس کا خیال کہ احادیث کے مخالف ہوگا۔ حلال حرام ہو جائے۔ حرام حلال ہو جائے کچھ بھی حرج نہیں۔ پھر لطف یہ کہ اہل حدیث بنے رہیں۔ اگرچہ یہ خیال ہے کہ جب غیر مقلدوں کی نظروں سے یہ مسائل گزریں گے تو فوراً انکار کر دیں گے کہ ہم ان کے قائل نہیں ہم تو غیر مقلد ہیں۔ ہمیں کیا۔ اگر کسی نے کچھ لکھا، ہم جب صحابہ کی، اماموں کی، مجتہدوں کی نہیں سنتے تو پھر اُن کی کیوں سنیں۔ لیکن اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کیا ہوتا ہے۔ غیر مقلدوں نے کتابیں لکھیں۔ ان کے فتوے شائع کئے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے حق وصواب ہونے پر ایمان لاتے ہوتے ہیں۔ پھر انکار چہ معنے دارد۔ جب کتابوں میں یہ مسئلے موجود ہیں تو ان پر عمل بھی ضرور ہوتا ہوگا۔ یہ کہنا کہ یہ متاخرین کے رسالے ہیں اور ان کا گزر مشرق و مغرب میں نہیں ہوا ایک لغو اور بیکار حرکت ہے۔ ہندوستان کے اہلِ حدیث ان کتابوں سے واقف ہیں۔ ہندوستان والے تو ضرور عمل کرنے کو ضروری سمجھتے ہوں گے۔ علاوہ ازیں نواب صاحب وغیرہ کی کتابیں مصر و حجاز وغیرہ ملکوں میں ہند سے نکل کر پہنچی ہیں لہٰذا یہ عذر لنگ باد بدست سے بڑھ کر نہیں؛ اور عمل کے واسطے نہیں تو اُن کتابوں کو ہی دنیا سے مٹا دینا چاہیئے تاکہ ایسے مسائل جن کو ذکر کرنا بھی زیبا نہیں مٹ جائیں۔ واللہ یقول الحق و قوله الحق المبین۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں

(۱) غیر مقلدوں کا مذہب ہے کہ اگر رنڈی نے زنا سے مال کمایا اور اس کے بعد اس نے توبہ کر لی تو وہ مال اُس کے اور تمام مسلمانوں کے لئے حلال اور پاک ہو جاتا ہے (دیکھو فتویٰ مولوی عبداللہ صاحب غیر مقلد غازی پوری مورخہ ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۲۹ھ) مولوی عبداللہ صاحب غیر مقلد اور دہلی میں امام سمجھے جاتے تھے اور اہل حدیث اُن کے فتوے پر عمل کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کا مسئلہ اور ہے وہ رنڈی کے بارہ میں نہیں ہے۔

(۲) غیر مقلدین کے نزدیک کافر کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے اُس کا کھانا جائز ہے (دلیل الطالب صـ۴۱۳) مؤلفہ نواب صدیق حسن خان غیر مقلد وعرف الجادی صـ۲۴۷ مؤلفہ نور الحسن خاں غیر مقلد۔ دلیل میں حدیث صحیح یا قرآن کی آیت پیش کرنی چاہیے غیر مقلد ہو کر شوکانی کی تقلید جائز نہیں۔

(۳) غیر مقلدین کا مذہب ہے کہ مرد ایک وقت میں جتنی عورتوں سے چاہے نکاح کر سکتا ہے اس کی حد نہیں کہ چار ہی ہوں (ظفر اللاضی صـ۱۴۱ و صـ۱۴۲ نواب صاحب غیر مقلد کی و عرف الجادی صـ۱۱۵)، یہ کہنا کہ یہ اجتہادی تقریر ہے غلط ہے نص کے موجود ہوتے ہوئے قیاس و اجتہاد کیسا۔ اور شوکانی کی تقلید کیسی۔ حدیث حسن لغیرہ موجود جس کا اقرار اور پھر شوکانی کی تقریر اجتہادی جو غلط ہے بغیر رد کے ذکر کرنا اور جو دلائل اُس کے خلاف ہوں ان کی تردید کرنی یہ تقلید جامد نہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) غیر مقلدین کے نزدیک خشکی کے وہ تمام جانور حلال ہیں جن میں خون نہیں ہے (بدور الاہلہ صـ۳۴۸ مؤلفہ نواب صاحب مذکور) دعوٰی کے لئے اور جواز کے واسطے صحیح حدیث یا قرآن کی آیت کی ضرورت ہے۔ یہ کہنا کہ یہ اجتہادی تقریر ہے۔ بچوں کو سمجھانا ہے۔

(۵) غیر مقلدین کے نزدیک جو جانور مر گیا اور میتہ ہے وہ ناپاک نہیں ہے۔ (دلیل الطالب صـ۲۲۴) تقریر اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صریح و صحیح حدیث کی ضرورت ہے ورنہ اعتبار نہیں۔

(۶) نواب صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں کہ سور کے ناپاک ہونے پر آیت سے استدلال کرنا صحیح اور قابلِ اعتبار نہیں بلکہ اس کے پاک ہونے پر دال ہے (بدور الاہلہ صـ۱۵ و ۱۶)، پس سور ان کے نزدیک پاک ہے۔ قیاس کا اعتبار نہیں۔ ناپاک نہ ہونے اور ناپاک عین نہ ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

(۷) غیر مقلدین کے نزدیک سوائے حیض و نفاس کے خون کے باقی تمام جانوروں اور انسانوں کا خون پاک ہے (دلیل الطالب صـ۲۳ و بدور الاہلہ صـ۱۸ و عرف الجادی صـ۱۰)

ظاہر ہونے کے لئے آنحضرت کا قول ہونا چاہیئے قیاس کا اعتبار نہیں۔ ابنائے زمانہ کو رسول کے سوا کسی زید وعمر کے بنائے ہوئے قاعدہ پر نہ چلنا چاہیئے ورنہ عمل بالحدیث نہ ہو گا۔

(۸) غیر مقلدین کے نزدیک مال تجارت میں زکوٰۃ نہیں ہے (بدور الاہلہ صہ ۱۰۲ و دلیل الطالب و مسک الختام شرح بلوغ المرام و شرح رسالہ شوکانی) رسول اللہ کا صحیح قول پیش کرنا چاہیئے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ نہیں، زید وعمر کے قاعدوں کا اعتبار نہیں۔

(۹) غیر مقلدین کے نزدیک چھ چیزوں کے سوا باقی تمام اشیاء میں سود لینا جائز ہے۔ دلیل الطالب عرف الجادی البنیان المرصوص بدور الاہلہ وغیرہا) باقی میں جواز کے لئے آنحضرت کا قول صریح پیش کرنا چاہیئے۔

(۱۰) غیر مقلدین کے نزدیک بغیر غسل کئے ہوئے ناپاک آدمی کو قرآن شریف چھونا، اٹھانا، رکھنا، ہاتھ لگانا جائز ہے (دلیل الطالب صہ ۲۵۲ عرف الجادی والبنیان المرصوص) جواز کے لئے کوئی صحیح صریح حدیث چاہیئے۔ زید وعمر کے اقوال سند کے لئے کافی نہیں۔

(۱۱) غیر مقلدین کے نزدیک چاندی سونے کے زیوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (بدور الاہلہ صہ ۱۰۱)

(۱۲) غیر مقلدین کے نزدیک شراب ناپاک ونجس نہیں ہے بلکہ پاک ہے (بدور الاہلہ صہ ۱۵ دلیل الطالب صہ ۴۰۴ عرف الجادی صہ ۲۴۵) اس کی طہارت پر کوئی صحیح صریح حدیث یا آیتِ قرآن پیش کرنا چاہیئے ورنہ داؤد ظاہری وغیرہ کے اقوال سے استدلال صحیح نہیں۔

(۱۳) غیر مقلدین کے نزدیک سونے چاندی کے زیور میں سود نہیں ہوتا جس طرح چاہے بیچے خریدے کمی زیادتی ہر طرح جائز ہے (دلیل الطالب صہ ۵۷۵) صحابہ کے اقوال ان کے نزدیک حجت نہیں لہذا کوئی صریح صحیح حدیث زیور کے بارے میں جواز کے لئے پیش کرنا چاہیئے تاکہ مخالف پر حجت ہو۔ فلاں نے ایسا کہا، فلاں یوں

کہنا ہے۔ میدانِ تحقیق میں غیر مقلد ہو کر زیبا نہیں۔

(۱۴) غیر مقلدین کے نزدیک منی پاک ہے (بدور الاہلہ ص۱۵ و دیگر کتب بالا) اقوالِ رجال پر عمل مقلد بے چارے تو کرتے ہیں۔ اہلِ حدیث اور غیر مقلد ہو کر رسول کے سوا کسی دوسرے کے قول کو دلیل میں پیش کرنا شانِ محدثیت میں بٹہ لگاتا ہے۔ پاک ہونا شرعی حکم ہے اس کے واسطے مولوی سامرودی صاحب حدیث صحیح پیش کریں۔

(۱۵) غیر مقلدین کے نزدیک زوال ہونے سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے (بدور الاہلہ ص۷۱) کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا جائز ہے، اگر ہو تو سند صحیح کے ساتھ پیش کرنا چاہیے۔ اماموں کے قول پیش کرنا غیر مقلدین کے لئے مفید نہیں ہیں۔ ان کی ضرورت تو بے چارے مقلدوں کو ہوتی ہے۔

(۱۶) غیر مقلدین کے نزدیک جمعہ کی نماز کے لئے جماعت کا ہونا ضروری نہیں، اگر دو ہی آدمی ہوں تو ایک خطبہ پڑھے اور پھر دونوں جمعہ پڑھ لیں (بدور الاہلہ ص۷۲) اس قاعدہ سے تو ایک بھی تنہا جمعہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ جماعت تو ضروری نہیں۔ لیکن اس کے واسطے قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرنا چاہیئے۔

(۱۷) غیر مقلدین کے نزدیک جمعہ کی نماز مثل اور نمازوں کے ہے۔ بجز خطبہ کے اور کسی چیز کا فرق نہیں (بدور الاہلہ ص۷۲)، اول تو اس کے واسطے کسی حدیث کی ضرورت ہے کہ جمعہ میں اور دوسری نمازوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ دوسرے آنحضرت نے جمعہ کا غسل مقرر کیا اور نمازوں میں نہیں۔ خوشبو کے لئے حکم فرمایا اور نمازوں کے واسطے نہیں، عورت سے جمعہ ساقط کیا اور نمازیں نہیں۔ مسافر پر جمعہ فرض نہیں اور نمازیں پانچوں فرض ہیں، بیمار پر جمعہ فرض نہیں، باقی پانچوں نمازیں فرض ہیں۔ اسی طرح اور امور بھی ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ اس میں کسی چیز کی ضرورت نہیں اور کچھ فرق نہیں عجب ہے۔

(۱۸) غیر مقلدین کے نزدیک دار الحرب میں جمعہ پڑھنا جائز ہے (بدور الاہلہ ص۷۲)

کسی حدیث میں آنحضرت نے حکم دیا ہے کہ دارالحرب میں جمعہ پڑھا کرو۔

(۱۹) غیر مقلدین کے نزدیک تلاوت کا سجدہ کرنے کے لئے سجدہ کرنے والے کو نمازی کی صفت پر ہونا ضروری نہیں (بدور الاہلہ صہ ۶۸) یعنی وضو بے وضو وغیرہ سب طرح سے ادا ہو سکتا ہے۔ کیا اس کے لئے کوئی رسول کا حکم یا فعل ہے کہ ہر طرح جائز ہے۔

(۲۰) اگر مقتدی کو امام کے پیچھے سہو ہوا تو مقتدی کے ذمہ سجدہ سہو واجب ہے (بدور الاہلہ صہ ۶۸) مطلب یہ ہے کہ اس وقت مقتدی کو امام کی تابعداری ضروری نہیں ہے۔ کیا مولوی سامرودی صاحب اس کے واسطے کوئی صریح صحیح حدیث پیش کر سکتے ہیں جو صراحۃً یہ تبلائے کہ مقتدی کے ذمہ سہو کے وقت سجدہ واجب ہے یا تابعداری امام کی ضرورت نہیں۔

(۲۱) غیر مقلدین کے نزدیک جوان مردوں اور لڑکوں کو چاندی کا زیور پہننا جائز ہے (بدور الاہلہ صہ ۳۵۶، دلیل الطالب صہ ۳۴ و ۳۵ و ۴۲۵) سامرودی صاحب نے جواب میں عام لوگوں کو بھی دھوکہ میں ڈال دیا اور کہہ دیا کہ یہاں تو لفظ تحلی ہے جس کے معنے زینت کے ہیں، زیور کے نہیں۔ شاید بدور الاہلہ کو آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا جس میں یہ موجود ہے "اما حلیہ فضہ پس مانع محتاج دلیل ست چہ اصل حل است" اھ حلیہ کے معنے تو زیور کے ہیں جس کو نواب صاحب مردوں کے لئے حلال کہتے ہیں۔ دلیل الطالب میں ہے واما حلیۃ الفضۃ فالمانع یحتاج الی دلیل اھ یہی شوکانی کہہ رہے ہیں۔ یہ حلیہ کیا چیز ہے اگر زیور نہیں۔ نواب صاحب غیر مقلد اور شوکانی دونوں کہہ رہے ہیں کہ چاندی کا زیور پہننا مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے جائز ہے عورتیں اور مرد اس میں برابر ہیں۔

(۲۲) غیر مقلدین کے نزدیک جو جانور بندوق کے شکار سے مر جائے اس کا کھانا جائز اور حلال ہے (بدور الاہلہ صہ ۳۳۵) اس کے جواز کے لئے کسی حدیث صحیح یا آیتِ قرآنی کی ضرورت ہے۔ سامرودی صاحب حلال و جواز شرعی حکم ہے اس کے واسطے

شرعی نص ہونا چاہیئے. آپ کے لئے جائز نہیں کہ زید و عمر کے اقوال پیش کر کے مدعا ثابت کریں ان کو تو مقلدوں کے واسطے چھوڑ دیجئے. گولی چلاتی ہے پھاڑتی نہیں.

(۲۳) غیر مقلدین کے نزدیک اگر کوئی قصداً نماز چھوڑ دے اور پھر اس کی قضا کرے تو قضا سے کچھ فائدہ نہیں اور وہ نماز اس کی مقبول نہیں اور نہ اس نماز کا قضا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے وہ بیچارہ ہمیشہ گنہگار رہے گا (دلیل الطالب ص۲۵) اس کے واسطے صحیح حدیث پیش کرنی چاہیئے کہ قضا واجب نہیں. علماء کا اختلاف آپ کو مفید نہیں. سامرودی صاحب زور لگائیں اور کوئی نص پیش کریں. حسن بصری یا داؤد ظاہری یا ابن حزم وغیرہ کے اقوال آپ کے لئے حجت نہیں. زید و بکر کے بناتے ہوئے اصول ہیں ان سے استدلال کرتے ہیں. افسوس ہے.

(۲۴) غیر مقلدین کے نزدیک تمام جانوروں کا پیشاب پاک ہے (بدور الاہلہ ص۱۴ و ۱۵ و ۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث پاک ہونے پر پیش کرنی چاہیئے. اس کا اعتبار نہیں کہ فلاں نے یہ کہا ہے اور فلاں نے وہ کہا ہے. آپ غیر مقلد ہیں. سامرودی صاحب غیر مقلد کے معنے بھول جاتے ہیں اس لئے لوگوں کے اقوال دلیل میں پیش کرتے ہیں، قیاس کا اعتبار نہیں حدیث پیش کیجئے.

(۲۵) غیر مقلدین کے نزدیک دریا کے تمام جانور زندہ ہوں یا مردہ سب حلال ہیں مگر طافی (بدور الاہلہ ص۳۳۳ و عرف الجادی ص۲۴۷) سامرودی صاحب اگر امام شافعی یا مالک کے آپ مقلد ہوں تو ان کے اقوال پیش کریں ورنہ خاموش رہ کر اس حدیث کو پڑھیں کہ میرے واسطے دو میتہ ایک مچھلی دوسرے جراد حلال کئے گئے ہیں اسی حدیث نے دوسری حدیث کے عموم کو خاص کر دیا ہے.

(۲۶) غیر مقلدین کے نزدیک چاندی سونے کے برتن استعمال کرنا جائز ہے. (بدور الاہلہ ص۳۵۴) امام ابو حنیفہ یا امام شافعی وغیرہما کی غیر مقلد تقلید نہیں کرتے تاکہ سامرودی صاحب ان کے قول کو پیش کریں بلکہ اپنے دعوے کے لئے حدیث پیش کرنی چاہیئے جس سے یہ ثابت ہو کہ چاندی سونے کے برتنوں کا استعمال جائز ہے. بیکار اوراق

سیاہ کرنا مفید نہیں۔

(۲۷) غیر مقلدین کے نزدیک جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہے وہ شخص اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اگرچہ وہ لڑکی اسی زنا سے پیدا ہوئی ہو (عرف الجادی ص۱۱۳) اس کے جواز کے واسطے کوئی صحیح صریح حدیث پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہنا کہ امام شافعی اس کے قائل ہیں یا دوسرے لوگ یوں کہتے ہیں غیر مقلدوں کے لئے زیبا نہیں۔ اگر سامرودی صاحب سچے ہیں تو صحاح ستہ سے جواز یا عدم جواز کی کوئی صریح صحیح حدیث پیش کریں۔ امام رازی نے ثابت کیا ہے یا فلانے نے بیان کیا ہے عامل بالحدیث کے دعوے کو ثابت نہیں کر سکتا۔

(۲۸) غیر مقلدوں کے نزدیک مشت زنی کرنی یا کسی اور چیز سے منی کو خارج کرنا اس شخص کے لئے مباح ہے جس کے بیوی نہ ہو۔ اگر گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو واجب یا مستحب ہوتا ہے (عرف الجادی ص۲۰۷) آپ لوگوں سے تو اس بنا پر عرض کیا جاتا ہے کہ آپ مدعی ہیں کہ ہم حدیث ہی پر عمل کرتے ہیں۔ اقوال رجال قابل اعتبار نہیں۔ حنفی شافعی تو بے چارے آپ کے خیال فاسد میں قیاس اور رائے پر عمل کرتے ہیں۔ اگر یہ مسائل غلط ہیں تو کبھی تو ایک رسالہ ایسا لکھ کر شائع کیا ہوتا کہ جس میں علی حسن خاں اور نور الحسن خاں اور نواب صدیق حسن خاں غیر مقلدین کی غلطیاں بیان کی ہوتیں اور کہا ہوتا کہ صحاح ستہ میں یہ مسئلے نہیں ہیں اس لئے قابل اعتبار نہیں۔ سامرودی صاحب کو صرف مقلدین ہی آنکھیں نکالنے کو رہ گئے۔ یہ آپ کے ائمہ کیوں ان مسئلوں کے قائل ہو گئے۔

(۲۹) غیر مقلدین کے نزدیک قربانی بکری کی بہت سے گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے اگرچہ سو آدمی ہی ایک مکان میں کیوں نہ ہوں: "وحق آنست کہ یک گوسفند از تمام مردم خانہ مجزی دلبسند ست اگرچہ صد کس چرا نباشند" (بدور الاہلہ ص۳۹) ایک بکری قربانی میں سو آدمیوں کی طرف سے کافی ہو مگر اونٹ اور گائے سات ہی کے لئے کافی ہے۔ سامرودی صاحب اس پر بگڑ گئے کہ ہزار کیوں لکھ دیئے۔ اب

میں پوچھتا ہوں اگر سو کی جگہ پر ایک مکان میں ہزار آدمی ہوں تو ایک بکری قربانی میں اُن کی طرف سے کافی ہوگی یا نہیں۔ مکان کے سو یا ہزار آدمی ایک بکری میں شریک ہو کر قربانی کرنا چاہیں تو سب کی طرف سے قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں۔ نفی و اثبات دونوں کے لئے نص صریح صحیح ہونا چاہیئے شرکت و کفایت میں آپ فرق کرنے بیٹھ گئے۔ اس کی دلیل بیان کر دیجئے کہ شرکت کیوں نہیں ہو سکتی اور کافی کیوں ہے دلیل میں حدیث پیش کر دیجئے۔ اقوال رجال غیر مقلد ہو کر پیش کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

(۳۰) غیر مقلدین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا سفر کرنا جائز نہیں (عرف الجادی ص۲۵۱) جواز و عدم جواز شرعی حکم ہے اس کے لئے ایسی حدیث پیش کرو جس میں یہ موجود ہو کہ میری قبر کی زیارت کرنی جائز نہیں یا میری زیارت کے لئے سفر کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے منع نہیں کیا نہ اور کسی صحابی نے منع کیا ہے یہ بہتان ہے۔ سامرودی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مسائل وہ ہیں جو ایک زمانہ سے طے ہو چکے ہیں۔ خیر شکر ہے۔ یہی حنفی کہتے ہیں کہ جن مسئلوں کو آپ پیش کرتے ہیں وہ آپ کے زمانہ سے پہلے طے ہو چکے لہٰذا جہلا کو بھڑکانے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ آپ فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز، مستحب، سنت سمجھتے ہیں تو جو لوگ منع کرتے ہیں اُن کے رد میں ایک رسالہ شائع کیجئے۔ اقوال رجال کا اعتبار نہیں۔ اپنی غیر مقلدی کا ضرور خیال کر لیجئے گا۔

(۳۱) غیر مقلدین کے نزدیک نجاست گرنے سے کوئی پانی ناپاک نہیں ہوتا، پانی تھوڑا ہو یا بہت۔ نجاست پاخانہ پیشاب ہو یا اور کوئی ہو۔ ہاں رنگ بو، مزہ ظاہر ہو تو ناپاک ہو جائے گا (عرف الجادی ص۹) اس کے واسطے حدیث ہونی چاہیئے کہ تھوڑے سے پانی میں نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ رنگ، بو، مزہ بدلنے پر نجاست کے حکم کو کسی صحیح حدیث سے ثابت کرنا چاہیئے۔ سامرودی صاحب چونکہ غیر مقلد ہیں اس

لئے فقہا۔ اور اماموں کے مذہب اور صحابہ کے اقوال کو نقل کرنا اُن کے لئے مفید نہیں۔ ہاں مقلد ہو گئے ہوں تو اور بات ہے یا غیر مقلدیت کے معنی بھول گئے ہوں تو معذور ہیں، لیکن صحابہ کے قول اور اماموں کے مذاہب اُن کے نزدیک حجت نہیں لہٰذا حدیث کی ضرورت ہے، ورنہ اہلحدیث اور غیر مقلد نہیں، حدیث کو پیش نہ کرنا اور اقوالِ رجال نقل کر کے اوراق کو سیاہ کرنا مفید نہیں۔

(۴۲) غیر مقلدین کے نزدیک بے وضو آدمی قرآن شریف چھو سکتا ہے (عرف الجادی صہ ۱۵) بے وضو اور ناپاک آدمی میں فرق ہے۔ مولوی سامرودی صاحب اس کو ایک ہی سمجھ گئے اور اعتراض کر دیا کہ فضول اس نمبر کو بڑھایا۔ آپ غیر مقلد ہیں پھر ابن عباس اور ضحاک اور حماد اور ابراہیم نخعی وغیرہ کا مذہب ہونا آپ کو مفید نہیں یہ عوام کو دھوکا دینا ہے لہٰذا اس کے چھونے کے واسطے حالت حدث میں حدیث پیش کر دیتے۔ جب مرد میدان آپ کو سمجھیں گے۔ ورنہ چناں اور چنیں اور زبانی جمع خرچ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

(۴۳) غیر مقلدین کے نزدیک اگر نمازی ناپاک بدن سے نماز پڑھے، تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی اور وہ گنہگار ہے۔ "پس مصلے بانجاست بدن آثم است و نمازش باطل نیست۔" (بدور الاہلہ صہ ۳۸) نماز صحیح ہونے کے واسطے صریح صحیح حدیث سامرودی صاحب پیش کریں۔ ابن مسعود کا یہ مذہب اور فلاں کا یہ قول اور حنفی یوں کہتے ہیں یہ سب غیر مقلدی کے معنے بھول جانے کی دلیل ہے، سند میں حدیث پیش کریں۔ باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں، صحابہ کا قول آپ حجت نہیں مانتے ہیں۔

(۴۴) غیر مقلدین کے نزدیک بدن سے کتنا ہی خون نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا (دستور المتقی صہ ۲۹) سامرودی صاحب صحیح حدیث اس کے واسطے پیش کریں صحاح ستہ جو معیار آپ کا ہے اس سے اس حکم کے واسطے سند پیش کریں یہ میدانِ تحقیق ہے یہاں حدیث صحیح کی ضرورت ہے لوگوں کے اقوال سے غیر مقلد اور اہلحدیث ہو کر استدلال کرتے ہیں آپ پر ہزار افسوس وہ دعوئی محدثیت کیا ہوا اور وہ غیر مقلدیت کے

معنے کہاں فراموش کر دیئے۔ یہ شوراشوری اور پھر یہ کمزوری۔

(۳۵) غیر مقلدین کے نزدیک مسافر مقیم کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور اگر شریک ہونا ضروری ہے پچھلی دونوں رکعتوں میں شریک ہو نہ پہلی میں (البنیان المرصوص صہ ۱۶۳) یہ ہادویہ کا بھی مذہب ہے۔ اسی کی تقلید انھوں نے کی ہے۔ سامرودی صاحب غیر مقلدی کے معنے بار بار بھول جاتے ہیں۔ قیاس واجتہاد اہلحدیث اور غیر مقلد ہو کر جائز نہیں، کیا آج یہ بھی بھول گئے کہ سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا تھا۔ حضرت والا حدیث صحیح اس مسئلے کے لئے پیش کر دیتے۔ آپ مقلد نہیں ہیں جو اماموں کے اقوال کو پیش کرتے ہیں، یہ تو بیچارے مقلدوں کا کام ہے۔ ایسے ہوش وحواس گم ہیں کہ سوائے اماموں کے اجتہاد کے اور کہیں پناہ ہی نہیں ملتی۔

(۳۶) غیر مقلدین کے نزدیک سر منڈانا خلافِ سنت اور خارجیوں کی علامت ہے (البنیان المرصوص صہ ۱۶۹) اس کے واسطے صحیح حدیث پیش کرنی چاہیئے۔ صاحب بنیان جب سر منڈانے کے قائل ہیں تو خلاف سنت اور خوارج کی علامت کیوں کہتے ہیں سامرودی صاحب ملا علی قاری یا امام احمد کا قول آپ کو مفید نہیں، یہ تو مقلدوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ آپ حدیث پیش کر دیتے اہل حدیث ہو کے یہ کمزوری۔ آپ بھول گئے۔ ما اہل حدیثیم دغا را نشناسیم۔ حدیث کی جگہ پر زید وبکر کا قول حجت میں پیش کرتے ہیں۔

(۳۷) غیر مقلدین کے نزدیک لفظ اللہ کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے (البنیان المرصوص صہ ۱۷۳) سامرودی صاحب آپ نے بنیان کی عبارت کیوں نقل کی آخر بدعت تو اس میں بھی ہے لیکن اس کے ترجمہ کو آپ ہضم کر گئے تاکہ عوام نہ اُچھل پڑیں۔ ناجائز ہونے پر حدیث پیش کر دیتے انعام دینے کو تیار رہتے ہیں۔ پڑھیئے آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا اور یاد کر دیتے اس حدیث کو کہ قیامت اس وقت قائم ہو گی، جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا۔ اہلحدیث آپ جیسے مدعی ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں، مگر اب معلوم ہوا کہ آپ کو بغیر فقہا اور صحابہ

اور امام بخاری وغیرہ کے چارہ نہیں ورنہ کہیں تو غیر مقلدی کا اثر ہوتا. آپ کے یہاں تو مطلع صاف ہے۔

(۳۸) غیر مقلدین کے نزدیک بعض صحابہ فاسق تھے. چنانچہ حضرت معاویہ کہ انھوں نے ارتکاب کبائر اور بغاوت کی ہے (البنیان المرصوص ص۱۸۴) سامرودی صاحب نے حضرت معاویہ کے نام کا انکار کر دیا. مگر یہاں انعام نہیں مقرر کیا کیونکہ البنیان میں موجود ہے، شاید رسول کا قول یاد نہیں، حدیث پیش کریئے کہ صحابہ کو فاسق کہنا جائز ہے کیونکہ وہ مرتکب کبائر تھے. فلاں نے ایسا کہا، حنفی یوں کہتے ہیں، عقائد کی کتابوں میں یوں لکھا ہے. غیر مقلد ہو کر فضول ہے۔

(۳۹) غیر مقلدین کے نزدیک عورت کی نماز بغیر تمام ستر کے چھپاتے ہوتے صحیح ہے تنہا ہو، یا دوسری عورتوں کے ساتھ ہو یا اپنے شوہر کے ساتھ ہو یا دوسرے محارم کے ساتھ ہو. غرض ہر طرح صحیح ہے زیادہ سے زیادہ سر کو چھپالے (بدور الاہلہ ص۳۹) صحت حکم شرعی ہے اس کے واسطے حدیث صحیح سند میں ہونی چاہیئے، سامرودی صاحب غیر مقلد ہو کر اقوال رجال پیش کریں گے تو قابل اعتبار نہیں. اور جو عذر کی صورتیں اور مجبوری کی حالتیں ہیں اُن کو بھی ذکر کرنے سے فائدہ نہیں۔

(۴۰) غیر مقلدین کے نزدیک نمازی کے کپڑوں کے واسطے پاک ہونا شرط نہیں اگر کسی نے ناپاک کپڑوں میں بغیر کسی عذر کے قصداً نماز پڑھ لی تو اُس کی نماز صحیح ہو جاتی ہے (دلیل الطالب ص۲۶۴، عرف الجادی ص۳۲، بدور الاہلہ ص۳۹) ناپاک کپڑوں میں نماز کے صحیح ہونے کے لئے سامرودی صاحب صحیح حدیث پیش کریں. صحابہ کے اقوال و افعال غیر مقلدوں کے نزدیک حجت نہیں. اہل حدیث ہو کر اماموں کے اقوال پیش کرنا سامرودی صاحب جیسے لوگوں کا کام ہے بے چارے کیا کریں غیر مقلدی کے معنے بھول جاتے ہیں۔

(۴۱) غیر مقلدین کے نزدیک ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (دستور المتقی ص۲۹) کہیں ایسی حدیث دکھلایئے جس میں یہ ہو کہ جو شخص ٹخنوں سے

نیچے تہبند باندھے یا نیچا پاجامہ پہنے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتے گا۔ سامرودی صاحب حدیث دانی بہت مشکل ہے۔ مقصد اور چیز ہوتی ہے اور زجر اور تنبیہ دوسری چیز ہے دین میں سمجھ پیدا کرو۔

(۴۲) رمضان میں روزے کی حالت میں کسی نے قصداً کھا پی لیا تو غیر مقلدین کے نزدیک اس کے ذمہ کفارہ نہیں ہے (دستور المتقی صہ ۱۰۳)

(۴۳) غیر مقلدین کے نزدیک پردہ کی آیت خاص ازواج مطہرات ہی کے بارے میں وارد ہوتی ہے۔ امت کی عورتوں کے واسطے نہیں ہے (البنیان المرصوص صہ ۱۶۹) سامرودی صاحب نے عبارت بنیان کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ یعنی پردہ خاص ازواج مطہرات ہی کے بارے میں آیا ہے نہ امتوں کی عورتوں کے حق میں۔ یہی تو میرا بھی کہنا ہے کہ پردہ کا حکم خاص ازواج مطہرات کے بارے میں آپ لوگوں کے نزدیک ہے دوسری عورتوں کے لئے نہیں، صرف لفظ حکم بڑھ جانے پر آپ لال پیلے ہو گئے اور اقوالِ رجال نقل کر دیئے۔ سب جگہ آدھی آدھی عبارتیں نقل کی ہیں۔ تفصیل کسی اور وقت کے لئے ملتوی رکھیے۔

(۴۴) غیر مقلدین کے نزدیک ساہی (خارپشت) کھانا جائز ہے حرمت کی حدیث ثابت نہیں (بدور الاہلہ صہ ۳۵۱ و عرف الجادی صہ ۲۳۵) خبیث ہونا کسی حدیث سے ثابت کرنا چاہیئے۔

(۴۵) غیر مقلدین کے نزدیک ان شہروں میں کافروں سے حیلہ کر کے سود لینا جائز ہے (البنیان المرصوص صہ ۱۷۳) سامرودی صاحب آپ کے اس ترجمہ کا کیا مطلب ہے۔ یہ بہانہ قرض سودی ان شہروں کے کفاروں سے لینے کے لئے ہو سکتا ہے۔ یہاں تقویٰ کے متعلق آپ سے ہم نہیں دریافت کرتے۔ فتویٰ تو آپ کا جائز کہتا ہے۔ اسی میں کلام ہے۔ حنفی یوں کہتے ہیں۔ ہدایہ میں یوں ہے۔ یہ غیر مقلدی کے معنے بھول جانے کی دلیل ہے۔ آپ کو کیا غرض ہدایہ سے اور حنفیوں سے آپ تو حدیث سے اپنا مذہب ثابت کریں۔

(۴۶) غیر مقلدین کے نزدیک جانور کے ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی تو کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔ اس کا کھانا جائز ہے (عرف الجادی ص۲۴۱)، سامرودی صاحب اس مسئلہ میں امام بخاری کے مقلد ہیں، اسی لئے بخاری کے ترجمۃ الباب کو ذکر کیا ہے مذہب نعمانی میں بسم اللہ تو ہے خواہ کسی قسم کی ہو آپ کہتے کہ آپ کے یہاں تو بسم اللہ ہی ندارد ہے نکٹوں اور ناک والوں کی مثال ہے۔

(۴۷) کفر کی حالت میں اگر کسی کافر نے منت مانی تھی تو غیر مقلدین کے نزدیک مسلمان ہونے کے بعد اُس منت کا پورا کرنا واجب ہے (عرف الجادی ص۲۵۷) اسی طرح حالت کفر کی جتنی عبادتیں ہیں سب کی قضا کرانی چاہیئے۔ یہاں سامرودی صاحب نے بہت زور لگایا ہے۔ کافر کے ذمہ لازم ہے یا نہیں۔

(۴۸) فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے غیر مقلدین کے نزدیک نماز پڑھ سکتا ہے (عرف الجادی ص۳۷) اس کے واسطے صحیح حدیث ہونی چاہیئے۔ جس میں یہ ہو کہ ایسی نماز جائز ہے یا مفترض کی اقتدا متنفل کے پیچھے صحیح ہے۔ مدعی کے ذمہ دلیل بیان کرنا ہے۔ نہ مانع پر۔ کوئی صحابی ایسا کرتے تھے، آپ کے قاعدہ سے صحیح نہیں، کیونکہ صحابہ کے اقوال وافعال آپ کے نزدیک حجت نہیں۔

(۴۹) نابالغ لڑکا اگر بالغین کی امامت کرے تو اس کی امامت صحیح ہے (عرف الجادی ص۳۸)، آنحضرت کا قول یا فعل جو صحیح سند سے ثابت ہو دلیل میں پیش کرنا چاہیئے خصوصاً فرض نماز کے واسطے نفل کو ذکر کرنا اور فقہا کے اختلاف کو بیان کرنا غیر مقلدی کے معنے کو بھول جانا ہے۔

(۵۰) غیر مقلدین کے نزدیک عید کی نماز تنہا ایک آدمی کی بھی صحیح ہے اس کے لئے جماعت کا ہونا ضروری نہیں (بدور الاہلہ ص۸۰)، تنہا نماز صحیح ہونے کے واسطے صحیح حدیث کی ضرورت ہے قولی ہو یا فعلی یا تقریری بغیر اس کے غیر مقلدی کے معنے کو بھول جانا ہے۔

ناظرین! آپ کے سامنے نمونہ کے طور پر پچاس مسئلے مذکورہ بالا کتابوں سے جو غیر مقلدوں کی تصنیف کی ہوئی ہیں، پیش کئے ہیں۔ ان پر نظر ڈالئے کہ جن حضرات کے

یہاں طہارت و نجاست میں، حلال و حرام میں، جائز و ناجائز میں، سنت و بدعت میں فرق نہیں۔ وہ اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں اور مقلدین کو مشرک فی الرسالت سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص چار کی جگہ پر آٹھ عورتوں سے نکاح کر لے تو کچھ حرج نہیں۔ اگر لوٹا بھر پانی میں تھوڑا پیشاب گر جائے تو پاک ہے، جب تک رنگ، بو، مزہ نہ بدلے۔ اگر زنا کی بیٹی ہاتھ لگ جائے تو نکاح کر سکتا ہے۔ اگر رنڈی توبہ کر لے تو اس کا مال حلال ہے۔ خون، منی، جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ سود لینا ہو تو حیلہ کر کے وصول کر سکتا ہے۔ دریائی جانور حلال ہی ہیں۔ بغیر خون والے خشکی کے جانور طیبات سے ہیں۔ زوال ہونے سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھ لے تو کچھ حرج ہی نہیں۔ اللہ اللہ کا ذکر جب بدعت ہو گیا تو اب کیا رہا۔ صحابہ پر دین کا مدار ہے جب وہی فاسق ٹھہرے تو پھر کیا ہے۔ شراب جس کو خمر کہتے ہیں ناپاک ہی نہیں۔ بدن سے کتنا بھی خون نکلے وضو اتنا مضبوط کہ ٹوٹتا ہی نہیں لیکن پائجامہ ٹخنوں سے نیچا ہوا تو وضو فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔ کافر کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے۔ عورتوں کے زیور میں زکوٰۃ ہی نہیں وہ بھی بالکل آزاد ہیں۔ تاجروں کو مبارک باد دینی چاہیئے کہ ان کو بھی فرصت ہو گئی۔ بندوق کا مرا ہوا جانور حلال ہے۔ مردوں کو چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔ پردہ کی آیت خاص ازواجِ مطہرات ہی کے بارے میں اتری ہے۔ لہٰذا امت کی عورتوں سے آیت کو کوئی علاقہ نہیں۔ غرض غیر مقلد ہو جائے تو پھر دنیا ہی میں جنت ہے سب کچھ موجود ہے۔

ناظرین ان مسائل پر غور کریں اور پھر مولوی سامرودی صاحب کو داد دیں اگر اس پر بس نہ فرمائیں تو آئندہ خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جو اس سے زیادہ پُر لطف ہدیے اور تحفے ہوں گے مگر یہ ضرور ہے کہ یہ اُن لوگوں کا کام ہے جو بیکار ہوں اور اپنی ضروریات کی جن کو خبر نہ ہو۔ مجھ کو اتنی فرصت نہیں نہ عادت کہ ان بیکار امور میں وقت ضائع کروں لیکن مولوی سامرودی صاحب نے ان کے اظہار پر جرأت دلائی۔ وہ بوتے غسلین کی ابتدا کرتے نہ قطع الوتین کے شائع کرنے کی ضرورت

ہوتی۔ لہذا التماس ہے کہ ان مسائل کے اظہار پر غضب ناک نہ ہوں اسی طرح دوسرے اہل حدیث بھائیوں سے عرض ہے کہ وہ ناراض نہ ہوں۔ البادی اظلم کو پیش نظر رکھیں کیونکہ سامرودی صاحب کا بیج بو یا ہوا ہے اسی لئے میں نے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا جس پر غصہ آئے صرف عرض حقیقت حال ہے۔ اب بوئے غسلین کو اٹھا کر دیکھیں تو اس میں ایسے گندے الفاظ ملیں گے جو اخلاق محمدی کے خلاف ہیں۔ کہیں مقلدوں کو مفتری کہیں ظالم، کہیں ناسمجھ، کہیں علم فقہ کو بدبودار، کہیں مقلدین کے دماغ سڑ گئے کہیں مقلدین کے کلمہ کفار کے مثل ہیں، کہیں مقلدین کو نبی کا منکر کہتے ہیں۔ کچھ تجربہ اس امر کا یقین دلاتا ہے کہ انسان غیر مقلد ہو کر بد تہذیب، بدزبان، بے باک بہت ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات واخلاق سے کوسوں دور ہو جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ نہ مسلمانوں کو گالیاں دینے سے کچھ باک ہوتا ہے نہ صحابی کو فاسق کہنے سے ننگ معلوم ہوتا ہے نہ حدیث کے خلاف سے شرم معلوم ہوتی ہے نہ قرآن کی مخالفت کر لے سے عار آتی ہے عجب مسلک ہے۔ ہاں بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا صحیح ہے۔

ناظرین قطع الوتین ۲۳ محرم ۱۳۳۶ھ میں طبع ہوا تھا جو ہاتھوں ہاتھ سب ختم ہو گیا۔ اب جب قطع الوتین کا دوسرا نمبر "بئس القرین لصاحب العذاب المہین" شائع ہوا تو بعض احباب کی تاکید شدید اور اصرار بلیغ پر دوبارہ اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی گو اس عرصہ میں بعض احباب کے خطوط بھی اس کی طلب میں آتے تھے، مگر پھر بھی اس کی طبع کی طرف خیال نہ گیا۔ اب دو تین باعث طباعت کے موجود ہو گئے جن میں سے اہم "العذاب المہین" کا شیوع تو اس کا طبع کرانا اور موکد ہو گیا۔ لہذا مختصر مختصر ہر نمبر کے ساتھ العذاب المہین کا جواب بھی لکھ دیا اور دس نمبر اور بھی اس میں زیادہ کر دیئے تاکہ خمسین عاما کے مطابق ہو جاتے۔ اُمید ہے کہ مولوی سامرودی صاحب نظر غائر سے ملاحظہ فرما کر ہر ایک مسئلہ کو حدیث صحیح سے صراحۃً ثابت کر دکھائیں گے۔ فقہاء یا صحابہ یا ائمہ کے مذہب کو نقل کرنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں گے کیونکہ یہ کام تو بقول ان کے مقلدین

کا ہے۔ غیر مقلد تو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کی تقلید کرتے ہی نہیں
اس لئے ایسے اقوال نقل کرنے سے فائدہ نہیں۔ "العذاب المہین" میں حنفیوں کے
مسائل نقل کر کے خواہ مخواہ کاغذ سیاہ کیا وہ بے چارے تو قرآن و حدیث کو بزعم آپ
کے جانتے ہی نہیں، آپ اہلِ حدیث ہیں اور پھر زبان دراز بھی ہیں۔ اس لئے مسائل
مذکورہ کو احادیث صحیحہ سے ثابت کر دکھائیں۔ ایک نسخہ اچھا آپ کے ہاتھ لگا ہے کہ صحاح
ستہ معیار ہے اور وہ بھی آپ ہی کی کتابیں ہیں اور وہی آپ کا مذہب ہیں۔ حالانکہ وہ
کتابیں بھی مقلدوں ہی کی تصنیف کی ہوتی ہیں۔ امام بخاری شافعی، امام ترمذی شافعی
نسائی شافعی، ابوداؤد شافعی یا حنبلی، چنانچہ کتبِ طبقات میں مصرح ہے۔ لہذا مقلدوں
کی تو آپ بھی تقلید کر رہے ہیں کہ جو کچھ ان میں ہے وہی ہمارا مذہب ہے۔ خیر یہی سہی، اب
آپ سے عرض کرتا ہوں کہ کم از کم بغیر کسی تاویل کے مسلم شریف کے کتاب الایمان کی تمام
حدیثوں پر تو عمل کر کے دکھلا دیں۔ یاد رکھیئے آپ کا قیاس اور آپ کی تاویل اور آپ کا
اجتہاد کسی طرح بھی قابلِ اعتبار نہیں، تاویل کو بقول آپ کے حدیث پر عمل کرنا نہیں گنتے
ہیں، اجماع و قیاس کا خود آپ کے نزدیک اعتبار نہیں۔ لہذا مذہب کو ثابت کرنے میں
اس کو پیش ہی نہیں کر سکتے۔ العذاب المہین میں جن جن کتابوں کے آپ نے حوالے دیئے
اور اُن سے استدلال کیا ہے قسم کھا کر فرمایئے گا کہ اُن کے اکثر مؤلفین مقلد تھے یا غیر مقلد
اگر مقلد تھے تو تقلید کو بُرا کہنا درست نہیں۔ ورنہ اُن کی کتابوں سے استدلال صحیح نہیں
کیونکہ یہ بیچارے تو مشرک فی الرسالۃ ہیں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ واٰخر دعوانا
ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد واٰلہ
وصحبہ واتباعھم اجمعین۔

خاکسار

سید مہدی حسن غفرلہ مفتی راندیر ضلع سورت

۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق

۲۲ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء یوم دوشنبہ۔

مقالہ نمبر ۱۲

از

جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری

مفتی دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی عمنا بالاحسان واسبغ علینا الانعام امرنا بابتغاء الوسیلة والعبادات وبالتجنب عن الشرك والأثام وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علیٰ سید المرسلین وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ هداة الانام ومصابیح الظلام وبعد!

تمہید

آج دنیا کے حالات یہ ہیں کہ پوری قوت کے ساتھ سازشوں کا جال بچھا کر مذہبِ اسلام کو بین الاقوامی مجرم قرار دینے کی مساعی کی جارہی ہیں اسلام دشمن طاقتیں چاروں طرف مورچہ بندی کر کے اپنی اپنی توپوں کا رخ اسی مجرم کی طرف کر چکی ہیں جگہ جگہ کٹ گھر بنایا جارہا ہے کہ جس میں اس شیر (مذہبِ اسلام) کو قید کیا جا سکے دام ہمرنگ زمین بچھانے کی ہر ملک میں کوششیں کی جارہی ہیں حملہ کا بگل بج گیا ہے اور سرد جنگوں کا آغاز ہو چکا ہے۔

یہ ہیں دنیا کے مختصر حالات کہ جن سے مذہبِ اسلام دو چار ہے۔ ان خطرناک حالات میں نام نہاد اہل حدیث سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت یا عقل وفہم سے دوری کے باعث اسلامی قلعہ کے محافظین پر گولیاں چلانے اور خنجر بھونکنے میں مصروف ہیں اپنے مزعوماتِ فاسدہ کی بیناد پر کافر ومشرک قرار دے کر ان کے کلیجے چھلنی کرنے کے لئے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

اصول تکفیر

نہ اصول تکفیر کا ان بے چاروں کو علم ہے نہ حدودِ اختلاف کے ضوابط سے کوئی سروکار۔ بس لکیر کے فقیر ہی بنے بیٹھے ہیں جن مسائل میں زمانۂ خیر القرون سے اختلاف

چلا آتا ہے اور وہ اختلاف درحقیقت امت کے حق میں بڑی خیر کا باعث ہے بلکہ اہل حق کے مابین یہ اختلاف ایک درجہ میں ضروری بھی ہے ان مسائل میں ایک جانب کو قطعی طور پر صحیح اور دوسری جانب کو یقینی انداز پر غلط قرار دے دینا قیامت تک ممکن نہیں ایسے مسائل کو بھی مدعیانِ عمل بالحدیث نام نہاد اہل حدیث تکفیری اکھاڑہ بنائے ہوئے ہیں بلکہ علماء احناف کے متعلق تو کفر کشید کرنے میں کسی تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے گویا کفر وشرک تقسیم کرنے میں خدائی پٹواری بنے بیٹھے ہیں۔کون شخص مسلمان ہے کون مشرک؟اس کا فیصلہ اپنے رجسٹروں کو ہی دیکھ کر کر لیتے ہیں۔لا حول و لا قوۃ الا باللہ ۔

الدیوبندیہ

چنانچہ چند سال قبل ادارہ دار الکتاب والسنۃ راولپنڈی (پاکستان) سے ایک کتاب عربی زبان میں (الديوبندية) غیر مقلدین نے شائع کی جو نہایت اعلیٰ معیار پر چھپوائی گئی لاکھوں روپے اس کی طباعت پر پانی کی طرح بہادیئے گئے اہل حق علماء کرام کو زبردستی کافر ومشرک قرار دینے کے جذبہ کے تحت اس کی اشاعت برساتی کیڑوں کی طرح کی گئی۔

حقیقی اہل سنت والجماعت ،قرآن وحدیث کے سچے خدام اہل حق اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ نیز ان کے متبعین کے متعلق بلا دلیل شرعی کافر ومشرک کی بیجارٹ لگانے میں الدیوبندیہ کے مصنف اور ان کے ہم نوا محقق نہیں بلکہ حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وکرامۃً سے چرا کرلائی ہوئی تلوار (حسام الحرمین ، تجانب اهل السنة) چلانے والوں کے اندھے مقلد ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

الدیوبندیہ کی تردید تو عربی اور اردو میں شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی مثالاً ایک بات عرض ہے اور وہ یہ کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے نام نامی سے کون ناواقف ہے،مسلم حکومتوں کو بیدار کرنے اور ان کو ان کے مذہبی فرائض

یاد دلانے میں اس مردِ درویش نے عالم اسلامی کی جو بادیہ پیمائی کی ہے، جوشِ ایمانی وجذبۂ اسلامی سے لبریز کتابیں لکھ کر ایشیاء ویورپ کو جس حسن انداز سے جھنجھوڑا ہے چپہ چپہ پر اس کے نقوش اور اثرات آج بھی موجود ہیں اس عظیم المرتبت اور بے مثال شخصیت کے متعلق "الدیوبندیة" ص۱۳۴ پر لکھا ہے۔

تقی الدین ہلالی کے الفاظ ہیں۔

قد اخبرنی الثقات ان علیا ابا الحسن الندوی کان یجلس فی مسجد النبی ﷺ مستقبلا الحجرة الشریفة فی غایة الخشوع لا یتکلم ساعتین او اکثر فاستغربت هذا الامر وفهمت انه استمداد و لم اکن اعلم ان هذا شائع عندهم فی طریقتهم الیٰ ان کشف محمد اسلم فهذا شرك بالله تعالیٰ ...... قال الشیخ (ابن تیمیه) من اتخذ وسائط بین العبد و بین ربّه کفر اجماعا۔

اس عبارت میں دجل وتلبیس ملاحظہ کیجئے!

مسجد نبوی میں حجرۂ شریفہ کی جانب رخ کر کے خشوع کے ساتھ بیٹھ جانے کی خبر سن کر کفر وشرک کا الزام عائد کر دیا اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہوئے اس پر اطمینان بھی کر لیا حالانکہ حجرۂ مقدسہ کے سامنے باادب کھڑے ہونے یا بیٹھ جانے اور کچھ دیر کسی سے بات نہ کرنے پر استمداد معروفہ کا حکم لگا دینا نری جہالت وبدفہمی ہے، اور پھر اس سے کفر وشرک کو کشید کر لینا بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا حوالہ بالکل بے محل ہے۔

"**الدیوبندیة**" کی تصنیف واشاعت کے وقت بلکہ بعد تک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ زندہ وسلامت دنیا میں موجود تھے انصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ بالمشافہ یا خط وکتابت کر کے پہلے صاحب عمل سے تحقیق کرتے مگر براہِ راست تحقیق کئے بغیر صرف روایت پر اعتماد کر کے اپنے گھروں میں بیٹھ کر حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ پر کفر وشرک اختیار کر لینے کی فرد جرم عائد کر دینا دیانت وامانت کے کس زمرہ میں آتا ہے پھر اپنی اس غلاظت (بہتان عظیم) کو دنیا بھر میں اچھالنا کن جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

نیز بے محل حوالہ دے کر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کا ہار اپنی گردنوں میں لٹکا لینا کس درجہ کے شرک کا ارتکاب ہے ان امور پر "الديوبندية" کے مصنف اور ان کے ہم خیال لوگوں کو اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنے کی ضرورت ہے۔

بھلے مانسو!

کفر و شرک کشید کرتے ہوئے تمہارے دلوں میں ذرا سا بھی خوف خدا نہیں رہا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ یہ وہی مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ہیں کہ جن کو فیصل ایوارڈ دیئے جانے کا اعلان ہوا جو دنیا کا سب سے بڑا انعام سمجھا جاتا ہے تو انہوں نے کس شانِ استغناء سے رد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"یہ خطیر رقم ان اسلامی اداروں کو دیدو کہ جو دین کا کام کر رہے ہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں مجھ کو تو اپنی فقیرانہ زندگی ہی عزیز ہے"۔

کاش! تم بھی حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتے اور ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے، مسلمانوں بلکہ علماء اعلام کو کافر و مشرک قرار دینے کے بجائے اپنے دین و ایمان کے بچانے کی فکر کرتے، سلفِ صالحین صحابہ و تابعین اور حضرات ائمہ مجتہدینؒ نے اس سلسلہ میں احتیاط سے کام لینے کی جو ہدایات فرمائی ہیں ان کو تم لوگ ملحوظ رکھتے۔

شرح شفاء میں ہے۔

ادخال كافر في الملة الاسلامية او اخراج مسلم عنها عظيم في الدين هـ (ص۵۰۰، ج۲)

(**ترجمہ**) کسی کافر شخص کو ملت اسلامیہ کے افراد میں داخل کرنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا (یہ دونوں چیزیں) بہت زیادہ اہم ہیں۔

اس کے برخلاف مسلمانوں میں اس وقت عامۃً افراط و تفریط کا ظہور ہے ایک طبقہ نے تو تکفیر بازی ہی کو مشغلہ بنالیا ہے، معمولی سی خلافِ شرع بلکہ خلاف طبع کوئی بات جہاں اپنے مخالف سے سرزد ہوئی اور اس طبقہ نے جھٹ کفر کا فتویٰ لگا دیا اور کوئی بات نہ ملے تو سنی سنائی روایتوں پر ہی گھروں میں بیٹھے بیٹھے مسلمانوں اور بڑے بڑے علماء کرام

کو ایمان اور اسلام سے خارج ہونے کے نوٹس دیدیئے۔

اس کے بالمقابل دوسری جماعت ہے کہ جس کے نزدیک ہر وہ شخص بہر صورت مسلمان ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کردے خواہ وہ دین کے صریح امور کا انکار کرے ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گمراہ بتادے اور چاہے احکامِ اسلامیہ کا سرے سے انکار ہی کردے مگر اس جماعت کے نزدیک بہر حال وہ مسلمان ہی رہے گا دوسرے مذاہب کی مثل اسلام کو محض ایک قومی لقب سمجھتے ہیں، کہ عقائد و نظریات کچھ بھی رکھے اقوال واعمال میں ہر طرح آزاد رہے، ضروریاتِ دین کا منکر ہو جائے مگر اس کے مسلمان ہونے پر آنچ نہیں آتی۔

حالانکہ کتاب وسنت اس کج روی اور افراط وتفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بے زار ہیں۔

دعاء میں توسل

مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ جن گنے چنے مسائل میں غیر مقلدین نے تضلیل، تفسیق بلکہ تکفیر کا بازار گرم رکھا ہے ان میں سے توسل بھی ہے حقیقت یہ ہے کہ یا تو انہوں نے توسل کے تمام پہلوؤں کا حکم سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی یا پھر جان بوجھ کر دجل وتلبیس سے کام لیا۔

سمجھنا چاہئے کہ توسل خواہ اپنے یا غیر کے اعمال صالحہ سے ہو خواہ مقبولین حضرات کی ذوات مبارک سے ہو اور چاہے وہ احیاء ہوں یا اموات بلاشبہ درست ہے کیونکہ ان سب صورتوں میں مرجع ومقصود اللہ پاک کی رحمت کے ساتھ توسل کے علاوہ کچھ نہیں۔

حقیقتِ توسل

التوسل لغة التقرب...... والوسيلة كل ماهو يتوسل الى المقصود

(**ترجمہ**) توسل کے معنی قریب ہونا اور وسیلہ ہر وہ چیز جو مقصود تک پہونچنے

کا ذریعہ بن جائے۔

توسل کی صورتیں

(۱) اپنے اعمال صالحہ سے توسل۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بالاجماع جائز ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی کہیں چلے جا رہے تھے اچانک بارش شروع ہوگئی تینوں نے پہاڑ کی غار میں داخل ہو کر پناہ لی وہ اندر ہی تھے کہ ایک بھاری چٹان لڑھکی اور غار کا منہ اس طرح بند ہو گیا کہ باہر نکلنے کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا ان تینوں نے آپس میں کہا کہ اپنے اپنے ایسے نیک اعمال کو یاد کرو کہ جن کو خالص اللہ پاک کی رضاء ہی کیلئے کئے ہوں پھر ان اعمال کے وسیلہ سے دعاء مانگو شاید اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور فرمادے ان میں سے ایک نے دعاء مانگی۔

یا اللہ! میرے بوڑھے ماں باپ اور کچھ چھوٹے بچے تھے کہ جن کا نان نفقہ میرے ذمہ تھا (میرا معمول تھا کہ) جب میں شام کو لوٹ کر ان کے پاس آتا تو دودھ دوہ کر بچوں سے پہلے ماں باپ کو پلاتا تھا (ایک دن ایسا ہوا) میں چارے کی تلاش میں دور نکل گیا اور رات کو بہت تاخیر سے گھر پہونچا دیکھا کہ ماں باپ سوئے ہوئے ہیں میں نے حسبِ معمول دودھ دوہا اور پیالہ لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا میں نے (ادب واحترام کی وجہ سے) اٹھانا ان کو نامناسب سمجھا اور بچوں کو ان سے پہلے دودھ پلانا گوارا نہ کیا حالانکہ بچے میرے قدموں سے چمٹ کر چلاتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

یا اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میرا یہ عمل صرف آپ کی رضا جوئی کے لئے تھا تو روشن دان کھول دیجئے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں اللہ تعالیٰ نے غار کا منہ تھوڑا سا کھول دیا کہ آسمان ان لوگوں کو نظر آنے لگا۔

پھر دوسرے شخص نے دعاء مانگتے ہوئے کہا یا اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی مرد وعورت جتنی محبت کر سکتے ہیں مجھے اس سے اتنی ہی محبت تھی ایک مرتبہ میں نے اس کو بدکاری پر آمادہ کیا لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے سو دینار لے کر آ۔ میں نے

محنت اور کوشش سے سو دینار جمع کئے اور ان کو لے کر اس سے ملاقات کی پھر جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں بیٹھ گیا تو اس نے کہا اللہ کے بندہ اللہ سے ڈر! اور میری پاکدامنی کو محفوظ رہنے دے، میں فوراً اس کو چھوڑ کر الگ ہٹ گیا یا اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ میرا یہ عمل خالص آپ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تھا تو اس غار کے منہ میں تھوڑی اور کشادگی فرما اللہ تعالیٰ نے چٹان اور ہٹا کر مزید کشادگی فرمادی۔

تیسرے شخص نے اپنی دعاء میں کہا یا اللہ! میں نے ایک مزدور سے ایک فَرَق (۱) (دس کلو تقریبا) چاول اجرت طے کر کے کام کرایا تھا جب اس نے اپنا کام پورا کر دیا اور کہا کہ مجھ کو میرا حق دو تو میں نے اس کے سامنے اس کا حق (طے شدہ مقدار چاول) پیش کر دیا لیکن وہ چھوڑ کر اور منہ پھیر کر چلا گیا میں برابر ان چاولوں کو بوتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کی قیمت سے ایک گائے اور چرواہا جمع کر لئے (بعد ایک زمانہ کے وہ مزدور) پھر میرے پاس آیا اور آ کر کہا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر بلکہ مجھ کو میرا حق دیدے، میں نے کہا جاؤ یہ گائے اور چرواہا لے جاؤ اس نے (مقررہ اجرت سے بہت زیادہ دیکھ کر) کہا میرے ساتھ مذاق نہ کرو میں نے کہا کہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں وہ مزدور گائے اور چرواہے کو لے کر چلا یا گیا...... یا اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میرا یہ عمل صرف آپ ہی کو راضی کرنے کے لئے تھا تو غار کا منہ کھول دیجئے چنانچہ وہ چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی۔ (۲)

دوسری صورت

توسل کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی سے دعاء کی درخواست اس حسن ظن پر کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مقبول بندہ کی دعاء میری دعاء کے مقابلہ میں زیادہ لائق قبول ہے توسل کی یہ صورت احیاء کے ساتھ خاص ہے اور بلا کراہت و بلا نکیر نہ صرف

---

(۱) اما الفرق فہو بفتح الفاء والراء وقیل بسکون الراء والاول اشہر وہو مکیال یسع ثلاثۃ آصع اہ تکملۃ الملہم ص ۶۱۸ ج ۵

(۱) باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (فی الانبیاء) باب اذا اشتری شیئا لغیرہ بغیر اذانہ فرضی (فی البیوع) باب من استاجر اجیرا (فی الاجارۃ) باب اذا زرع بمال قوم بغیر اذنہم (فی الحرث والمزارعۃ) من البخاری...... باب البر والصلۃ من المشکوٰۃ

جائز بلکہ نہایت مستحسن عمل ہے عہد خیر القرون سے امت کے اکابر واعاظم اور ان کے متبعین کا عملی سلسلہ اس توسل پر چلا آتا ہے جس کے بے شمار نظائر ہیں۔

تیسری صورت

مقبول بندوں کا توسل

اس کی حقیقت یہ ہے کہ توسل اختیار کرنے والا گویا یہ کہتا ہے کہ یا اللہ میں اپنے حسن ظن کے اعتبار سے آپ کے دربار عالی میں فلاں بزرگ کو مقبول سمجھتا ہوں اور مقبولین سے محبت رکھنا افضل الاعمال میں سے ہے حدیث شریف میں ہے۔

المرأ مع من احببت (۱)

پس میرا تو کوئی عمل ایسا نہیں کہ تیسری بارگاہ میں پیش کرسکوں البتہ آپ کا فلاں مقبول بندہ آپ کی خصوصی رحمت کا مورد ہے اور مورد رحمت سے محبت رکھنا جالبِ رحمت (رحمت کو کھینچنے والا ہے) اس محبت و تعلق کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری دعاء قبول فرمالیجئے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس وسیلہ کے منکر نہیں بلکہ ثابت ماننے والوں میں سے ہیں جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے۔

اسی مضمون کو مختصر کر کے دعاء کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے ہماری دعاء قبول فرما۔

اس قسم کے توسل میں عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں بلکہ تواضع وعبدیت کی شان زیادہ ٹپکتی ہے کہ آدمی کی نظر بجائے اپنے اعمالِ صالحہ کے مقبولان الٰہی کی محبت کو وسیلہ بنانے پر ہوتی ہے توسل کی یہ صورت صحیح ہے اور اکابرِ دین سے منقول بلکہ معمول میں داخل رہی ہے۔

مگر اس قسم میں دو باتیں بہر حال قابل لحاظ ہیں۔

(الف) یہ عقیدہ ہرگز نہ رکھا جائے کہ توسل اختیار کیے بغیر دعاء کی جائے تو اللہ

---

(۱) ہذا الحدیث اخرجہ البخاری (فی مناقب عمر رضی اللہ عنہ) والمسلم (فی البر والصلۃ)

تعالیٰ اس کو سنتا ہی نہیں ہے۔

(ب) اور نہ یہ عقیدہ ہو کہ وسیلہ کے ساتھ جو دعاء کی جائے اس کو اللہ تعالیٰ لازماً قبول کرتا ہے۔

صرف اتنا سمجھنا چاہئے کہ مقبول بندوں کے وسیلہ وطفیل کے ساتھ جو دعاء کی جائیگی اس کی قبولیت کی امید زیادہ ہے اسی مسئلہ کو فقہاء کرام اس انداز میں تحریر فرماتے ہیں۔

ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان او بحق انبیائك ورسلك لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق۔ ھدایہ ص ۴۷۵، ج ۴، (کتاب الکراھیۃ)

(**ترجمہ**) دعاء میں یہ کہنا "بحق فلان وبحق انبیائك و رسلك" مجھے فلاں چیز عطا فرمایہ مکروہ ہے کیونکہ مخلوق کا کوئی حق خالق کے ذمہ نہیں ہے۔

اس جیسی عبارات کا حاصل بھی یہی ہے کہ اگر یہ عقیدہ رکھ کر توسل اختیار کرتے ہوئے دعاء کی جائے کہ یہ دعاء ضرور قبول ہوگی تو یہ توسل جائز نہیں اور ایسا عقیدہ رکھے بغیر محض ارجیٰ للقبول سمجھے تو جائز بلکہ بہتر ہے۔(۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ارشاد

نعم لو سأل اللہ بایمانہ بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وصحبتہ لہ وطاعتہ لہ واتباعہ لہ لکان قد سألہ بسبب عظیم یقتضی اجابۃ الدعاء بل ھذا اعظم الاسباب والوسائل (۲)

(**ترجمہ**) محمد ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی محبت واطاعت نیز اتباع کے وسیلہ سے اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے تو وہ شخص ایسا بڑا وسیلہ اختیار کرتا ہے کہ جو دعاء کی

---

(۱) وکرہ قولہٗ (فی دعائہ) بحق رسلك وانبیائك واولیائك او بحق البیت لانہ لاحق للخلق علی الخالق تعالیٰ اہ در مختار وفی شرحہ الفتاویٰ رد المختار قد یقال انہ لا حق لھم وجوبا علی اللہ تعالی لکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ جعل لھم حقا من فضلہ او یراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ فیکون من باب الوسیلۃ وقد قال اللہ تعالیٰ وابتغوا الیہ الوسلیۃ وقد عُدَّمن اداب الدعاء التوسل علیٰ ما فی الحصن اہ (۵-۵۲۴ (من کتاب الحظر والاباحۃ)

(۲) (قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ لابن تیمیۃ ص ۵۶)

قبولیت کا متقاضی ہے بلکہ تمام وسیلوں سے بڑھ کر یہ وسیلہ ہے۔

پس اگر کوئی شخص ایمان، محبت، اطاعت، اتباع کو ذکر کئے بغیر اختصار کرتے ہوئے دعاء میں یہ کہے کہ یا اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے میری دعاء قبول فرما۔اور دعاء مانگنے والے کا قصد وارادہ اسی تفصیل کا ہو جو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کی ہے تو اس توسل اور وسیلہ کے جواز میں بلا شبہ کچھ اشکال نہیں بلکہ توسل کی پہلی صورت کے مقابلہ میں یہ صورت افضل و بہتر ہے کیونکہ اپنے عمل صالح میں تو شائبہ عُجب کا خطرہ ہے گو وہ خفیف درجہ ہی میں ہو جو صاحبِ عمل کو بھی بعض مرتبہ محسوس نہیں ہوتا برخلاف حُبِّ نبی، حُبِّ صحابہ، حُبِّ اولیاء کے کہ یہ اقرب الی التواضع ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا

ذوات کا توسل

پہلی روایت: عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روای ہیں کہ ایک نابینا شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ دعاء کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے (آنکھ میں روشنی عطا فرمادے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو (آنکھوں میں روشنی نہ ہونے پر) صبر کر اور تیرا صبر کر لینا بہتر ہے اس نے کہا کہ دعاء ہی فرمادیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضوء کر و اور دو رکعت پڑھ کر یہ دعاء مانگو۔اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) وسیلہ سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں آپ کے نبی کے جو نبیٔ رحمت ہیں۔

(اور پھر وہ نابینا شخص حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتا ہے) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپکے وسیلہ سے اپنی اس دعاء کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ میری دعاء پوری ہو اے اللہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔(۱)

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جس طرح اعمال صالحہ سے توسل درست ہے اسی طرح دوسرے سے دعاء کی درخواست کرنا بھی صحیح ہے نیز اسی طرح مقبول بندہ کی ذات کا توسل بھی بلا شبہ جائز ہے۔

(۱) ابن ماجه فی صلوٰة الحاجة ص ۱۰۰، قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریب) (کتاب الداعوات من الترمذی)

حاکم نے اس قصہ نابینا پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ وہ کھڑا ہوگیا اور بینا ہوگیا (آنکھوں میں روشنی آگئی) (۱)

دوسری روایت: طبرانی نے کبیر میں عثمان ابن حنیفؓ (جن کا ذکر پہلی روایت میں گذرا) سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص (خلافت کے زمانہ میں) حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام سے جاتا تھا مگر وہ اس کی طرف التفات وتوجہ نہ فرماتے تھے اس شخص نے عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے فرمایا کہ تو وضوء کر کے مسجد میں جا اور وہی دعاء توسل والی جو پہلی روایت میں گذری سکھلا کر کہا کہ اس کو پڑھ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس کے بعد جب وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے اس کی بہت تعظیم وتکریم کی اور اس کو جو کام درپیش تھا وہ پورا کر دیا (۲)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانیکے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے توسل اختیار کرنا درست ہے۔

102

تیسری روایت:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب قحط پڑتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی دعاء کرتے ہوئے فرماتے کہ اللہ ہم آپ کے دربار میں اپنے نبی کے توسل سے دعاء کرتے تھے آپ ہم کو بارش عطا فرماتے تھے اب ہم اپنے نبی کے چچا کا توسل اختیار کرتے ہیں سو ہم پر بارش برسا دیجئے چنانچہ بارش ہوتی تھی۔ (۳)

اس حدیث شریف سے کئی مضمون ثابت ہوئے اول یہ کہ غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز ہے جب کہ اس کو نبی کے ساتھ قرابت حسیہ یا معنویہ حاصل ہو اگرچہ صورۃً یہ توسل

---

(۱) فدعا بهذا الدعاء فقام وقد ابصر ص۳۱۳ ، ۵۱۹ ، ۵۲۶ ، ج۱، وقال الحاكم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه ۔ (۲) وقال الطبراني بعد ذكر طرقه هذا حديث صحيح معجم كبير للطبراني ص۳۱، ج۹، كتاب المجروحين ص۱۹۷، ج۱، ترغيب ۴۷۳، ج۱۔ السنن الكبرى للنسائي ص ۱۶۹، ج۱، رواه البيهقي في دلائل النبوة ص ۱۶۶، ج۶، كنز العمال ص۷۹، ج۲۔ (۳) بخاری ص۵۲۶، ج۱

غیر نبی کے ساتھ ہے مگر حقیقۃً ومعنیً بالواسطہ یہ بھی توسل بالنبی ﷺ ہی ہے۔
دوسرا مضمون حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ توسل زندہ بزرگوں سے بھی درست ہے۔

ضروری تنبیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل مبارک سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ توسل زندہ بزرگوں کے ساتھ خاص ہے اور جو حضرات دنیا سے تشریف لے گئے ان سے توسل اختیار کرنا جائز نہیں حالانکہ ان کا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے البتہ بہت سے بہت یہ کہا جا سکتا ہے وفات پا جانے والے مقبولین حضرات کے ساتھ توسل اختیار کرنے کا کیا حکم؟ بخاری شریف کی یہ حدیث اس سے ساکت (خاموش) ہے۔

دوسری روایت کے تحت ابھی گذرا ہے کہ جس میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے بعد وفات ہی توسل اختیار کرنے کی تلقین ہے اور اس پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی سے نکیر منقول نہیں اس لئے اس کے جواز میں اجماع کی شان پیدا ہوگئی پس یہ روایت ناطق اور بخاری شریف والی حدیث ساکت ہے اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہونا بالکل ظاہر ہے۔

بخاری شریف کی حدیث بالا سے استدلال کرتے ہوئے جو حضرات توسل کو زندہ کے ساتھ جائز اور وفات پانے والے بزرگ سے شرک قرار دیتے ہیں ان سے عرض ہے کہ اگر تمہارے بالمقابل کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث شریف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مزید تخصیص کا قائل ہو جائے اور دعویٰ کرے کہ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل جائز ہے ان کے علاوہ کسی زندہ بزرگ سے بھی جائز نہیں تیسرا شخص کھڑا ہو کر اور تخصیص پیدا کر دے کہ صرف مدینۂ طیبہ زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً میں تو توسل اختیار کرنا جائز ہے دیگر مقامات پر ہرگز جائز نہیں بلکہ کفر ہے۔

پانچواں شخص ایک اور قید بڑھا دے کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ کو توسل اختیار کرنا جائز تھا کسی اور کو ہرگز جائز نہیں اور یہ سب لوگ حدیث بخاری سے استدلال کریں تو جو

جواب ان سب تخصیصات (بلا دلیل) کا دیا جائے وہی جواب ہماری طرف سے عدمِ تخصیص بالاحیاء کا بھی سمجھ لیں۔

اشکال اور جواب

اشکال: کسی شخص کو یہ عامیانہ اشکال ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کو کیوں اختیار فرمایا تھا؟

جواب: جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ بعد وفات حضور نبی کریم ﷺ سے توسل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناجائز سمجھ کر ایسا ہرگز نہیں کیا بلکہ اس کی چند توجیہات ہیں۔

(الف) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کے ساتھ ان سے دعاء کرانا بھی مقصود ہو یعنی جس طرح نبی ﷺ کے دنیا میں تشریف فرما ہونے کے عہدِ مبارک میں توسل کے ساتھ دعاء کراتے تھے وہی صورت اب اختیار کرتے ہیں۔

(ب) اس پر تنبیہ مقصود ہو کہ غیر انبیاء علیہم السلام یعنی صلحاء و اولیاء سے بھی توسل درست ہے۔

(ج) اپنے عمل سے بتانا چاہتے ہوں کہ توسل بالنبی کی دو صورتیں ہیں ایک توسل بذاتہ ﷺ دوسری توسل بقرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(د) حدیث شریف میں ہے کہ جب دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو فرشتے قبرِ اطہر میں پہونچاتے ہیں اور فرشتوں کے پہونچانے میں نہ اداء امانت میں کوتاہی ہوتی ہے نہ غفلت ونسیان کا خطرہ ہے مگر اس کے باوجود انسانی وسائط کا اہتمام کیا جاتا ہے کیونکہ فطرت انسانی ہے کہ مُبصَر وموجود شخص پر دل کو اطمینان بعض حالات میں زیادہ ہوتا ہے ممکن ہے اس امر طبعی کی رعایت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توسل اختیار فرمایا ہو۔ وغیرہ۔

بعثت سے قبل وسیلہ

ولما جاء هم كتاب من عند الله مصدق لما معهم و كانو ا من قبل يستفتحون على الذين كفروا (سورۃ البقرۃ پ ۱)

اس آیت شریفہ کی تفسیر میں مشہور مفسر علامہ سید آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنوقریظہ و بنونضیر (قبائل یہود) کے متعلق نازل ہوئی ہیکہ وہ لوگ حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک سے قبل اوس وخزرج (قبائل مشرکین) کے مقابلہ میں جنگ کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور وہ یہودی توسل کا یہ طریقہ اختیار کرتے تھے کہ توریت کھول کر جہاں جہاں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی پیشین گوئیاں تھیں وہاں وہاں اپنے ہاتھوں کو رکھ کر دعاء کرتے تھے۔ اللهم انا نسئلك بحق نبيك الذى وعدتنا ان تبعثه فى آخر الزمان ان تنصرنا اليوم علىٰ عدونا فينصرون ٥١ (١)

چنانچہ یہودیوں کی یہ دعاء آپ ﷺ کے ساتھ توسل کی برکت سے قبول ہوتی اور وہ فاتح وکامیاب ہوتے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا توسل

حدیث شریف میں ہے کہ جب حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے (صورۃً) خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے سر مبارک عرش کی طرف اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ یا اللہ! میں درخواست کرتا ہوں کہ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو (عتاب کی پستی سے) اٹھالیجئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ عرض کیا اے بابرکت نام والے جب آپ نے مجھ کو پیدا فرمایا تھا تو میں نے آپ کے عرش کی جانب سر اٹھا کر دیکھا تھا تو اس میں لکھا تھا۔ لااله الا الله محمد رسول الله ۔ میں نے جان لیا تھا کہ آپ کے نزدیک ان سے زیادہ قدر منزلت والی شخصیت کوئی دوسری نہیں ہے آپ نے اپنے نام

(۱) تفسیر روح المعانی ص ۲۸۹، ج ۱۔ الدر المنثور ص ۸۸، ج ۱۔

کے ساتھ جس کا نام لکھا ہے اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ تمہاری اولاد میں آخری نبی ہیں
اوران کی امت تمہاری نسل میں آخری امت ہوگی۔
اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا (۱) ان روایات سے معلوم ہوا کہ ولادت
باسعادت سے قبل بھی آپ ﷺ کی ذات مقدسہ سے توسل اختیار کرنا جائز و مستحسن تھا۔

توسل بالفعل

ابوالجوزاء اوس ابن عبداللہ سے روایت ہے تو مدینہ میں سخت قسم کا قحط ہوا کہ کچھ
حضرات نے ام المؤمنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں شکایت کی
آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر کو دیکھ کر (سیدھ میں) اس کے مقابل ایک
سوراخ کردو کہ آسمان اور قبر شریف کے درمیان حجاب نہ رہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو
بہت زور کی بارش ہوئی۔ (۲)
اس فعل یعنی سوراخ کو کھولنے کا مطلب بزبانِ حال توسل ہی تھا کہ یہ آپ کے
نبی کی قبر ہے اس کے ساتھ جسدِ نبوی کے متصل ہونے کی وجہ سے ہم اس کو متبرک سمجھتے ہیں
اور اس کا متبرک سمجھنا موجبِ رحمت ہے پس اس کی برکت سے آپ ہم پر رحم فرمادیجئے۔

توسل بالثوب

اس سے آگے بڑھ کر حضرت نبی اکرم ﷺ کے کپڑوں تک سے توسل اختیار
کرنے کی عادت شریفہ رہی ہے۔
چنانچہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے متعلق ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی
کسروانی جبہ نکالا جس کے ریشم کے گریبان تھے اور دونوں کناروں پر ریشم کا فیتہ لگا ہوا تھا
انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے، اور ہم اس کے ذریعہ سے

---

(۱) رواه جماعة منهم الحاكم وصحيح اسناده عن عمرابن الخطاب رضي الله عنه قال
قال رسول الله ﷺ لما اقترف آدم الخطيئة اهـ وفاء الوفاء ٤١٩، ج٢ (۲) سنن الدارمي في
مقدمته ص ٣٤، ج١

مریضوں کے لئے (پانی میں ڈال کر پھر نچوڑ کر پانی پلا کر) شفاء حاصل کرتے ہیں۔(۱)

بالوں سے توسل

عثمان ابن عبداللہ ابن موہب فرماتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے پانی کا ایک پیالہ دے کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب کسی کی آنکھ دکھتی یا اور کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک برتن بھیجتا وہ حضور ﷺ کے بالِ مبارک نکالتیں جن کو انہوں نے چاندی کی ڈبیہ میں رکھ رکھا تھا اور ان بالوں کو برتن میں چھوڑ کر ہلا دیتی تھیں پھر وہ شخص پانی پی لیتا۔
عثمان فرماتے ہیں کہ میں نے ڈبیہ میں جھانک کر دیکھا تو مجھے چند سرخ بال نظر آئے (۲)

غیر مقلدین

آج کل غیر مقلدین سرے سے ہی وسیلہ ہی کا انکار کرتے ہیں ان کے یہاں اس مسئلہ میں تنگی ہی تنگی ہے مگر تعجب یہ ہے کہ ان صاحبان عجیب الشان کے مسلّم پیشوا اور امام قاضی شوکانی رحمہ اللہ کے نزدیک وسعت ہی وسعت نظر آتی ہے ماقبل میں جو حدیث بخاری کے متعلق حضرت عباس رضی اللہ سے وسیلہ کی تفصیل گذری اس حدیث پر امام شوکانی رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے باب الاستسقاء بذوی الصلاح اور حدیث کی شرح میں یہاں تک فرمادیا۔ ویستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع باهل الخير والصلاح واهل بيت النبوة۔

ترجمہ :- حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قصہ سے اہل خیر وصلاح اور خاندان نبوت کے حضرات سے توسل اختیار کرنے کا استحباب ثابت ہوا۔(۳)

---

(۱) رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۳۷۴ (کتاب اللباس)

(۲) رواہ البخاری (مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۱)

(۳) نیل الاوطار ص ۲۳۳، ج ۳، فتح الباری ص ۳۹۹، ج ۲، عمدۃ القاری ص ۴۳۷، ج ۳

نواب صاحب کا شرک

غیر مقلدین کے قریبی مسلّم پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے تو حد ہی کردی وہ توسیلہ ہی نہیں مُردوں سے مدد مانگ رہے ہیں۔نواب صاحب فرماتے ہیں۔

اشعار

زمرۂ رائی درافتاد بارباب سنن شیخ سنت مددے قاضیٔ شوکاں مددے

پشتہا خم شدہ از بار گرانِ تقلید سنّتِ خیر بشر حضرت قرآن مددے

گفت نواب غزل در صفتِ سنت تو خواجۂ دین صلۂ قبلۂ پاکاں مددے(۱)

حق پوشی

غیر مقلدین کی حق پوشی لائق دید ہے ایک طرف توسیلۂ ثابتہ کے اختیار کر لینے پر کفر وشکر کے نوٹس جاری کر کے، صرف عوام نہیں متبع سنت علماء کرام تک کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔

دوسری طرف اموات (مردوں) سے کھلی مدد مانگ کر شرک کرنے والوں کے حق میں نہ صرف منہ سیئے بیٹھے ہیں بلکہ ان کو اپنا امام بنا کر اندھی تقلید میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز۔

مُردوں سے مدد مانگنے پر شرک کا حکم ہے یا نہیں؟ اگر اس میں ان کو کسی عالم پر اعتماد نہ تھا تو کم از کم اپنے ہی پیشوا مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی کتاب ''اہل حدیث کا مذہب'' ملاحظہ کر لیتے۔

اس کتاب کے ص ۱۹ ر پر ندائے اموات کے شرک ہونے کی صراحت ہے۔

کسی نے سچ کہا!

غیر کی آنکھوں کا تنکہ تجھ کو آتا ہے نظر

دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

---

(۱) ختم الطیب من ذکر المنزل والحبیب ص ٦٣ (مصنفہ نواب بھوپالی مطبوعہ اکبرآباد ۱۲۹۹ھ

عناد وتعصب

غیر مقلدین نے حق کو تو چھپایا ہی مگر ان کا ظلم اور ناانصافی بھی قابل دید ہے۔
ایک طرف تو مسجد نبوی میں روضۂ مطہرہ کے قریب اہل حق علماء کے محض باادب بیٹھ جانے اور آنکھ بند کر لینے پر استمداد، کفر، شرک سب کچھ نظر آ گیا مگر دوسری طرف اپنے فرقہ کے مسلم پیشوا نواب بھوپالی صاحب کو مُردوں سے صاف صاف مدد طلب کرتے اور اہل قبور کو دُہائی دیتے ہوئے دیکھ کر نہ کانوں پر جوں چلتی ہے اور نہ ہی ان زندہ دلوں کو یہ استمداد نظر آتی ہے اور نہ نواب اور ان کے مقلدین کا کھلا شرک دکھلائی دیتا ہے۔
قارئین کرام! اس سے بڑھ کر کیا تعصب وعناد کی مثال دنیا میں کوئی اور پیش کی جاسکتی ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ روضۂ مقدسہ کے قریب آنکھ بند کر کے بیٹھ جانیکو آج تک کسی محقق نے کفر وشرک قرار نہیں دیا لیکن مُردوں سے مدد طلب کرنا ان کو دُہائی دینا یہ تو شرک ہے۔
پس مولانا ابوالحسن علی ندوی اور دیگر علماء اعلام کے عمل کی تو یہ تاویل کر سکتے تھے کہ معلوم نہیں آنکھ بند کر کے کیا پڑھتے ہوں گے؟ کچھ ضروری تو نہیں کہ استمداد ہی کرتے ہوں۔
لیکن نواب صاحب کے اشعارِ مذکورہ پر تو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ حوالہ (۱) جو تمہید میں گذرا ہے سوفی صد چسپاں ہوتا ہے لہٰذا حق وانصاف کا تقاضہ تو یہی ہے کہ نواب صاحب اور ان کے مقلدین کو تو بہت پہلے ہی ٹھکانہ لگا دینا چاہئے تھا۔ لیکن
؎ جلوے بھی مناظر بھی الفت بھی مگر کیا ☆ آنکھوں پہ حجابات زبانوں پہ ہیں تالے
اگر عقل میں سلامتی ہوتی تو علماء دیوبند سے پہلے نواب صاحب کی طرف دست کرم بڑھاتے نواب صاحب اور انکے مقلدین کے حقوق بھی تو آخر بذمۂ غیر مقلدیت واجب ہیں۔

---

(۱) قال الشیخ (ابن تیمیہ) من اتخذ وسائط بین العبد وبین ربہ کفر اجماعا (بحوالہ الدیوبندیہ ص ۱۳۴

مولانا عبدالحی لکھنویؒ

نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی کی تضاد بیانی اوران کے عقیدۂ شرکیہ کو نقل فرماکر حضرت مولانا عبد الحیؒ لکھنوی رحمہ اللہ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''نواب صدیق حسن خاں کی یہ بات بڑی عجیب وغریب ہے کہ یہ شخص ندائے اموات اوراھل قبور سے استمداد کومواضع بعیدہ سے شرک قرار دیتا ہے یارسول اللہ اور یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کواپنی تحریرات میں کفر گردانتا ہے۔

پس ایسے شخص کا کیا حال ہے (براحال ہے) کہ جوغوث صمدانی اوررسول ربانی سے تو استمداد کوحرام اور شرک قرار دے مگر خود ندائے میت کرتے ہوئے شوکانی سے استمداد کرتا ہے......اوراس (نواب صدیق حسن) کے والد ماجد مولانا سید اولاد حسن خاں قنوجی نے استمداد بالاموات کے بدعت ہونے کے صراحت کی ہے''(۱)

ایسے ہی موقع کے واسطے کسی نے کہا ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لوآپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

نواب صاحب اوران کے ساتھ بیٹھنے والوں کی کشتی شرک وبدعت کے سمندر میں ڈوب گئی کوئی ہے؟ جوتنکہ کا سہارا دے کر ابھارا دے سکے۔

انصاف کاخون

ناظرین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا حق وانصاف کا خون کرنے میں کسی قدر ایچ پیچ

---

(۱) ھذا عجیب منه (صدیق حسن خاں قنوجی) فانه ممن یجعل نداء الاموات والاستمداد بھم من المواضع البعیدة شرکاً ویجعل قولھم یا رسول الله ویا شیخ عبد القادر شیئاً لله ونحو ذلك کفراً۔ فمن الذی حرّم الاستمداد بالغوث الصمدانی والی الرسول الربانی واحل الاستمداد بالشوکانی۔

وقد صرح والده الماجد مولانا السید اولاد حسن القنوجی ان الاستمداد بالاموات بدعة ا ھ　ابراز الغی الواقع فی شفاء العی ص ۶ مطبوعہ انوار محمدی لکھنو

سے کام لیا گیا ایک طرف تو توسل ثابت پر اس قدر ہنگامہ آرائیاں کہ ہندو پاک ہی میں نہیں سعودی عرب اور دیگر اسلامی ملکوں میں بھی غلط بیانی کر کے فضاء کو زہر آلود کرتے ہیں، تردید کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہوئے ہوا میں لاٹھیاں چلاتے ہیں۔

دوسری طرف　مسلّم پیشوا شرکیہ عقیدہ اختیار کرتے ہیں۔ ہم عصر بڑے بڑے علماء (مولانا عبدالحئی لکھنویؒ) ان کو تنبیہ کرتے ہیں اس کے باوجود وہ اپنے عقیدۂ شرک پر جمے رہتے ہیں۔ اوپر سے نیچے تک کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔

مگر غیر مقلدین صاحبوں کی ہر ہر ادا مثل اپنے پیشواؤں کے عجیب وغریب ہے کہ شرکیہ عقیدہ اختیار کرنے والوں ہی کو اپنے دین وایمان کی کشتی کا ناخدا بناتے ہیں۔

کسی نے سچ کہا ہے۔

جس نے دیکھے نہ ہوں پھیرے طوفان کے
لے کے ڈوبے گا وہ ناؤ ساحل کے پاس

اذا كان الغراب دليل قوم ☆ سيهديهم طريق الهالكينا

ابراز الغیّ الواقع فی شفاء العیّ

نواب صدیق حسن خاں نے دیگر مسائل میں بھی کہاں کہاں ٹھوکریں کھائی ہیں کن کن امور میں شیعوں کی تقلید کی ہے کس کس طرح زیغ وضلال کو اختیار کیا ہے، حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے اپنی اس کتاب (ابراز الغی) میں مدلّل اور عمدہ انداز پر تحریر فرمایا ہے اہل علم حضرات کو یہ کتاب ضرور ملاحظہ کرنی چاہئے۔

---

(۱) هذا عجيب منه (صدیق حسن خاں قنوجی) فانه ممن يجعل نداء الاموات والاستمداد بهم من المواضع البعيدة شركاً ويجعل قولهم يا رسول الله ويا شيخ عبد القادر شيئاً لله ونحو ذلك كفراً۔ فمن الذى حرّم الاستمداد بالغوث الصمدانى والى الرسول الربانى واحل الاستمداد بالشوكانى۔

وقد صرح والده الماجد مولانا السيد اولاد حسن القنوجى ان الاستمداد بالاموات بدعة ۱ھ　إبراز الغی الواقع فی شفاء العی ص ۶ مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ

اگر غیر مقلدین بھائی بھی بنظر انصاف اس کتاب کو دیکھ کر سمجھ لیں تو اپنی ہٹ دھرمی پر نظر ثانی کا احساس انشاء اللہ بیدار ہو جائے گا۔

افراط وتفریط

یہ امر بہر حال قابل لحاظ ہے کہ توسل قربۃ مقصودہ نہیں اور درود شریف قربت مقصودہ ہے ہاں البتہ دونوں میں یہ امر قدر مشترک ہے کہ دونوں دعاء کے اقرب الی الاجابہ ہونے کے سبب ہیں جب کہ حدود شرعیہ کو محفوظ رکھا جائے مگر آج کل دیگر معاملات کی طرح توسل کے مسئلہ میں بھی افراط وتفریط کا ظہور ہے ایک طبقہ کا حال یہ ہے کہ جو وسیلہ ثابت بالکتاب والسنۃ ہے اور متبع سنت اکابر واعاظم کا معمول چلا آتا ہے اس کا بھی سرے ہی سے انکار کرتا ہے۔

اس کے بالمقابل دوسرا طبقہ ہے کہ جس نے وسیلہ کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ دعاء میں اللہ تعالیٰ کا نام تبرکاً لے لیا جائے تو کافی ہے باقی اپنی مرادیں انبیاء، اولیاء اور شہداء، ائمہ سے ہی مانگی جائیں حالانکہ یہ کھلا شرک ہے۔

اس طبقہ کے لوگ سمجھتے ہیں یا ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کی تو رسائی اللہ تعالیٰ تک نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ نے کل تصرفات نبیوں، ولیوں اور شہداء حضرات کو سپرد کر دیئے ہیں وہ اپنی قبور میں سے ہی ہر شخص کی حاجت برآری کرتے ہیں جس طرح بادشاہ سب کام انجام نہیں دیتا بلکہ اپنے ماتحت کارندوں کو سپرد کر دیا ہے حالانکہ دنیاوی بادشاہوں پر احکم الحاکمین ذوالجلال رب العالمین کو قیاس کرنا ہی سراسر غلط ہے۔

غلط قیاس کی بنیاد

اصل یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کو تو یہ صورت اس لئے اختیار کرنا پڑتی ہے کہ وہ اس سے عاجز ہیں کہ ہر شخص کی فریاد کو خود سن سکیں اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ تمام انسان، جنات، حیوانات میں سے ایک ایک کی آواز، پکار، دعاء کو اس طرح سنتا ہے جیسا کہ تمام مخلوق گویا کہ خاموش ہے اور صرف ایک بولتا ہے۔ اور اللہ پاک کامل توجہ سے سنتا ہے بلکہ

اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت تو اس قدر ہے کہ اندھیری رات میں کالے پہاڑ پر چلنے والی بھوری چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سنتا ہے، نیز دنیا کے بادشاہوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر شخص ان کے پاس تک نہیں پہونچ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے یہ مضمون ثابت ہے۔

اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے۔

قل من بيده ملكوت كل شيء وهو يجير ولا يجار عليه ان كنتم تعلمون سيقولون لله (سورۃ المؤمنون پ ۱۸)

آپ (ﷺ) مشرکین سے معلوم کیجئے کہ وہ کون ذات ہے؟ کہ جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ کون ہے کہ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا تو وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ اس طرح کا اختیار تو صرف اللہ ہی کو ہے۔

حدیث شریف

خود حضرت نبی اکرم ﷺ کا اس سلسلہ میں کیا عقیدہ تھا وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر تھا آپؐ نے مجھ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اے لڑکے! اللہ کے حقوق کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا اور جو کچھ مانگنا ہو اللہ سے مانگ اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کر اور یقین کر لے کہ ساری دنیا اگر تجھے کوئی نفع پہونچانے کے لئے اجتماعی کوشش کرے تو کچھ نفع نہیں پہونچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور ساری دنیا تجھ کو نقصان پہونچانے پر جمع ہو جائے تو نہیں پہونچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے لکھ دیا ہے مشکوۃ شریف ص ۴۵۳

شیخ المشائخ حضرت جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ان الخلق عجز عدم لاهلك ولا فقر ولا ضربايديهم ولا نفع ولا ملك

عندهم الّا الله عزوجل لا قادر غيره ولا معطي ولا مانع ولاضار ولا نافع غيره ولا محيي ولا مميت غيره (الفتح الربانی للشیخ جیلانی)(مجلس نمبر ٦١)

(**ترجمہ**) بلا شبہ تمام مخلوق عاجز وکالعدم ہے نہ ہلاکت اس کے قبضہ میں ہے، نہ ملک نہ مالداری نہ فقر۔ نہ نقصان اس کے ہاتھ میں ہے نہ نفع سوائے اللہ تعالیٰ کے، نہ کوئی حاکم ہے نہ قادر، نہ اس کے سوا کوئی دینے والا ہے نہ روکنے والا نہ کوئی نقصان پہونچا سکتا ہے نہ نفع نہ اس کے سواء کوئی زندگی بخش سکتا ہے نہ ہی موت دینے والا ہے۔

التنبیہ

غیر اللہ سے مدد طلب کرنے میں یہ تقریر ان امور میں ہے کہ جو مخلوقات کی قدرت واختیار سے خارج ہیں مثلاً اولاد کی دعاء، طلب بارش کی درخواست، طلب ہدایت وغیرہ۔

باقی رہے وہ امورِ عادیہ کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے تعاون اور ہاتھ بٹانے کے اختیارات مخلوق کو سپرد کردیئے ہیں ایسے امور میں ایک دوسرے سے تعاون طلب کرنا درست ہے مثلاً کوئی کہے کہ نل سے پانی نکال کر پلادو۔ بازار سے فلاں چیز لے آ ؤ، یہ چیز یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھدو وغیرہ۔

حاصل یہ کہ ایسے امور عادیہ مذکورہ نصوص اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح میں مراد نہیں ہیں۔ پس ایسا وسیلہ اختیار کرنا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا نام تو محض تبرکاً لیا جائے اور دعاء حقیقۃً بزرگوں سے کی جائے اور عقیدہ یہ رکھا جائے کہ تمام تصرفات کے مالک ومختار متوسل بہ (نبی، ولی، امام شہید وغیرہ) ہیں، یہ شرک ہے ایسا وسیلہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے کہ جو شرک یا مفضی الی الشرک ہے۔

ہاں دعاء میں اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی عجز و بے بسی خضوع وتذلل کا مظاہرہ ہو اور کسی بزرگ کا وسیلہ اختیار کرلیا جائے تو یہ اقرب الی التواضع اور ارجیٰ للقبول ہے جیسا کہ تفصیل سے لکھا گیا اللہ پاک امت کو راہ اعتدال پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والحمد لله اولا وآخرا ظاهرا وباطنا والصلوٰة والسلام على رسوله محمد بن عبد الله المصطفیٰ وآله المجتبیٰ واصحابه واتباعه ومن سلك مسلكهم في الهدیٰ

فقط احقر محمود حسن غفرلہ بلند شہری دار العلوم دیوبند ۱۰ ارمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ یوم الخمیس

مقالہ نمبر ۱۳

مسائل وعقائد میں

غیر مقلدین کے متضاد اقوال

از

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی

مفتی دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہمارا عمل حدیث نبوی پر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی وہ اجتہاد کا دعویٰ بھی کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں انکے یہاں بہت سے عقائد اور مسائل میں اختلاف اور تناقض پیدا ہوا ان کے پیشواؤں میں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے انہوں نے تقلید شخصی کا دامن چھوڑ کر اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق مسائل و عقائد گڑھنا شروع کئے۔

ہم یہاں ان کے مشہور و معتمد بڑوں کی کتابوں سے چند مسائل ذکر کر رہے ہیں۔ جس سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ یہ لوگ کہاں تک قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اہل حدیث کا فریضہ تو یہ ہے کہ نصوص (قرآن وحدیث) کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔ نصوص کے ہوتے ہوئے اپنے خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرنی چاہئے۔

مگر یہ ایسے مجتہد مطلق ہیں کہ علم نہ ہونے کے باوجود، اجتہاد کے شرائط نہ پائے جانے کے باوجود اپنی عقل سے مسائل و عقائد نکالتے ہیں۔ حدیث کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اور پھر بھی اہل حدیث ہونے کے مدعی بنتے ہیں۔ لہذا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

ان کے یہاں ایک عجیب بات ہے کہ انہوں نے احادیث کی صحت و ضعف کو اپنے قبضۂ قدرت میں کر رکھا ہے۔ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جس حدیث کو چاہا ضعیف بنا دیا۔ ایک حدیث کو ایک جگہ صحیح کہہ دیا اور اسی کو دوسری جگہ ضعیف قرار دیا، جس چیز کو چاہا قاعدۂ کلیہ تسلیم کر لیا اور جس کو چاہا اس قاعدہ سے خارج کر دیا۔ حدیث کے خلاف تو ان کے بے شمار مسائل ہیں۔ یہاں تو صرف ان کے تناقض کو دکھایا گیا ہے۔ یہ ساری ضلالت و گمراہی اور بے راہ روی عدم تقلید کی وجہ سے ان میں پیدا ہوئی ہے کہ یہ لوگ صرف قرآن وحدیث ہی کو نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دین اسلام ہی کو سلام کر بیٹھے ہیں۔ دین کے عقائد و مسائل کو بچوں کا کھیل بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی لامذہبیت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''غیر اللہ کو ندا کرنا جائز ہے''

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ غیر اللہ کو ندا کرنا مطلقاً جائز ہے۔ (۱)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا حضرت علی کو یا کسی ولی کو یہ خیال کر کے ندا کرے کہ ان کی سماعت عامۃ الناس کی سماعت سے اوسع ہے تو شرک نہیں۔ (۲)
خود نواب صدیق حسن خاں بھی اسی کے قائل ہیں۔ وہ خود غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔

قبلہ دیں مددے
کعبۂ ایماں مددے
ابن قیم مددے
قاضی شوکاں مددے (۳)

اس کے برخلاف مولوی ثناء اللہ غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے۔ (۴)

''زنا کی لڑکی سے نکاح جائز ہے''

مولوی نور حسن غیر مقلد لکھتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (۵)
جبکہ مولوی عبد الجلیل سامروی غیر مقلد فرماتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ صحاح ستہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ (۶)
حدیث پر عمل کے دعوے دار ہو کر کوئی حدیث جواز میں نقل نہیں فرمائی۔

---

(۱) ہدیۃ المہدی ص: ۲۳۔ (۲) ہدیۃ المہدی ص: ۲۵۔ (۳) نفح الطیب ص ۴۷، ۵۷)۔
(۴) اہل حدیث کا مذہب ص: ۱۷ تا ص: ۲۱۔ (۵) عرف الجادی ص: ۱۱۳۔ (۶) العذاب المبین ۵۲

''مال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں''

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد کہتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔(۱) شوکانی، داؤد ظاہری، اور مولوی وحید الزماں بھی اس کے قائل ہیں۔

اس کے برخلاف مولوی عبدالجلیل سامرودی فرماتے ہیں کہ عام اہل حدیث کے نزدیک مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔(۲)

''چاندی سونے کے زیور میں زکوٰۃ واجب نہیں''

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد کہتے ہیں کہ چاندی اور سونے کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں۔(۳)

جب کہ غیر مقلدوں کے دوسرے پیشوا مولوی وحید الزماں غیر مقلد یہ لکھتے ہیں کہ چاندی سونے کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے دلیل کے اعتبار سے وجوب قوی ہے(۴)

یہ ہیں حدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے والے کہ صریح حدیث کے ہوتے ہوئے بھی اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔

طوائف کی کمائی

مولوی وحید الزماں صاحب جو غیر مقلدوں کے پیشوا اور مقتدا مانے جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ طوائف (رنڈی) کی کمائی حرام ہے، اس کے یہاں دعوت کھانا جائز نہیں اس سے معاملہ کرنا درست نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسرار اللغۃ پارہ نمبر۱۰ ص:۵۱ میں تصریح کی ہے۔

اس کے برخلاف مولوی عبداللہ غازی پوری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ طوائف کی کمائی حلال ہے۔(۱) فتویٰ مولوی عبداللہ غازی پوری مؤرخہ ۲۲/ربیع الاول ۱۳۲۹ھ صرف توبہ کرلینا کافی ہے۔ حالانکہ مسلم شریف کی صحیح حدیث میں صاف طور پر رسول اللہ ﷺ کا

(۱) بدور الاہلہ ص:۱۰۲ (۲) العذاب المہین ص:۲۸، ۲۹ (۳) بدور الاہلۃ :۱۰۱ (۴) ہدیۃ المھدی جز۶ ص:۵

ارشاد موجود ہے، " مهر البغي خبيث " یعنی زانیہ کی آمدنی، مال خبیث اور حرام ہے۔

ان نفس کے پجاری غیر مقلدوں سے پوچھئے کہ مولوی عبداللہ غازی پوری نے کون سی حدیث پر عمل کیا ہے۔ حدیث کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ برعکس نام نہند زنگی کافور۔

"بیماروں پر جھاڑ پھونک"

مولوی وحید الزماں صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے بیماروں پر رقیہ (جھاڑ پھونک) کرنا جائز ہے۔

اس کے برخلاف دوسرے تمام غیر مقلدین جھاڑ پھونک کو مطلقاً ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔ (۱)

حالانکہ وہ جھاڑ پھونک جس میں کفریہ یا شرکیہ منتر پڑھے جائیں انہیں منع کیا گیا ہے، اور جن کلمات میں کفر وشرک کی آمیزش نہیں ہے اس کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد موجود ہے۔

" لا بأس بالرقى مالم يكن فيه شرك "

اور مسلم شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے رقیہ کے کلمات پیش کئے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

" ما أرىٰ باسا من استطاع منكم أن ينفع أخاه فلينفعه "

دوسری حدیث میں جو ابوداؤد نے راویت کی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کا رقیہ حضرت زینب (زوجۂ عبداللہ بن مسعود) نے خود بتایا ہے۔

" اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافي ، لا شفاء الا شفائك شفاء لا يغادر سقما ۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک

---

(۱) اسرار اللغۃ پارہ نمبر ۱۰، ص: ۱۱۸)

رات رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے جب ہاتھ زمین پر سجدہ میں جانے کے لئے رکھا تو بچھو نے ڈنک مار دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے بچھو پر لعنت بھیجی۔ اس کے بعد نمک اور پانی منگوایا نمک پانی میں ملا کر اس جگہ جہاں بچھو نے کاٹا تھا پانی کی دھار گرانے لگے اور اس پر ہاتھ پھیرتے رہے ساتھ ہی ساتھ معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے رہے۔

ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم لوگ دو شفا بخش چیزیں اپنے اوپر لازم پکڑلو۔ یعنی شہد کھا کر اور قرآنی آیات پڑھکر شفاء حاصل کیا کرو۔ (ابن ماجہ) بعض محدثین نے اسے حدیث موقوف بتایا ہے۔

اس طرح کی بہت سی احادیث رقیہ کے جواز پر موجود ہیں مگر حدیث سے بغض رکھنے والے غیر مقلد آنکھیں بند کر کے کہتے اور لکھتے ہیں کہ رُقیہ ناجائز اور شرک ہے حالانکہ اوپر کی احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے الفاظ سے اگر کوئی رقیہ کرتا ہے یا تعویذ لکھتا ہے وہ بلاشبہ جائز ہے۔ ہاں جو لوگ قرآن وحدیث کے خلاف کفریہ اور شرکیہ کلمات سے رقیہ کرتے ہیں یا تعویذ لکھتے ہیں۔ اس کو بلاشبہ ہم بھی ناجائز وحرام سمجھتے ہیں۔

''گانا بجانا شادی میں جائز ہے''

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ تفریح طبع کے لئے گانا بجانا مختلف فیہ، ہے اور عید، شادی اور دیگر خوشی کے مواقع پر جائز بلکہ مستحب ہے۔ (۱)

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد فرماتے ہیں کہ گانا بجانا یعنی مزامیر وغیرہ مطلقا حرام ہے علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی مطلقا حرام کہتے ہیں۔ (۲)

حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے:

''الغناء یورث النفاق بعثت لأمحق المعازف۔

---

(۱) اسرار اللغۃ پارہ ششم ۸۶ (۲) بدور الاہلۃ ص: ۵۱۳

نیز قرآن پاک میں ہے۔

"ومن الناس من یشتری لھو الحدیث الخ"

یہ نصوص کھلم کھلا گانے بجانے کی حرمت کو ظاہر کر رہی ہیں۔ مگر حدیث پر عمل کرنے کے دعویدار اہل حدیث اسے جائز ہی نہیں بلکہ اسے مستحب بتاتے ہیں۔ کیا یہ قرآن وحدیث پر عمل ہے۔ یا خواہش نفسانی پر۔

"نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ زور سے پڑھنا"

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ نماز جنازہ میں جہر کے ساتھ یعنی بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے، آہستہ پڑھنا مستحب نہیں!۔(۱)

جب کہ مولوی وحید الزماں غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں صحیح قول یہ ہے کہ بلند آواز کے ساتھ سورۂ فاتحہ نہ پڑھے بلکہ آہستہ پڑھے۔(۲)

"شراب سرکہ بن جانے پر پاک نہیں ہوتی"

علامہ ابن تیمیہؒ جو غیر مقلدوں کے گرو کہلاتے ہیں وہ ہر حال میں شراب کو نجس کہتے ہیں یعنی اگر شراب قلب ماہیت ہو کر سرکہ بن جائے جب بھی وہ ناپاک ہی رہتا ہے پاک نہیں ہوتا۔(۳)

یہی ابن قیم کا بھی مذہب ہے۔

جب کہ علامہ شوکانی، اور نواب صدیق حسن خاں صاحب غیر مقلد شراب کو جب کہ وہ سرکہ بن جائے طاہر اور پاک بتاتے ہیں۔(۴)

"کفن میں عدد مسنون کپڑوں سے زیادہ دینا درست ہے"

مولوی وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں کہ میت کے کفن میں مردوں کو تین کپڑوں سے زیادہ دینا۔ اور عورتوں کو پانچ کپڑوں سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔(۵)

---

(۱) بدور الاہلۃ ص:۹۲ (۲) ہدیۃ المہدی ص ۲۲۱ (۳) فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۷ (۴) بدور الاہلۃ (۵) ہدیۃ المہدی ص ۲۱۱

جب کہ علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن خانصاحب غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ زیادتی میں کوئی حرج نہیں بلکہ بلاتردد اور بلاکراہت جائز ہے۔(۱)

"میت اٹھانے سے وضوواجب ہے"

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جنازہ (میت) کے اٹھانے سے اٹھانے والوں پر وضو کرنا واجب ہو جاتا ہے، یعنی اگر کوئی باوضو جنازہ کو اٹھائے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ہدیۃ المہدی، بدور الاہلۃ، روضہ ندیہ میں مذکور ہے۔

جبکہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک میت کو اٹھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نہ وضو کرنا واجب ہوتا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں روایت موجود ہے۔

"میت کونہلانے سے غسل واجب ہوجاتا ہے"

غیر مقلدین میں شوکانی، نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد، اور مولوی وحید الزماں صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں میت کو غسل دینے سے۔ غسل دینے والوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔(۲)

جب کہ صاحب نصر الباری غیر مقلد اپنی کتاب نصر الباری پارہ نمبر ۵ ر ص: ۵۳ میں لکھتے ہیں کہ میت کو نہلانے کی وجہ سے نہلانے والوں پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ کے یہاں بھی غسل میت سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

"ختم تراویح میں تین مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھنا"

مولوی بشیر الدین صاحب قنوجی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ تراویح میں ختم کے دن تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا بدعت ہے بلکہ وہ قرآن سنانے والے کو پہلے ہی منع کرد کرتے تھے۔

---

(۱) روضہ ندیہ ص ۱۰۸ (۲) روضہ ندیہ ص: ۲۷، بدور الاہلۃ ص: ۳۲، ہدیۃ المہدی: ۲۶

جب کہ مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ یہ بالکل جائز ہے بدعت نہیں ہے۔(۱)

معلوم نہیں کون سی حدیث سے جواز نکالا ہے رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کبھی قل ہو اللہ تین مرتبہ نہیں پڑھی ہے۔صلاۃ اللیل میں تین بار پڑھنا آتا ہے۔اپنی طرف سے یہ مسئلہ نکالا اور پھر حدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔کیا غیر مقلدین حضرات اس کے جواز پر کوئی حدیث پیش کر سکتے ہیں؟۔

''نماز میں ستر کا چھپانا ضروری نہیں''

علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ نماز میں ستر عورت شرط نہیں ہے یعنی نماز کی حالت میں کسی کی شرمگاہ کھلی رہی تو اس کی نماز درست ہے۔

اس کے برخلاف مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ ستر عورت نماز میں شرط ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔(۲)

ان دونوں خیالوں میں سے کس کو مانا جلائے اور کس کو ترک کیا جائے ہر ایک اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہر ایک مجتہد ہونے کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔اسی لئے یہ اختلاف ان میں پیدا ہوا۔

''فجر کے لئے دو اذان ہونی چاہئے''

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ اذان وقت کے اندر ہی ہونی چاہئے؟ وقت سے پہلے اذان جائز نہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان رات میں سونے والوں کو جگانے کے لئے ہوتی تھی۔اور تہجد پڑھنے والوں کو لوٹانے کے لئے ہوتی تھی۔ان کی اذان فجر کے واسطے نہ تھی۔(۳)

---

(۱) اسرار اللغۃ پارہ چہارم ص:۱۴۲ (۲) ہدیۃ المہدی (۳) بدور الاہلۃ ص ۴۷

جب کہ مولوی وحید الزماں غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ فجر کے واسطے دو اذانیں ہونی چاہئے۔(۱)

یہ اختلاف بھی دعوائے اجتہاد کی وجہ سے ہے ہر اہل حدیث اپنے من کا لا جا ہے۔ اسے حدیث ڈھونڈنے اور حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے کوئی مطلب نہیں۔

"مؤذن کو اجرت پر رکھنا جائز ہے"

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد فرماتے ہیں کہ مؤذن کو اجرت دے کر رکھنا جائز نہیں۔(۲)

اس کے برخلاف مولوی وحید الزماں غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔(۳)

"عورت بھی مؤذن ہو سکتی ہے"

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مؤذن کے لئے مذکر (مرد) ہونا شرط ہے، عورت اذان نہیں دے سکتی۔(۴)

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد یہ فرماتے ہیں۔ کہ موذن کے لئے مرد ہونا شرط نہیں، بلکہ عورتوں اور مردوں کا ایک حکم ہے۔ یعنی عورت بھی مؤذن بن سکتی ہے۔(۵)

"اذان دینا واجب ہے"

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد فرماتے ہیں کہ پنجوقتہ نماز کے لئے اذان دیا واجب ہے۔

اس کے برخلاف مولوی وحید الزماں صاحب غیر مقلد یہ لکھتے ہیں کہ اذان

---

(۱) ہدیۃ المھدی ص:۶۴ (۲) بدور الاہلۃ ص۴۶ (۳) ہدیۃ المھدی ص ۷ ۸ (۴) ہدیۃ المھدی ص:۶۲
(۵) بدور الاہلۃ ص:۴۶ (۶) بدور الاہلۃ ص:۴۶

کہنا سنت ہے۔ واجب نہیں ہے۔ اور وجوب کی دلیلوں کو رد کر دیا ہے۔ (۱)

"پورے رمضان کے روزے چھوٹ گئے تو کچھ بھی لازم نہیں"

اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے پورے رمضان کا روزہ نہیں رکھ سکا اور سال گذر گیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا، اور پچھلے رمضان کی قضا نہ کر سکا، تو مولوی وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں کہ بعد میں ان روزں کی قضا کرنا ضروری ہے۔ اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مُد کھانا دینا تاخیر کی وجہ سے ضروری ہے۔

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد فرماتے ہیں کہ تاخیر کی وجہ سے کچھ اس کے ذمہ لازم نہیں، حتی کہ وہ شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قدرت نہیں رکھتا، اور وہ بیمار جس کی صحت یاب ہونے کی امید نہیں ہے ان کے اوپر نہ قضاء واجب ہے نہ ہی کفارہ واجب ہے۔ (۲)

مولوی عبد اللہ غازی پوی غیر مقلد نے ایک نیا مسئلہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ مریض و مسافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے، دوسرے وہ ہیں جو مشقت کے ساتھ روزے کی طاقت رکھتے ہیں تو پہلی قسم کے لوگوں کے لئے تو قضاء ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے فدیہ ہے۔ (۳)

یہ مصیبت عدم تقلید کی وجہ سے پیش آئی ہے ان میں کا ہر شخص مجتہد مطلق ہے اور اپنی رائے میں مستقل ہے۔

"میت کا چھوٹا ہوا روزہ ولی کے لئے رکھنا جائز ہے"

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اگر میت کے ذمہ روزے کی قضاء باقی رہ گئی پس اگر نذر کا روزہ تھا تو اس کا ولی اس روزے کی قضاء کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اصلی فرض روزہ رمضان کا ہو تو پھر ولی کے لئے یا اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ میت کے روزوں کی خود قضا کرے۔ (۴)

---

(۱) ہدیۃ المہدی ص:۳۶ (۲) ہدیۃ المہدی ج۲ ص:۶۴۔ (۳) بدور الاہلہ ص ۱۲۸، الروضۃ الندیہ ۱۵۰
(۴) الروضۃ الندیہ ص ۱۳۶، ہدیۃ المہدی ص:۶۶

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خاں صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نذر کا روزہ میت کے بدلہ میں اس کا ولی رکھ سکتا ہے اسی طرح اصلی فرض روزہ بھی ولی میت کی طرف سے قضاء رکھ سکتا ہے۔(۱)

یہ ہیں نام نہاد اہل حدیث عبادت بدنیہ میں کوئی ایک دوسرے کے بدلہ میں نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ صاف طور پر حدیث میں آیا لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد الخ مگر یہ اپنے قیاس واجتہاد کے جوش میں حدیث کو بھی سلام کر بیٹھے ہیں۔

''خطبہ جمعہ کے شرائط میں نہیں ہے''

غیر مقلدوں کے مقتدا علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ خطبہ جمعہ کے فرائض، ضروریات اور شرائط میں سے نہیں ہے۔ خطبہ کے بغیر بھی جمعہ ہو جاتا ہے، نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی ان ہی کی اندھی تقلید کی ہے۔(۲)

اس کے برخلاف مولوی وحید الزماں غیر مقلد یہ لکھتے ہیں کہ خطبہ نماز جمعہ کے شرائط میں سے ہے خطبہ کے بغیر جمعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ انہوں نے خطبہ کے ضروری ہونے کو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔(۳)

یہ لوگ حدیث پر عمل کرنے کے مدعی ہیں۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ حدیث کو چھوڑ کر من مانی اجتہاد کر رہے ہیں اسی لئے ان کے اقوال میں تناقض اور تضاد بیانی کثرت سے پائی جاتی ہے۔

''رکوع اور سجدہ میں تسبیحات واجب نہیں''

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ رکوع اور سجدے میں تسبیحات کا پڑھنا واجب ہے۔(۴) اور اسی کو قول مختار اور قول اصح قرار دیا ہے، یہ دراصل علامہ ابن تیمیہ

(۱) الروضۃ الندیہ ص:۱۵۰، ہدیۃ المہدی ص:۲۶ (۲) الروضۃ الندیم ص:۸۹ (۳) ہدیۃ المہدی ج ۵ ص:۱۵۱
(۴) ہدیۃ المہدی

کی تقلید جامد کی ہے۔

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد یہ لکھتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں تسبیحات سنت ہیں واجب نہیں ہیں۔(۱)

یہ دونوں غیر مقلدوں کے پیشوا ہیں، اب عامی غیر مقلد کس پیشوا کی تقلید کرے، یہ اختلاف خواہش نفسانی پر چلنے اور حدیث کو چھوڑ کر عقل و قیاس کا گھوڑا دوڑانے کی وجہ سے ہوا ہے۔ حدیث سے انہیں کوئی مطلب نہیں۔

جن لوگوں کے یہاں حدیث کی عظمت ہے وہ حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ حدیث کے ہوتے ہوئے کوئی قیاس نہیں کرتے، پھر ان غیر مقلدوں نے حدیث کی صحت اور ضعف کو اپنے قبضۂ قدرت میں کر رکھا ہے جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور بس حدیث کو چاہا ضعیف بنا دیا۔

"غسل میں بدن کا ملنا واجب ہے"

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ غسل میں بدن کا ملنا مستحب ہے۔(۲)

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خانصاحب یہ لکھتے ہیں کہ بدن کا ملنا واجب ہے۔(۳)

شوکانی بھی وجوب کے قائل ہیں۔(۴)

"دخول مکہ کے لئے غسل مسنون نہیں"

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ دخول مکہ کے واسطے غسل کرنا سنت ہے۔(۵)

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل نہ کرے۔ یعنی وہ منع فرماتے ہیں بلکہ یوں لکھتے ہیں ظلمات بعضها فوق بعض است، یعنی غسل کرنا تاریکی پر تاریکی ہے۔(۶)

(۱) بدور الاہلہ ص:۵۵ (۲) ہدیۃ المہدی ص:۲۳ (۳) بدور الاہلہ ص ۳۱ (۴) الروضۃ الندیۃ ص:۳۶
(۵) ہدیۃ المہدی ص ۲۶ (۶) بدور الاہلہ ص ۲۳

''مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے نا جائز ہے''

مولوی عبدالجلیل سامرودی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے جائز ہے۔(۱)

اس کے برخلاف علی حسن خاں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ ہرگز مسافر مقیم کے پیچھے اقتدا نہ کرے، اسے پچھلی دو رکعتوں پر شریک ہونا چاہئے۔(۲)

''مشت زنی جائز ہے''

مولوی نورالحسن خاں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ جلق لگانا۔ یعنی مشت زنی کرنا جائز ہے۔(۳)

جب کہ مولوی عبدالجلیل صاحب غیر مقلد یہ لکھتے ہیں کہ مشت زنی جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ صحاح ستہ میں اس کا ذکر نہیں۔(۴)

''ہر رکعت کی ابتداء میں اعوذ باللہ پڑھنا''

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ نماز کی ہر رکعت میں قراءۃ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنی چاہئے۔(۵)

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ صرف نماز شروع کرتے وقت ابتداء نماز میں اعوذ باللہ کا پڑھنا مسنون ہے۔(۶)

ابن قیم اور شوکانی کا مسلک بھی یہی ہے۔

حدیث پر عمل کرنے والوں میں یہ تناقض اور تضاد بیانی کبھی نہیں ہو سکتی یہ سب تقلید نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ ہر ایک شتر بے مہار کی طرح دین میں قیاس آرائی کرتا ہے۔

''ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا''

---

(۱) العذاب المہین ص:۱۷ (۲) البنیان المرصوص ص:۱۶۳ (۳) عرف الجادی ص ۲۱۴ (۴) العذاب المہین ص گ ۵۲۶ (۵) ہدیۃ المہدی ص ۱۷۷ (۶) الروضۃ الندیۃ ص ۶۷

''ہر رکعت میں بسم اللہ زور سے پڑھنا''

مولوی وحید الزماں غیر مقلد یہ لکھتے ہیں کہ الحمد سے پہلے آہستہ بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔(۱)

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خاں صاحب غیر مقلد یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں زور سے بسم اللہ پڑھے، یہی حق مذہب ہے۔ **(۲)**

یہ دونوں غیر مقلدوں کے مقتداء اور پیشواء ہیں ایک کچھ مسئلہ بتاتا ہے دوسرا کچھ بتاتا ہے، اب سادہ لوح غیر مقلد کدھر جائیں۔ کس کی بات مانیں اور کس کی بات کو ترک کریں، کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے۔

خدا وندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

''سلام کے ذریعہ نماز سے نکلنا واجب نہیں''

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ سلام نماز میں نماز کے فرائض میں سے ہے۔(۳)

اس کے برخلاف نواب صدیق حسن خانصاحب یہ لکھتے ہیں کہ سلام سے نکلنا واجب نہیں۔(۴)

علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں عدم وجوب کو اختیار کیا ہے اور درر بہیہ میں لکھا ہے کہ سلام سے نکلنا واجب ہے۔

مولوی وحید الزماں صاحب نے نواب صاحب کا رد کیا ہے۔

ناظرین غور فرمائیں کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے کیا یہ حدیث پر عمل ہے یا اپنی قیاس آرائیاں ہیں۔

---

(۱) ہدیۃ المہدی ص:۱۳۷ (۲) الروضۃ الندیۃ ص:۶۷ (۳) ہدیۃ المہدی ج ۳، ص:۲۱۷ (۴) الروضۃ الندیۃ ۶۱

شوکانی نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے سلام سے نکلنا واجب اور دوسری کتاب میں لکھا ہے کہ واجب نہیں۔ یہ لوگ خود اپنی طرف سے اجتہاد کرتے ہیں اور احادیث کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

پھر اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں:-

کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھول گیا

"مروجہ میلاد جائز ہے"

مولوی وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں کہ آج کل مولود مروجہ پر انکار جائز نہیں ہے یہ جو کچھ ہو رہا ہے درست ہے۔ (۱)

لیکن مولوی ثناء اللہ غیر مقلد یہ لکھتے ہیں کہ مروجہ مولود بدعت ہے۔

مروجہ مولود میں چاہنے والے عموماً فاسق و فاجر ہوتے ہیں۔ جوئے سٹے کھیلتے ہیں، نماز کے پابند نہیں ہوتے ہیں پھر مولود میں زٹل روایات اور من گھڑت حکایات بیان کرتے ہیں۔ پھر جب چاہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو اپنی مجلس میں بلا لیتے ہیں پھر قیام کرتے ہیں گا گا کر سلام پڑھتے ہیں مولوی وحید الزماں صاحب اس کو جائز اور درست بتاتے ہیں اس پر انکار کو جائز نہیں کہتے۔ یہ ہے نفس پرستی اسے کوئی عقل رکھنے والا عمل بالحدیث نہیں کہے گا۔

مقالہ نمبر ۱۴

ایک حنفی اور غیر مقلد کے مابین دلچسپ علمی مباحثہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد لله رب العالمین، والصلوٰة والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ اٰله واصحابه اجمعین.

یہ ایک حقیقت ہے کہ ملت مسلمہ ان دنوں مختلف مسائل میں گھری ہوئی ہے افسوس یہ ہے کہ ملت کے بعض افراد ہی اکثر مسائل پیدا کرتے ہیں اور پوری ملت انھیں بھگتنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

مثلاً مسلم پرسنل لاء کے مسئلے پر حمید دلوائی اور اسی ذہنیت کے لوگوں نے مسلم ستیہ شودھک منڈل بنایا، اسی قماش کے افراد نے حکومت ہند اور عدلیہ کو مسلم پرسنل لاء کے بارے میں بدگمان کیا، نیشنل پریس نے بھی فضا کو خوب گرم کیا اس کے دفاع میں ملت مسلمہ نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل کی تمام مکتب فکر کے لوگوں نے یک آواز ہو کر کہا کہ:

"اسلامی قوانین خالق کائنات کے وضع کردہ ہیں
ان میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ ممکن نہیں ہے"۔

اس آواز کی ہیبت اور گرج سے حکومت مرعوب ہوئی اور اسے کچھ عرصے کے لئے ہی سہی مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا سرالا پنا بند کر دیا۔

شیطان کو یہ خاموشی پسند نہ آئی، اس نے بے دین لوگوں سے نہیں بلکہ دینداروں کے ذریعے ہی مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی آواز اٹھانے کا منصوبہ بنایا اور ہندوستان میں آباد ایک نہایت ہی مختصر گروہ نے عمل بالحدیث کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اس کا کام آسان کر دیا، انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ "ایک نشست میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جائے۔

افسوس! کہ اس طرح انھوں نے حکومت، عدلیہ اور عوام کو یہ تاثر دیا کہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ حرکت کسی دانا کی نہیں ہوسکتی بلکہ کوئی نادان ہی ایسا کرسکتا ہے۔

عمل بالحدیث کا دعویٰ کرنے والوں میں ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اپنے آپ کو غرباء کی حیثیت میں پیش کرتا ہے، بمبئی میں اس گروپ نے نوجوانوں میں یہ تاثر پیدا کرنا شروع کیا ہے کہ جو بات صحابہ کرامؓ نہیں جانتے تھے، جو حدیثیں ائمہ فقہ کو نہیں معلوم تھیں جن امور سے کروڑہا کروڑ مسلمان سینکڑوں سال سے ناواقف تھے انھیں ہم نے جان لیا ہے۔

''اور ہم حدیث پر عمل پیرا ہیں، باقی سارے لوگ گمراہ اور جہنمی ہیں''

اس پروپگنڈے سے نئی نسل کنفیوزن کا شکار ہو رہی ہے۔ اسلاف پر سے اعتماد ختم ہو رہا ہے اور یہ تاثر بن رہا ہے کہ دین کی بنیاد اختلاف اور صرف اختلاف ہی پر قائم ہے اس سے نوجوانوں میں دین بیزاری پیدا ہو رہی ہے۔

اس کے تدراک کی نیت سے یہ مکالمہ آسان اور عام فہم دلائل کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص جان لے کہ مقلدین کو گمراہ سمجھنا غلط ہے۔

اس مضمون کا ہدف وہی غیر مقلدین ہیں جو تقلید کو کفر و شرک قرار دیتے ہیں، ان سے بحث نہیں کی گئی جو تقلید کو جائز اور صحیح سمجھنے کے باوجود غیر مقلدیت کو ترجیح دیتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، غیر مقلدین اور تمام مسالک کے افراد اپنے اندر توسع پیدا کریں ایک دوسرے کے خلاف پروپگنڈہ کرنے کی بجائے اتحاد وانضباط کا مظاہرہ کریں اور ملت کو انتشار سے بچائیں۔

والسلام

نبی رحمت کا ایک گنہگار امتی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

ایک غیر مقلد کی توبہ

شوکت نے عبدالجلیل صاحب سے کہا "السلام علیکم" کہاں ہیں آپ؟ مسجد میں نظر نہیں آتے؟ کیا کسی دوسرے علاقے میں جابسے ہیں؟ خیریت تو ہے نا؟

عبدالجلیل: سب ٹھیک ہے، اب میں نے اہل حدیث مسلک اختیار کرلیا ہے، کیوں کہ اماموں کو ماننا قرآن و حدیث کے خلاف ہے اطیعوا الله و اطیعوا الرسول کا حکم ہے اماموں کی تقلید نہ صرف یہ کہ جہالت ہے بلکہ کفر و شرک ہے۔

شوکت: !آپ نے قرآن شریف کا مکمل علم کب حاصل کرلیا؟

عبدالجلیل: مکمل علم تو حاصل نہیں کر سکا، البتہ اتنا مجھے معلوم ہی ہے کہ اماموں کا ذکر قرآن و حدیث میں قطعاً نہیں ہے، آج تک مجھے کوئی مقلد نہیں بتاسکا کہ امام کا ذکر قرآن وحدیث میں کہاں ہے؟

شوکت: امام کا لفظ قرآن و حدیث دونوں میں ہے سنئے! يَومَ نَدعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِاِمَامِهِم (بنی اسرائیل۔۷۱) یعنی "جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے" دوسری آیت ہے وَنُرِيدُ اَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اِستَضعَفُوا فِى الأَرضِ وَ نَجعَلَهُم اَئِمَّةً وَّ نَجعَلَهُمُ الوَارِثِين (قصص۔۵) یعنی "اور ہم

چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں پست کر دیے گئے اور انہیں امام بنائیں نیز قائم مقام کر دیں۔ تیسری آیت ہے وَجَعَلْنَا مِنهُم اَئِمَّةً يَّهدُونَ بِاَمرِ نَا لَمَّا صَبَرُوا (سجدہ۔۲۴) یعنی "جب انہوں نے صبر کیا ہم نے ان میں امام بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، مجھے فی الحال تین ہی آیات یاد آرہی ہیں جن میں لفظ امام یا ائمہ استعمال ہوا ہے اس سلسلے میں احادیث بھی پیش کرتا ہوں، عَن تَمِيم الدَّارِى اَنَّ النَّبِى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَ سَلَّمَ قَالَ، الدِّينُ النَّصِيحَة ثَلٰثاً قُلنَا لِمَن؟ قَالَ لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِه وَ لِرَسُولِه وَلاَئِمَّةِ المُسلِمِين،(بخاری ومسلم) ابن ماجه کتاب الجهاد میں ایک روایت ہے" عَن اَبِى هُرَيرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم مَن اَطَاعَنِى فَقَد اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَن اَطَاعَ الاِمَامَ فَقَدَ اَطَاعَنِى، وَ مَن عَصَانِى فَقَد عَصَى اللّٰهَ وَ مَن عَصَى الاِمَامَ فَقَد عَصَانِى "ان دونوں احادیث میں لفظ امام الحمد للہ موجود ہے پہلی حدیث کا ترجمہ ہے آپ ﷺ نے تین بار فرمایا دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا کہ یہ (خیر خواہی) کس کیلئے؟ فرمایا اللہ کیلئے اسکی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے اماموں اور عام مسلمانوں کیلئے دوسری حدیث کا ترجمہ ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی، اب آپ کبھی یہ دعویٰ نہ کیجئے گا کہ کوئی مجھے امام کا لفظ قرآن وحدیث میں نہ بتا سکا۔

عبدالجلیل: آپ نے امام کا لفظ تو قرآن وحدیث سے ڈھونڈ نکالا، لیکن اس سے

یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کی پیروی اور اطاعت جائز ہے۔

شوکت: سورۃ نسا آیت نمبر ۵ سنئے! اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعوا الرَّسُولَ وَ اُولِی الاَمرِ مِنکُم، یعنی اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اور اپنے ذمے دار حضرات کی۔

عبدالجلیل: لیکن اولی الامر سے مراد امام نہیں ہیں بلکہ خلفائے راشدین ہیں۔

شوکت:۔ اگر خلفائے راشدین مراد ہیں تب بھی یہ تو ثابت ہو گیا نا کہ صرف اللہ اور رسول ہی کی پیروی اور اطاعت کا آپ کا دعویٰ درست نہیں ہے، خلفائے راشدین کی بھی پیروی کا حکم ہے دوسرے یہ بھی سوچئے کہ یہ حکم رسول اکرم ﷺ کے مبارک دور میں نازل ہوا تھا، اس وقت حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور تھے، لیکن کوئی بھی بحیثیت خلیفہ نہیں بلکہ بحیثیت صحابی اور ذمے دار حضرات موجود تھے، اس لئے اولی الامر کا ترجمہ ذمے دار حضرات ہی زیادہ صحیح ہے اسکا مطلب صرف خلیفہ یا بادشاہ سمجھنا ایک وسیع لفظ کو محدود کر دینا ہے۔

عبدالجلیل: تم لوگوں کو لے دے کر صرف یہی ایک اولی الامر والی آیت ہی ملتی ہے؟

شوکت: الحمد للہ! دوسری آیات بھی میں پیش کرتا ہوں سنئے سورہ نسا کی آیت نمبر ۱۱۵ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین نولّه ما تولّی ونصله جهنم وسآئت مصیرا یعنی، راہ واضح ہو جانے کے باوجود بھی جو کوئی رسول کو زحمت دے گا اور مومنین کے سوا کسی اور کی

پیروی کرے گا تو ہم اسے اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، اس آیت سے مومنین کی پیروی بھی جائز ثابت ہوتی ہے۔

عبدالجلیل : مومنین کی پیروی کیسے جائز ثابت ہوتی ہے ؟

شوکت: آپ توجہ فرمائیں ! اس آیت میں ان لوگوں کو دھمکی دی گئی ہے جو یتبع غیر سبیل المومنین یعنی مومنین کی پیروی نہ کرنے کی روش اختیار کریں، آپ کا یہ دعوی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور کی پیروی جائز نہیں اور یہ آیت صاف طور پر کہتی ہے کہ مومنین کی پیروی بھی باعث نجات ہے، ایک اور آیت بھی سنادوں سورہ طور آیت نمبر ۲۱ ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ "یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم انکی اولاد کو بھی ان سے ملا دیں گے ؛ یہاں ان بچوں کی تعریف ہو رہی ہے جنہوں نے اپنے صاحب ایمان والدین کی پیروی کی، آپ یہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کی پیروی جائز نہیں حالانکہ اس آیت میں ان بچوں کو سراہا گیا ہے جنہوں نے اپنے صاحب ایمان والدین کی پیروی کی ہو۔

دراصل صالح مومنین کی اتباع گویا خود صاحب شریعت علیہ السلام کی اتباع ہے اسی کی طرف قرآن وحدیث میں رہنمائی کی گئی ہے۔

عبدالجلیل: آپ نے قرآن کریم کی آیات تو پڑھ دیں لیکن اس کی کیا گارنٹی ہے کہ ترجمہ صحیح بھی ہے ؟

شوکت : آپ ترجمے والے قرآن مجید دیکھ کر اطمینان کر لیں۔

عبدالجلیل : مجھے مقلدوں کے ترجمۂ قرآن پر اعتماد نہیں میں ان کے ترجموں

کو نہیں مان سکتا۔

شوکت: آپ کو مقلدوں کے ترجمہ قرآن پر اعتماد نہیں تو کیا ان کے مجموعہ حدیث کو آپ تسلیم کریں گے ؟

عبدالجلیل : ہرگز نہیں ! میں مقلدوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا تو ان کے مجموعہ حدیث کو کیسے مانوں گا ؟

شوکت: کیا آپ جانتے ہیں کہ احادیث جمع کرنے والے تمام ائمہ محدثین مقلد تھے ، امام بخاریؒ امام مسلمؒ ،امام ابوداؤدؒ ، امام ترمذیؒ ،امام ابن ماجہؒ ،امام نسائیؒ ،امام بیہقیؒ ، یہ سب محدثین امام شافعیؒ ، کی پیروی اور تقلید کرتے تھے ، محدث یحیٰ بن معینؒ ، محدث یحیٰ بن سعید القطان ، محدث وکیع بن جراح ، محدث امام طحاویؒ ، محدث امام زیلعیؒ ، محدث یحی بن ابی زائدہؒ وغیرہم حنفی المسلک تھے ، جب آپ مقلدین کا ترجمہ قرآن معتبر نہیں سمجھتے تو پھر ان کی مرتب کردہ احادیث پر کس دلیل کے تحت اعتماد کرتے ہیں ، مقلد تو آپ کے نزدیک معاذاللہ گمراہ اور مشرک ہوتا ہے ، پھر آپ مقلد محدثین کی احادیث پر کیسے عمل کرتے ہیں ، کتب حدیث میں مرتب شدہ کوئی ایک حدیث بھی آپ ایسی نہیں پیش کرسکتے جس میں کم از کم ایک راوی مقلد نہ ہو۔

عبدالجلیل : یہ سب آپ جھوٹ ہانک رہے ہیں ، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ مقلد کیسے ہوسکتے ہیں۔ ؟ جب کہ وہ خیر القرون میں پیدا ہوئے ، ابو حنیفہ اور شافعی تو بہت بعد میں پیدا ہوئے جن روایتوں کو امام بخاری اور دوسرے محدثین نے ضعیف اور موضوع قرار دیا تھا انہیں کو اماموں نے گلے لگالیا اور مقلدین کے مسلک کی بنیاد انہیں روایتوں پر ہے۔

شوکت: کیا آپ امام بخاری اور امام ابوحنیفہؒ کے سن ولادت بتلاسکتے ہیں ؟

عبدالجلیل: فی الوقت مجھے یاد نہیں۔

شوکت: تو سنئے! امام ابو حنیفہؒ سنہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی امام بخاریؒ کی ۱۹۴ھ میں ولادت ہوئی دوسرے تمام محدثین ان کے بعد ہی پیدا ہوئے اس لئے آپ کا دعویٰ نظر ثانی کا مستحق ہے، امام ابو حنیفہؒ کے استاد جلیل القدر محدث امام حمادؒ تھے ان کے استاد شیخ الحدیث ابراہیم نخعیؒ تھے ان کے استاد علم حدیث کے ممتاز ائمہ علقمہ اور سالم رحمہ اللہ تھے، ان کے استاد جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے، ان تمام حضرات کا تقویٰ پرہیزگاری اور علم حدیث میں رسوخ مسلم ہے، اتنی جلیل القدر ہستیوں سے علم امام ابو حنیفہؒ تک پہنچا، ان حضرات میں نہ کوئی حافظے کا کچا تھا نہ کذب (جھوٹ) سے ان کا کوئی واسطہ تھا نہ ہی کسی زاویئے سے ان میں کوئی ذرا بھی غیر مستند تھا، غرض انتہائی مستند اور قابل اعتماد ذریعے سے امام ابو حنیفہؒ نے علم حاصل کیا۔

البتہ سوا سو سال بعد جب محدثین کرام احادیث مرتب کرنے لگے اس وقت تک درمیان میں کئی ایک راوی آگئے ان میں اگر کوئی حافظے کا کچا تھا یا اسے بھول چوک کی عادت تھی تو محدثین کو وہ راوی اپنے معیار کے لحاظ سے ضعیف محسوس ہوا، اس لئے اس روایت کو ضعیف قرار دیدیا، ضعیف حدیث راوی کی نسبت سے ضعیف ہوتی ہے صاحب ارشاد علیہ السلام کی نسبت سے تو ضعف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اس سلسلے میں ایک مثال سن لیجئے! ابن ماجہ میں ایک حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیوں کہ اس میں ایک راوی جابر جعفی ہیں جو ضعیف القول ہیں، یہ جابر جعفی ۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے، روایت کے الفاظ ہیں "مَن کَانَ لَه اِمَام فَقِرَأۃُ الاِمَام لَه قِرَاۃ" یعنی جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اسی کی

قرأت ہو گی، امام ابو حنیفہؒ کے پاس جب یہ روایت آئی اس وقت جابر جعفی کے پر دادا بھی شاید پیدا نہ ہوئے ہوں گے، اس لئے امام صاحب پر اس ضعف کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، ان کے پاس جن معتبر راویوں کے ذریعے روایت پہنچی ان پر پوری امت اعتماد کرتی ہے اس مثال سے آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ امام ابو حنیفہ یا دوسرے ائمہ فقہ پر حدیث ضعیف پر عمل کا الزام کتنی بڑی غلط فہمی ہے۔

عبدالجلیل: دراصل امام ابو حنیفہؒ کو روایتیں بہت کم معلوم تھیں، اگر انہیں کثرت سے روایتیں معلوم ہوتیں تو وہ ضرور حدیث کی کتاب لکھتے اور محدث کا درجہ حاصل کرتے پھر انہیں فقہ کی درد سری مول نہ لینی پڑتی۔

شوکت: پہلے آپ یہ بتلایئے! فقہ کا علم ضروری ہے یا نہیں؟

عبدالجلیل: جب حدیث موجود ہو تو فقہ کی کیا ضرورت؟ فقہ تو خواہ مخواہ ایجاد کر لی گئی ہے اصل علم تو قرآن و حدیث ہی ہے، فقہ ایجاد بندہ ہے جو دین کو مشکل اور مضحکہ خیز بناتا ہے۔

شوکت: مسلم شریف میں ایک ارشاد مبارک ہے: **من یُرِد الله به خیراً یفقه فی الدین** یعنی اللہ تعالیٰ جس بندے کی بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی فقہ نصیب فرماتا ہے ایک اور ارشاد ہے:۔ **الا لا خیر فی عبادة لیس فیها تفقه** یعنی سن لو! اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں فقہ نہیں (سمجھ نہیں) مسلم شریف ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔ **انّ طُولَ صلوٰة الرّجُل وَقصرِ خطبته مئنّةٌ مِن فِقهِهٖ** یعنی کسی شخص کا نماز کو طول دینا اور خطبے کو مختصر کرنا اس کے فقیہ ہونے کی علامت ہے، ترمذی شریف کی ایک روایت ہے:۔ **خصلتان لا تجتمعان فی منافق حسن سَمتٍ وفقه فی الدین** یعنی دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہو

سکتیں (۱) اچھے اخلاق (۲) دین کی فقہ، اگر کسی میں اچھے اخلاق اور فقہ جمع ہو جائیں تو وہ منافق نہیں ہو سکتا فقہ اور اچھے اخلاق سے محروم شخص کے لئے منافقت کا خطرہ ہے، پھر فقہ سے نفرت اور بغض کتنی بڑی بد نصیبی کی بات ہے،
امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ خیر کم اسلاماً احسنکم اخلاقاً اذا فقهوا، یعنی تم میں سے اسلام میں وہ بہتر ہیں جو اخلاقاً اچھے ہیں جب کہ وہ فقہ کی اہلیت رکھتے ہوں، ترمذی اور ابو داؤد میں روایت ہے نضّرَ اللّٰهُ عبداً سمع مقالتي فحفظها ووعاها و ادّاها فربَّ حامِل فقهٍ اِلى من هُوَافقهُ منهُ (یعنی آپ ﷺ نے فرمایا)
اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش و خرم رکھے جس نے میری بات سنی اسے یاد رکھا اور اسے دوسروں تک پہنچایا کیوں کہ ایسا ہوتا ہے کہ علم کی بات جاننے والا وہ بات ایسے شخص تک پہنچا دیتا ہے جو اس سے (راوی سے) زیادہ فقہ کا ماہر ہوتا ہے" اس سے پتہ چلا کہ ہر وہ شخص جو روایت بیان کرتا ہے یا حدیثیں جمع کرتا ہے ضروری نہیں کہ بڑا عالم ہو بلکہ جس تک روایت پہنچائی جاتی ہے وہ دین کی سمجھ اور بصیرت میں راوی سے بھی زیادہ قابل اور بڑا عالم ہو سکتا ہے، اس حدیث کی رو سے تو روایتیں جمع کرنے سے اہم کام حدیث پر غور و فکر کرنا قرار پاتا ہے یہی غور و فکر دینی اصطلاح میں فقہ اور تفقہ ہے محدثین کرام نے بڑی جاں فشانی سے روایات جمع کرنے کا فریضہ انجام دیا اور ائمہ فقہ نے ان احادیث پر غور و فکر اور تدبر کیا مسائل اخذ کئے اور فقہ مرتب کی۔
امام اعمشؒ ایک بہت بڑے محدث تھے ایک بار ایک مسئلے کی گتھی سلجھانے کی غرض سے امام ابو حنیفہؒ کی طرف رجوع ہوئے، امام صاحبؒ نے اطمینان بخش جواب دیا، امام اعمشؒ نے تعجب سے پوچھا آپ نے یہ مسئلہ کس حدیث سے حل کیا جواب دیا

اس روایت سے جو ایک بار آپ نے مجھے اپنی سند سے بیان کی تھی، اس حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ اس طرح حل ہوتا ہے محدث امام اعمشؒ یہ سن کر بے اختیار کہہ اٹھے نَحنُ الصَیَّادِلَة وَانتُم الاَطبَاء یعنی ہم (محدثین) عطار یعنی دوافروش ہیں اور تم فقہا حکیم ہو، یعنی ہمارا کام حدیث جمع کرلینا اور صحیح وضعیف کو پرکھ لینا ہے، لیکن احادیث سے احکام اور مسائل نکالنا تو تم فقہا ہی کا کام ہے امام اعمشؒ نے کتنی جامع بات فرمائی تجربہ شاہد ہے کہ کیمسٹ، گاندھی اور عطار دوائیں جمع کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ڈاکٹر، حکیم اور وید نسخہ تجویز کرتے ہیں دونوں بیماری کے علاج میں ممد معاون اور لازم وملزوم، لیکن ڈاکٹر سے یہ توقع نہ رکھنی چاہئے کہ وہ ہر طرح کی دوا کا اسٹاک رکھے اور نہ ہی کیمسٹ سے تقاضا ہو کہ وہ دوا تجویز کرے دونوں کے کام کے الگ الگ میدان ہیں محدثین کرام نے جمع احادیث کی خدمت انجام دی، فقہائے کرام نے مسائل کے حل کی ذمے داری نبھائی کیوں کہ ان کا اصل کام ہی یہی تھا نہ کہ حدیثیں جمع کرنا۔

عبدالجلیل: کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ محدثین کرام نے احادیث پر غور وفکر نہیں کیا؟ انہوں نے تفقہ اور تدبر نہیں کیا؟ مسائل مستنبط نہیں کئے؟

شوکت: محدثین رحمہم اللہ نے اپنی بساط کی حد تک تفقہ سے کام لیا اور قابل ذکر خدمت انجام دی ہے مگر چوں کہ اس دنیا کا فطری نظام کچھ ایسا ہے کہ ہر شخص ایک مخصوص دائرے ہی میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو الگ الگ میدان کی مختلف صلاحیتیں بخشی ہیں، محدثین حضرات نے بنیادی طور ارشادات رسول اکرم ﷺ کو سند کے پیش نظر جمع کرنا زیادہ اہم قرار دیا اور تدبر، تا اور استنباط مسائل کو ثانوی حیثیت دی اس کے برخلاف فقہائے کرام نے فقہ حد:

کو اہمیت دی اور سند حدیث کو ثانوی درجہ دیا اسی لئے لوگ حدیث کی سند کیلئے محدثین سے رجوع کرنے لگے اور احکام و مسائل کے لئے فقہائے کرام سے، آپ نے جلیل القدر محدث امام عامر شعبیؒ کا ذکر ضرور سنا ہوگا جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت کی ہے یعنی بزرگ تابعی تھے ان کا کہنا تھا "انا لسنا بالفقها ولكننا سمعنا الحديث فرويناه للفقها (تذكرة الحفاظ) یعنی ہم محدثین فقیہ نہیں ہیں، ہم تو حدیث سن کر فقہا کو بیان کر دیتے ہیں تاہم، امام بخاری، امام ترمذی، امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہ نے جمع حدیث کے ساتھ ساتھ تفقہ فی الدین کے قابل تعریف خاکے پر کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی قبور کو نور سے بھر دے،

عبدالجلیل : میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حدیث موجود ہو تو پھر غور و فکر کی کیا ضرورت ہے ؟

شوکت: آپ کی خدمت میں ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے پتہ چلے گا کہ حدیث پر غور و فکر کس قدر اہم، لازمی اور ضروری ہے، شرح مسلم شریف میں امام نوویؒ نے داؤد ظاہریؒ (جو غیر مقلدوں کے اصلی امام ہیں) کی اہم ترین غلطی کا تذکرہ کیا ہے، داؤد ظاہریؒ نے حدیث لا یبولن احد کم فی الماء الدائم (تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے) کے الفاظ پر غور نہیں کیا اور صرف ظاہری الفاظ کے پیش نظر فتویٰ دیا کہ ماء راکد یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا تو منع ہے اور اس میں پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا، لیکن اگر کسی الگ برتن میں پیشاب کر کے وہ برتن پانی میں الٹ دیا گیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا، اسی طرح کوئی پانی کے کنارے پیشاب کرے اور وہ بہہ کر پانی میں چلا جائے تب بھی پانی ناپاک نہ ہوگا، کیوں کہ حدیث میں صرف ماء راکد میں پیشاب سے منع فرمایا ہے

ان دونوں صورتوں میں پیشاب پانی میں نہیں کیا گیا اس لئے پانی ناپاک نہ ہو گا، امام نوویؒ اس فتوے کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "هذا من اقبح ما نقل عنه فی الجمود علی الظاهر" یعنی یہ فتویٰ حدیث کے ظاہری معنی پر اکتفاء کرنے کی بدترین مثال ہے ایک مزید مثال پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اسی قسم کے ایک اور حدیث دانی کے دعوے دار تھے وہ ہر استنجا کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے ان کی دلیل ملاحظہ فرمایئے وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے من استجمر فلیوتر، یعنی جو شخص استنجا کرے وہ بعد میں وتر ادا کرے کاش! کہ وہ تھوڑا تفقہ سے کام لیتے تو بہ آسانی سمجھ پاتے کہ اس حدیث کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ استنجا کے لئے جو ڈھیلے استعمال ہوں وہ وتر (طاق عدد) ہوں یعنی ایک، تین، پانچ یا سات، اس قسم کی مزید مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کے محض الفاظ ہی جاننا کافی نہیں اس پر تفقہ و تدبر بھی لازمی ہے۔

عبدالجلیل: کچھ دیر قبل آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ امام بخاری اور دوسرے ائمہ حدیث مقلد تھے کیا اس سلسلے میں آپ کے پاس کوئی ٹھوس دلیل ہے؟

شوکت: نواب صدیق حسن خاں بھوپالی غیر مقلدوں کے مشہور پیشوا تھے، کیا آپ ان سے واقف ہیں؟

عبدالجلیل: ہاں میں انہیں جانتا ہوں وہ نہایت مستند اور جید عالم تھے ان کی حدیث دانی کے ہمارے تمام علماء معترف ہیں۔

شوکت: ہاں انہی نواب صدیق حسن خاں صاحب کی عربی کتاب الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ میں ہے وقد ذکره ابو عاصم فی طبقات أصحابنا الشافعیه نقلاً عن السبکی امام ابو عاصم نے حضرت سبکی کی روایت سے امام بخاریؒ کو شافعی

لکھا ہے اس کتاب میں امام نسائیؒ کے بارے میں ہے " کان احداً علام الدین وارکان الحدیث امام اہل عصرہ و مقدمہم بین اصحاب الحدیث وجرحہ و تعدیلہٗ متعبر بین العلمأوکان شافعی المذهب"
یعنی امام نسائیؒ دین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ، حدیث کے اراکین میں سے ایک رکن اپنے زمانے کے امام اور محدثین کے پیشوا تھے ان کی جرح وتعدیل علماء میں معتبر ہے اور وہ شافعی المسلک تھے، امام ابو داؤدؒ کے بارے میں یہی غیر مقلد عالم لکھتے ہیں کہ فتیل حنبلی و قیل شافعی یعنی امام ابو داؤدؒ کو بعض حضرات حنبلی بتلاتے ہیں اور بعض شافعی خود آپ کے مسلک کے عالم بھی اس امر کو مانتے ہیں کہ محدثین بھی ائمہ فقہ کے مقلد تھے اور آپ لوگ محدثین ہی کو اہمیت دینے کی خاطر فقہائے کرام کا مذاق اڑاتے ہیں اور مقلد کو مشرک قرار دیتے ہیں۔
عبدالجلیل : کچھ دیر پہلے آپ نے قرآن کی آیت پیش کی تھی جس میں مومنین کے راستے پر چلنے کا حکم ہے صحابہ کرام سے بڑھ کر مومن کون ہو سکتا ہے صحابہ تو نہ حنفی تھے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی پھر آپ لوگ کیوں ان مسالک کو اختیار کرتے ہیں۔
شوکت : آپ بتلائیے !کہ کیا صحابہ کرام بخاری شریف، مسلم شریف اور دیگر حدیث کی کتابیں پڑھتے تھے ؟ پھر کس دلیل سے آپ ان کتابوں کا اتباع کرتے ہیں ؟
یہ تو الزامی جواب تھا۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے زمانے کے فقیہ صحابہ کرام کی تقلید کرتے تھے اس سلسلے میں کتاب الحج میں امام بخاریؒ کی ذکر کردہ روایت پر توجہ دیجئے !
الفاظ روایت ہیں : ان اهل المدینة سالوا ابن عباسؓ عن امرة طافت ثم حاضت قال لهم تسفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زید یعنی اہل مدینہ

نے حضرت ابن عباسؓ سے اس خاتون کے بارے میں دریافت کیا جو طوافِ زیارت کے بعد حائضہ ہو گئی (اس کے طواف وداع کا کیا حکم ہے لازم یا معاف ؟) ابن عباسؓ نے بتلایا کہ وہ (بلا طواف وداع) جا سکتی ہے اہل مدینہ نے کہا ہم زید بن ثابتؓ کے مقابلے میں آپ کے قول کو اختیار نہیں کریں گے زید بن ثابتؓ مدینہ منورہ کے مشہور فقیہہ صحابی تھے اہل مدینہ اکثر انہی کی تقلید کرتے تھے، اسی ایک مثال سے یہ امر واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام بھی عملاً تقلید ہی کرتے تھے، اور الحمد للہ ہم بھی تقلید کے قائل ہیں۔

عبد الجلیل : تو پھر آپ لوگ صحابہ کرام ہی کی تقلید کیجئے نا!

شوکت: ائمہ فقہ نے صحابہ کرام ہی کے مسلک کو اختیار کیا ہے مثلاً سیدنا عمرؓ نے تراویح کی با جماعت نماز کی سنت قائم فرمائی بیس رکعت تراویح پورے ماہ رمضان میں ادا کرنا حضرت عمرؓ کی سنت ہے آپ لوگ اس کے بر خلاف تہجد کی آٹھ رکعت کو عدم تفقہ کی بناء پر تراویح سمجھ بیٹھے ہیں حضرت عمرؓ کے دور میں موجود تمام صحابہ کرام نے اس عمل کو قبول کیا چودہ سو سال سے پوری امت بیس رکعت سنت مسلسل ادا کر رہی ہے، خود حرمین شریفین میں بھی شروع سے آج تک بیس رکعت ادا کرنے کا دوامی عمل جاری ہے اب آپ بتلایئے !کہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر کون چل رہا ہے ہم یا آپ ؟! اچھا ذرا یہ تو بتلایئے کہ ترلویح کا لفظی مطلب کیا ہے ؟

عبد الجلیل : ترلویح یعنی ترکویح رمضان میں عشا کی نماز کے بعد پڑھی جانے والی نماز اور کیا لفظی مطلب ہو سکتا ہے ؟

شوکت: فتح الباری شرح بخاری میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے تراویح جمع ہے ترویحہ کی ترویحہ یعنی ایک بار آرام کرنا، دوبار آرام کرنے کو عربی میں ترویحتان

ترو یحتین کہیں گے اور دو سے زیادہ مرتبہ آرام کرنے کو تراویح کہیں گے، ہر چار رکعت بعد آرام کیا جاتا ہے اگر یہ آٹھ ہی رکعتیں ہوتیں تو اس نماز کا نام" ترویحتان یہ ترویحتین" ہوتا، اس کا نام تراویح اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب اس میں تین یہ تین سے زیادہ بار آرام کیا جاتا ہو یعنی عربی گرامر کی رو سے بھی بارہ رکعت یا اس سے زائد رکعتوں کی ادائیگی پر ہی اسے تراویح کہا جا سکتا ہے کاش! کہ آپ عقل کے ناخن لیتے اور صحابہ کرام کی پیروی ترک کر کے اجماع امت سے باہر نہ جاتے، ایک دوسری مثال پیش خدمت ہے۔ جس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فقیہہ ائمہ کرام صحابہ کرام ہی کے مسلک کی پیروی کرتے ہیں امیر المومنین سیدنا عمرؓ کے دور میں اسلام ہزاروں مربع میل کے علاقے میں پھیل گیا لاکھوں نئے نئے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے ان نو مسلموں کے حالات پر نظر رکھتے ہوئے سیدنا عمر فاروقؓ نے عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے سے روک دیا تمام صحابہ کرام نے آپ کے فیصلے کو اسلام کی روح کے مطابق سمجھا اور تسلیم کر لیا، لیکن آپ لوگ آج بھی عورتوں کی مسجد میں باجماعت نماز کے قائل ہیں نیز عید کے روز عید گاہ میں عورتوں کو لانے پر مصر ہیں حالاں کہ ان دنوں عید گاہ میں عموماً وہ لوگ شریک عیدین ہوتے ہیں جو سال بھر تارک صلوۃ اور فسق وفجور میں مبتلا رہتے ہیں ایسے ہی لوگ جم غفیر کی صورت میں آتے ہیں پھر عید کی مناسبت سے ظاہر ہے کہ عورتیں بھی بہترین لباس میں بن سنور کر ہی عید گاہ پہنچیں گی، اس سے کتنا بڑا فتنہ ہو سکتا ہے اس سے قطعاً بے پرواہ ہو کر آپ حضرات عید گاہ میں عورتوں کی نماز کی پر زور وکالت کرتے ہیں اس سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم کی وہ روایت بھی آپ لوگ فراموش کر جاتے ہیں جو حضرت عائشہؓ کی ہے فرماتی ہیں، لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النسا لمنعهن

المساجد کما منعت نسأ بنی اسرائیل یعنی اگر نبی اکرم ﷺ ان باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے اختیار کی ہیں تو آپ خود انہیں مسجد کی حاضری سے منع فرمادیتے جیساکہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا، دیکھا آپ نے !ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے علم وتفقہ کا استعمال کتنے اعلیٰ طریقے سے کیااور کتنا اچھا، نپاتلا اور روح اسلام کے مطابق فیصلہ دیا، خود نبیٔ اکرم ﷺ کا مزاج مبارک اس سلسلے میں کیا تھااس کا پتہ مسند احمد کی ایک روایت سے چلتاہے آپ نے ام حمید ساعدیہ سے فرمایا کہ " تمہاری وہ نماز جو تم اپنے گھر کے اندرونی حصے میں اداکرو وہ اس نماز سے بہتر ہے جو تم بیرونی دالان میں اداکرتی ہو اور بیرونی دالان میں تمہارا نماز اداکرنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہاری نماز اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے محلے کی مسجد میں اداکرو اور اپنے محلے والی مسجد میں تمہاری نماز اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں اداکرو" یعنی عورت کے لئے مسجد نبوی کی نماز سے بھی کئی گنا بہتر ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندرونی گوشے میں نماز اداکرے ،چونکہ اس فیصلے میں سیدنا عمرؓ اور سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں ہم نوا تھے اس لئے ازراہ تعصب شیعوں نے اس پر عمل نہیں کیاوہ عورتوں کو آج بھی مسجد میں لاتے ہیں اس معاملے میں شیعوں اور غیر مقلدین کامسلک ایک ہی ہے۔

اسی طرح ایک ساتھ تین طلاقوں کوایک ماننے کے مسلک میں شیعہ اور غیر مقلدین کامسلک یکساں ہے باقی پوری امت کااجماع اس امر پر ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دیناجرم ہے گناہ ہے البتہ واقع ہو جائیں گی جو شخص ایک ساتھ تین طلاق دیتا ہے وہ بہت بڑے گناہ کا مجرم ہے آپ لوگ اسے رعایت دیتے ہیں کوئی بات نہیں لیکن دینے کے باوجود صرف ایک ہی لگے گی بھلا بتلایئے ایسے نافرمانوں کو رعایت دینی

چاہئے یا سزا؟

عبدالجلیل :امام بخاری امام مسلم اور دوسرے محدثین نے بے شمار روایات کے ذریعے ثابت کیا ہے ایک وقت میں چاہے کتنی ہی طلاقیں دیں واقع ایک ہی ہوگی یہی مسلک اگر شیعہ حضرات کا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں شیعہ سے مخالفت ظاہر کرنے کی خاطر حدیث کے خلاف تو نہیں کر سکتے نا؟

شوکت: آپ کوئی ایسی حدیث بتلائیں گے جس سے ثابت ہو کہ ایک ساتھ دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی مانا گیا ہو؟

عبدالجلیل :حدیث رُکانہ ملاحظہ فرمایئے مسند احمد میں اس سلسلے میں بالکل واضح حدیث ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رکانہ نے ایک ساتھ تین طلاقیں دیں، لیکن ان کو آپ ﷺ نے رجوع کی اجازت عطا فرمائی۔

شوکت: مسند احمد میں حضرت رکانہ کے تعلق سے جو حدیث ہے اس پر حافظ بن حجرؒ کا ریمارک ہے وَهُو مَعلُولٌ اَيضاً یعنی یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور حافظ ذہبیؒ نے بھی اس کو داؤد بن الحصین کی منکر روایات میں شمار کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف بلوغ المرام میں اس پر لکھا ہے وَقَد رَوى اَبُو دَاؤدَ مِن وَجه آخَر اَحسَن مِنهُ اَنّ رُكَانَة طَلَّقَ اِمرَأَتَه سُهَيمَة اَلبتَّة یعنی ابو داؤد نے ایک دوسرے طریقے سے جو (مسند احمد) کے طریقے سے بہتر ہے روایت کیا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو لفظ البتہ سے طلاق دی تھی البتہ میں ایک سے تین طلاقوں تک کی گنجائش ہے ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک اور تین کی نیت ہو تو تین واقع ہوتی ہیں ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد میں آپ اس حدیث کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے البتہ کے لفظ کیساتھ اپنی بیوی کو طلاق دی پھر آپ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اللہ کی قسم میرا ارادہ ایک ہی طلاق کا تھا، (واللہ ماارادتُ اِلّا واحِدٗ) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا" مَا اَرَدتَ بِهَا؟ قَالَ وَاحِدةً قَالَ وَاللّٰه مَا اَرَدتَ اِلاّ وَاحِدَة؟ قَالَ وَاللّٰه مَا اَرَدتُ الاّ وَاحِدَة" تب آپ ﷺ نے فرمایافھو مَا اَرَدتَ پس جو تمہاری نیت تھی اسی کا اعتبار ہے۔

آپ اس حدیث پر غور فرمائیں اگر واقعی ایک وقت میں دی گئی تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو حضرت رکانہ کو قسم کھا کر کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ خدا کی قسم میری نیت ایک ہی طلاق کی تھی پھر آپ ﷺ نے دوبارہ بلکہ بعض روایات کے مطابق سہ بار قسم کھلائی اور یقین فرمالیا کہ واقعی حضرت رکانہ کی مراد اس لبتۃ طلاق سے ایک ہی طلاق تھی تب رجوع کی اجازت عطا فرمائی اس حدیث سے آپ کا استدلال غلط ہے اور سوچئے تو سہی کہ مسند احمد کی روایت آپ کے مسلک کی موئد تھی تو باوجود مستند نہ ہونے کے اسے بطور دلیل پیش کیا اور صحاح ستہ کی تین کتابوں کو پس پشت ڈال دیا بھلا بتلائے کیا یہ صحیح دیندارانہ روش ہے؟

عبدالجلیل : چلئے میں مسلم شریف ہی کی ایک روایت پیش کرتا ہوں،" ابوالصہبا نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتداء میں تین طلاقیں ایک تھیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کر دیا، آپ اس حدیث کا جواب دیں تو میں سمجھوں کہ واقعی مقلدوں کی دلیل میں کوئی جان ہے۔

شوکت : اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ابوداؤد شریف میں بھی ہے اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت غیر مدخولہ عورت کے بارے میں ہے۔

عبدالجلیل. غیر مدخولہ کا کیا مطلب ہے۔

شوکت: جس عورت کے ساتھ ہم بستری نہ ہوئی ہو اسے غیر مدخولہ کہتے ہیں ایسی عورت کو اگر ایک طلاق بھی دی جائے تو وہ نکاح سے نکل جاتی ہے تین طلاق دینے کی ضرورت نہیں کیوں کہ جب پہلی بار ہی طلاق دینے سے وہ نکاح سے نکل گئی تو دوسری تیسری بار طلاق کا لفظ بے معنی قرار دیا جائیگا، یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ایسی عورت کے لئے عدت بھی لازم نہیں، اسی اعتبار سے اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں، حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانے تک غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا یہی طریقہ تھا، مگر بعد میں لوگوں نے انت طالق ثلثاً (تجھے تین طلاق ہے) کہہ کر طلاق دینا شروع کر دیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے تجھے تین طلاق! بلا شبہ یہ تین ہی کہلائیں گی، البتہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے کہے تجھے، طلاق، طلاق، طلاق تو یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے شوہر نے تاکیداً طلاق کے لفظ کو دہرا لیا ہو مثلاً میں کھوں میں جاؤں گا، جاؤں گا، ضرور جاؤں گا، اس کا یہ مطلب تو نہ ہوگا نا! کہ میں تین بار جاؤں گا، بلکہ صرف تاکید ثابت ہوگی کہ میں ضرور جاؤں گا، اسی طرح عہد نبوی سے عہد فاروقی کی ابتدا تک یہ عمومی طریقہ تھا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو "انتِ طالِق، انتِ طالِق" کہتا تو اس کی نیت تاکید کی ہوتی تھی بالکل قطع تعلق (جسے شرعی اصطلاح میں استیناف کہتے ہیں) کی نیت نہ ہوتی تھی، اُس زمانے میں تقویٰ خوف آخرت اور دینداری کا غلبہ تھا لہٰذا اگر کوئی قسمیہ طور پر کہتا کہ تین بار میں نے طلاق کا لفظ صرف بطور تاکید کہا ہے میری نیت ایک طلاق ہی کی تھی تو اسے سچ تسلیم کر لینا مناسب اور ضروری تھا لیکن جب نئے نئے لوگ اسلام میں بکثرت

شامل ہونے لگے تو سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا واقعی یہ حضرات بھی صحابہ کرام ہی کی طرح بالکل قابل اعتماد ہیں؟ طلاق کے بارے میں پے در پے ایسے تجربات ہوئے جن کے پیش نظر اکابر فقیہہ صحابہ کو سر جوڑ کر بیٹھنا پڑا اس سلسلے میں ایک واقعہ آپ ضرور سنیں وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کے پاس عراق سے ایک سرکاری خط آیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا حَبلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ (تیری رسی تیری گردن پر ہے) حضرت عمرؓ نے اس شخص کو موسم حج میں بلوایا حضرت عمرؓ سے اس کی ملاقات دورانِ طواف ہوئی پوچھا من انتَ یعنی تم کون ہو؟ اس نے کہا اَنَا الرَّجُلُ الَّذِی اَمَرتَ اَن اُجلِب عَلَيكَ یعنی میں وہی شخص جسے آپ نے طلب فرمایا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے رب کعبہ کی قسم سچ بتا "حبلک علیٰ غاربک" کہنے سے تیری نیت کیا تھی؟ اسنے عرض کیا "یَا اَمِیرَالمُومِنِینَ لَو اِستَحلَفتَنِی فِی غَیرِ هٰذَا المَوضَع مَاصدقتَكَ اَرَدتُ بِهٰذَا الفِرَاق،، یعنی اے امیر المومنین آپ نے اس مقدس جگہ کے علاوہ کہیں اور قسم لی ہوتی تو میں سچ سچ نہ بتاتا حقیقت یہ ہے کہ اس جملے سے میرا مقصد قطع تعلق (مکمل علیٰحدگی) ہی کا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا عورت تیرے ارادے کے مطابق تجھ سے علیٰحدہ ہوگئی۔

عبدالجلیل : یہ واقعہ کس کتاب میں ہے؟

شوکت: " موطاء امام مالک میں ماجاء فی الخلیۃ والبریۃ واشباہ ذلک " کے باب میں ہے ذرا سوچئے! یہ عراقی ایک عورت کیلئے جھوٹی قسم کھانے کیلئے آمادہ تھا مگر کعبۃ اللہ کی عظمت و تقدس اور حج کے متبرک ایام نے اس کے نفس کو جھوٹ سے باز رکھا۔

کیا یہ امر شرعی طور پر باعثِ تشویش نہیں کہ ایک شخص مکمل علحدگی کی نیت

سے تین طلاقیں دیدے پھر غلط بیانی سے کام لیکر کہے کہ میری نیت صرف ایک ہی طلاق کی تھی، حضرت عمرؓ کی فراست ایمانی نے اس چور دروازے کو بند کرنے کیلئے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور طے فرمایا چوں کہ لوگوں نے ایسے امر میں جلد بازی شروع کردی جس میں انہیں تاخیر کرنی چاہئے تھی لہذا اب جو شخص تین طلاق دیگا ہم اسے تین ہی قرار دیں گے۔

اس سلسلے میں محقق علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں، لم ينقل عَنْ احد منهم انّه خَالَفَ عمر حين امضى الثلاث وهو يكفى فى الاجماع یعنی جب سے حضرت عمرؓ نے تین طلاق کا فیصلہ نافذ فرمادیا اس سلسلے میں کسی ایک صحابی کے بھی اختلاف کی کوئی روایت نہیں اور یہ بات اجماع امت کا کافی ثبوت ہے۔ صحابہ کرام کے اجماع کے بعد چودھویں صدی کے کچھ لوگوں کے اقوال پیش کر کے اجماع امت کا انکار کرنا کہاں کی دینداری ہے؟

عبدالجلیل : حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی جو روایت میں نے پیش کی اس سے تو واضح ہوتا ہے کہ ان کا مسلک حضرت عمرؓ سے مختلف تھا پھر کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ تمام صحابہ کرام کا اتفاق تھا،

شوکت : میں نے تفصیل سے بتلایا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی مراد کیا تھی، پھر آیئے دیکھیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مسلک ان کی دوسری روایات کی رو سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

ابوداؤد شریف میں روایت ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص آیا" فقال انه طلّق امراته ثلاثاً فسكت حتىٰ ظننتُ انّه رادّها اليه ثم قال ينطلق احد كم فى ركب الحموقة

ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس و انّ الله قال ومن يتق الله يجعل له مخرجاً وانك لم تتق الله فلا اجد لك مخرجاً عصيت ربّك وبانت منكَ اِمرأتكَ یعنی اس نے عرض کیا وہ اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے کر آیا ہے ابن عباس خاموش رہے مجھے گمان ہوا کہ آپ رجوع کا حکم دیں گے لیکن انہوں نے فرمایا لوگ پہلے حماقت پر سوار ہو جاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں اے ابن عباس! اے ابن عباس! بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو اللہ سے ڈرے اس کے لئے نجات کی صورت ہوتی ہے اور چونکہ تو اللہ سے نہ ڈرا اس لئے تیرے لئے کوئی راہ نہیں اور تیری بیوی تجھ سے الگ ہو گئی یہ روایت مختلف راویوں نے بیان کی ہے اور تمام رواۃ متفقہ طور پر نقل کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا، اس طرح کی کئی اور روایات بھی کتب حدیث میں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بھی ایک نشست میں دی گئی تین طلاقوں کو تین ماننے میں جمہور صحابہ کے ہم مسلک تھے اس مسئلے میں پوری امت ایک طرف ہے شیعہ اور غیر مقلد دونوں دوسری طرف صحابہ کرام کے مسلک پر مقلد حضرات ہیں اور شیعہ مسلک کی جانب آپ حضرات ہیں، اسی طرح سیدنا عثمان غنیؓ نے اپنے دور میں بڑھتی ہوئی آبادی اور دوسرے تقاضوں کے تحت جمعہ کی اذان ثانی شروع کی اس دور کے تمام صحابہ کرام نے اس سے اتفاق کیا پوری امت نے اسے اختیار کیا لیکن آپ لوگ صحابہؓ کرام کے اس عمل کے بھی مخالف ہیں۔

عبدالجلیل : لیکن ان خلفا حضرات کو ایسے طریقے ایجاد کرنے اور بدعات نافذ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

شوکت: کیا کبھی آپ نے اس امر پر غور کیا کہ خلفائے راشدین کے خلاف زہر

اگلا شیعوں کا مشن رہا ہے اس ناپاک سازش میں آپ حضرات کیوں شریک ہو جاتے ہیں ؟ افسوس ہے کہ آپ ان مقدس حضرات پر بدعت کا الزام لگاتے ہیں، جب کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے افعال واعمال کو سنت قرار دیا ہے حکم ہے" عليكم بِسُنَّتي و سنة خلفاء الراشدين " تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، آپ ﷺ نے ان کے اعمال کو سنت قرار دیا اور غیر مقلدین اسے بدعت قرار دے رہے ہیں، کیا اس صریح مجرمانہ بغاوت میں آپ شیعوں کے ساتھ شریک نہیں ؟

ذرا غور فرمایئے ! شیعہ اپنی خواتین کو مسجد لے جانا پسند کرتے ہیں اور آپ کو بھی یہی پسند ہے شیعوں کی فقہ جعفریہ کی رو سے ایک نشست میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک تسلیم کیا جاتا ہے آپ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے شیعوں نے صحابہ کرام پر تنقید کی آپ حضرات بھی بلا سوچے سمجھے کبار صحابہ کرام کے اعمال کو باطل، بدعت یا خلاف سنت قرار دیتے ہیں (معاذ اللہ)

آج کل کے غیر مقلدین ائمہ فقہ کی پوری جماعت کو معاذ اللہ گمراہ قرار دیتے ہیں، ان کے مسلک کے اعتبار سے پوری امت کے کڑوروں افراد جاہل اور گمراہ ہیں یہ غیر مقلدین جن میں کے بیشتر صاحبان عربی زبان سے ناواقف ہیں، علم دین کا اپنے آپ کو ٹھیکیدار قرار دیتے ہیں، بمبئی شہر کے پچیس لاکھ مسلمانوں میں مشکل سے ان کی تعداد دس ہزار ہو گی لیکن یہ دس ہزار سمجھتے ہیں کہ بقیہ چوبیس لاکھ نوے ہزار مسلم بھائی مشرک اور کافر ہیں، یہی تناسب (Ratio) انکا دنیا بھر میں ہے دنیا میں اس وقت اگر سو کروڑ مسلمان آباد ہیں تو ان میں غیر مقلدین پچاس لاکھ ہوں گے جاہل قسم کے غیر مقلدین کی دانست میں باقی ننانوے کروڑ پچاس لاکھ فرزندان توحید اور غلامان

مصطفیٰ ﷺ گمراہ، کافر اور مشرک ہیں اس بدگمانی کی وجہ سے کئی صحیح احادیث کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔

عبدالجلیل: کس صحیح حدیث کی تکذیب ہوئی ہے ذرا تفصیل سے بتلایئے تو سہی!

شوکت :۔ ابوداؤد شریف میں ایک ارشاد مبارک ہے" یُوشِكُ الْاُمَم أن تداعَىِ الاكلة الىٰ قصعتها فقال قائل ومن قلّةٍ يومئذ؟ قال بل انتم يومئذ كثير "یعنی عنقریب غیر مسلم قومیں تمہاری سرکوبی کیلئے ایک دوسرے کو دعوت دیں گی اور پھر وہ سب دھاوا بول دیں گی جیسے کہ بہت سے کھانے والے لوگ ایک دوسرے کو بلا کر دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں، ایک صحابیؓ نے عرض کیا سرکار! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تم بہت بڑی تعداد میں ہوگے،" اس طرح کئی ارشادات سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ غلامان مصطفیٰ ﷺ کثیر تعداد میں ہوں گے اس کے برعکس غیر مقلدین امت مسلمہ کو انتہائی قلیل تعداد میں محدود کرنے کے کھلم کھلا مجرم ہیں، حالانکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ : لن يجمع امّتى علىٰ الضلالة "یعنی میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی پوری امت تقلید پر متفق ہے اگر تقلید کو گمراہی مانتے ہیں تو آپ کے ارشاد کی تکذیب ہوتی ہے اور آپکے ارشاد پر ایمان کا تقاضا ہے کہ غیر مقلدین کو ہی غلط مانا جائے۔

عبدالجلیل : لیکن مجھے آپ کی اس رائے سے سخت اختلاف ہے کہ ہم اہل حدیث، شیعوں سے کوئی تعلق رکھتے ہیں۔

شوکت: میرا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ غیر مقلدوں اور شیعوں میں کوئی ساز باز ہے بلکہ میرا منشا یہ ہے کہ صحابہ کرام سے عموماً اور خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) سے

خصوصاً آپ کا عملی اختلاف شیعہ حضرات کے طرز فکر کا مرہون منت ہے، ہاں ایک بات ابھی ذہن میں آئی کہ شیعہ خواتین چہرہ کھلا رکھنا جائز سمجھتی ہیں، بہت سے مشہور و معروف غیر مقلد علماء مثلاً یوسف القرضاوی، شمس پیرزادہ وغیرہ بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

عبدالجلیل :ہاں! ہمارے بعض علما نے عورتوں کو چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت دی ہے اس کے لئے ان کے پاس دلائل بھی ہیں۔

شوکت: آپ میری دلیل کا جواب دیں کہ کیا یہ بات درست ہے کہ آپ ﷺ نے پیام نکاح سے پہلے ایک نظر عورت کو دیکھنے کی اجازت عطا فرمائی ہے ؟

عبدالجلیل : بالکل درست ہے اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے آپ کے حنفی لوگ بھی تو اس اجازت کے قائل ہیں۔

شوکت: میرا سوال یہ ہے کہ اگر عام طور پر عورت کے لئے چہرہ کھلا رکھنا جائز ہوتا تو پھر اس اجازت کی ضرورت کیا تھی ؟

عبدالجلیل :اچھا آپ یہ بتلائیے کہ امام چار ہی کیوں ہوئے ؟

شوکت:اگر پانچ امام ہوتے تو آپ پوچھتے کہ پانچ ہی کیوں ہوئے تین ہوتے تو آپ پوچھتے تین ہی کیوں ؟ دراصل فقہائے کرام تو بہت سے حضرات تھے، لیکن تمام مسائل پر مفصل بحث ان چار مسلکوں میں ہی ہوئی اور کتاب الطہارت سے لیکر کتاب الفرائض تک تمام مسائل مرتب و مدون ہو کر امت کے سامنے آئے، بیشمار کتابیں تصنیف کی گئیں، اس تفصیل سے دوسرے مجتہدین کے مسائل مرتب نہ ہو سکے اسلئے ان کے مسالک مروج نہ ہو سکے۔ چار مسالک کیوں بنے اس کی حقیقی مصلحت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن چار کے عدد کی دین میں کچھ خصوصیت رہی ہے مثلاً انبیاء

ورسل علیہم السلام کم بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تشریف لائے لیکن ان میں جلیل القدر جن کے پیروکثیر تعداد میں ہوئے چار ہیں (۱) سید الانس والجن، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام (۳) حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام (۴) حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام، آسمانی کتابیں کئی نازل ہوئیں ان میں شہرت چار ہی کو ملی (۱) قرآن مجید (۲) تورات (۳) زبور (۴) انجیل، ملائکہ لاتعداد ہیں مگر شہرت یافتہ چار (۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام (۲) حضرت میکائیل علیہ السلام (۳) حضرت عزرائیل علیہ السلام (۴) حضرت اسرافیل علیہ السلام۔ صحابہ کرام ہزارہا حضرات تھے لیکن امتیازی شان چار ہی کو نصیب ہوئی (۱) سیدنا ابو بکر صدیق (۲) سیدنا عمر فاروق (۳) سیدنا عثمان غنی (۴) سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

سورۃ بقرۃ آیت نمبر ۲۲۶ میں ہے "جو لوگ اپنی بیویوں سے نہ ملنے کی قسم کھالیں ان کیلئے چار مہینے تک مہلت ہے پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔

سورۂ حٰم سجدہ آیت نمبر ۱۰/ کا ترجمہ ہے "اور اسنے اس زمین میں اس پر پہاڑ گاڑ دیئے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں اس کے غذائی ذخیرے سب ضرورتمندوں کے لئے یکساں چار روز میں کردیئے۔

سورۂ توبہ آیت نمبر ۳۶/ میں ہے "مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جب سے آسمان و زمین وجود میں آئے ان میں حرمت والے چار ماہ ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو موت کے بعد زندگی کا ثبوت چار پرندوں کے ذریعہ دکھایا گیا دیکھئے سورۂ بقرہ آیت ۲۶۰ نکاح کیلئے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی

اجازت دی گئی۔

غرض چار کے عدد کی دین میں اہمیت بہت ہے ممکن ہے چار امام اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی کسی حکمت کا مظہر ہوں اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

عبدالجلیل : سورۂ توبہ آیت نمبر ۳۱ میں اللہ تعالیٰ نصاریٰ یعنی عیسائیوں کی گمراہی کا ذکر فرماتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے احبار اور رہبان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے جب کہ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اور انہیں صرف یہی حکم تھا کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اسکے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ پاک ہے ان کے شرک سے" بھلا بتلایئے کہ آپ حضرات میں اور عیسائیوں میں کیا فرق ہے؟ عیسائیوں نے احبار اور رہبان کی تقلید کی اور آپ اماموں کی تقلید کرتے ہیں کیا فرق ہے ان میں اور آپ میں۔

شوکت: سورۂ توبہ کی جس آیت کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ یہ احبار و رہبان کون تھے فرمایا "انّ کثیراً مّن الاحبار والرھبان لیا کلون الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ " یعنی بے شک بہت سے احبار ورہبان لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ جمع کرر کھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے راہ الٰہی میں خرچ نہیں کرتے ایسے بدصفت ، بد دیانت اور حریص احبار ورہبان کی پیروی کی مذمت کی گئی ہے اس سے فقہائے کرام کو کیا نسبت؟ فقہا تو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ، عبادت گزار ، متقی اور پرہیز گار حضرات تھے ، آج تک ان حضرات کی سیرت پر کسی نے کیچڑ اچھالنے کی جرأت نہیں کی ان کی پاکیزہ زندگی کی شہادت تو اللہ

کے مسلک سے اختلاف رکھنے والے بھی دیتے ہیں پھر آپ نے ان مقدس ہستیوں کو احبار ورھبان جیسے مفاد پرست عناصر کے ہم پلہ قرار دینے کی جرأت کیسے کی ؟ پھر یہ احبار ورھبان توریت اور دوسری آسمانی کتابوں میں تحریف کرتے تھے، کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ معاذاللہ کسی امام فقہ نے کسی قرآنی آیت میں تحریف کی ہے ؟ پھر احبار و رھبان مال کے حریص اور لالچی تھے خود صدقہ دینا درکنار دوسروں کو صدقہ دینے سے روکتے تھے، حالانکہ ائمہ فقہ کی دریادلی اور فیاضی کی ایک دنیا معترف ہے، پھر وہ لوگ ان احبار ورھبان کی اطاعت اس طرح کرتے تھے، جس طرح بے چوں وچرا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جانی چاہئے اس سلسلے میں آپ سمجھ لیں کہ امام مالکؒ کے شاگرد امام شافعیؒ تھے انہوں نے اپنے استاد کی بے چون وچرا اطاعت نہیں کی بلکہ انہیں جو امور ان کی اپنی تحقیق کے بعد سنت سے قریب نظر آئے ان امور میں اپنے استاذ سے اختلاف کیا چنانچہ ان کا ایک الگ مسلک بن گیا پھر امام شافعیؒ کے شاگرد امام احمد بن حنبلؒ تھے انہوں نے بھی بے چوں وچرا اطاعت نہیں کی بلکہ جو امور تحقیق کے بعد انہیں سنت سے قریب محسوس ہوئے ان میں اپنے استاد سے اختلاف کیا اس طرح ان کا ایک الگ مسلک بن گیا، امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ اور دوسرے کئی حضرات نے بھی اس طرح بعض مسائل میں اپنے استاد سے اختلاف کیا اور اقرب الی السنۃ مسلک اختیار کیا، پھر یہ سلسلہ وہیں ختم نہیں ہو گیا، بلکہ بعد کے ادوار میں بھی تحقیق و تفتیش اور اجتہاد کا سلسلہ جاری رہا ہے لہذا ائمہ فقہ اور احبار ورھبان میں کوئی نسبت نہیں، ان کے لئے اس آیت کو پیش کرنا جہالت کی علامت ہے۔

عبدالجلیل :اچھا اب آپ یہ بتلایئے کہ سورۂ انعام آیت نمبر ۱۵۳ر میں جو صاف حکم ہے" و ان هذا صراطی مستقیماً فاتبعوه، ولا تتبعوا

السبل فتفرق بکم عن سبیلہ،، یعنی اور یہی میری سیدھی راہ ہے پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو (اللہ کے) راستے سے جدا کر دیں گے،"
اس صاف صریح اور واضح حکم کے باوجود ایک راہ کو چھوڑ کر چار چار راہوں کو صحیح سمجھنا کیا حماقت اور نادانی نہیں ؟

شوکت: آپ جانتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء علیہ السلام تک ہزارہا ابیائے کرام تشریف لائے سب کا دین اسلام ہی تھا، اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، آخرت ہیں اور تعلیم حسن اخلاق ہے، یہ امور تمام انبیائے کرام کے ہاں مشترک ہیں خالق کائنات کو اس میں بال برابر فرق گوارا نہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انبیائے کرام نے عبادات کے طریقے اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے مقرر کیے جو اکثر مختلف تھے، یعنی، اللہ تعالیٰ نے عبادات میں حکمت و مصلحت اسی کو قرار دیا کہ مختلف انداز میں اس کے بندے اس کی قدرت، کمالات، احسانات اور انعامات کے گن گائیں، الگ الگ مقرر طریقوں سے اسے منائیں اور مختلف انداز میں اس کے حضور مناجات کریں، اپنی نیاز مندی اور اظہار عقیدت کیلئے بندوں کو طرح طرح کے احکامات ہر دور میں دیئے گئے، ان امور پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بندوں سے مختلف انداز میں عبادات مطلوب رہی ہیں۔

آپ نے سورۃ انعام کی ۱۵۳ نمبر کی آیت مضمون کے درمیان سے پیش کی ہے اصل مضمون آیت نمبر ۱۵۱ سے شروع ہوا ہے اس میں احکام اس طور پر ہیں، (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، (۲) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو (۳) اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو (۴) چھپی اور کھلی ہر قسم کی بے حیائی سے بچو (۵) جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اسے ناحق نہ مارو (۶) یتیموں

کے مال میں خیانت نہ کرو (۷) ناپ تول مبنی بر انصاف ہو (۸) جب بات کہو انصاف کی کہو اگر چہ معاملہ رشتے دار کا ہو، (۹) اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو ان احکام کے بعد فرمایا اور یہی میری سیدھی راہ ہے بس اسی پر چلو، دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے، یہ حکم عقائد اور حسن اخلاق پر مبنی احکامات کے بارے میں نازل ہوا ہے یعنی عقائد اور حسن اخلاق کی راہ ایک ہی راہ ہے اس میں ذرا ادھر ادھر ہوئے تو گمراہ ہوئے۔

پھر آپ یہ بتلایئے کہ قرآن میں جو یہ فرمایا گیا ہے وما لنا الا نتوکل علی اللہ و قد ھدٰنا سبلنا (ابراہیم ۱۲) یعنی اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ کریں کہ اس نے ہمیں راستوں کی رہنمائی بخشی۔ سبلنا جمع ہے سبیل کی۔ سبیل کا مطلب راستہ اور سبلنا یعنی راستے اللہ نے صرف ایک راستے کی رہنمائی بخشی نہیں بلکہ اللہ نے راستوں کی رہنمائی بخشی تو جب اللہ نے راستوں کی رہنمائی بخشی پھر ان پر چلنا کیوں غلط ٹھہرا؟

اسی طرح سورہ مائدہ (آیت ۱۶) میں ارشاد باری ہے "یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام "یعنی جو لوگ اس کی رضا پر چلتے ہیں اللہ ان کو اس (قرآن) کے ذریعے سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے، یہاں بھی ایک راہ کا ذکر نہیں بلکہ راہوں کا ذکر ہے، ان راہوں کی ہدایت اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان قرار دی گئی

اسی طرح سورۂ عنکبوت کے اخیر میں آیت نمبر ۶۹ پر ہے " والّذین جاھدوا فیننا لنھد ینّھم سبلنا "یعنی جو لوگ ہماری رضا کیلئے دوڑ دھوپ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھلائیں گے، یہاں بھی لفظ سُبُل ہے یعنی راستے صرف ایک راستہ نہیں۔

اب آپ غور فرمایئے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے راستوں کی رہنمائی بخشے

کو اپنا احسان اور فضل قرار دیا اس سے کیا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عقائد نیز اخلاق میں یکسانیت مطلوب ہے اور عبادات میں مختلف انداز اور اسلوب مطلوب ہیں اس موقع پر ذوق کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

صاحب شریعت علیہ السلام نے اسی لئے مسائل میں گنجائش رکھی ہے اگر مطلوب و مقصود یکساں انداز کی عبادات ہوتیں تو اس سلسلے میں واضح، محکم اور دوٹوک احکامات دیئے جاتے جیسے قیام، رکوع اور سجدے کی ہیئت پر تمام مسالک متفق ہیں اسی طرح آداب میں بھی اختلاف کی گنجائش باقی نہ رکھی جاتی، آداب میں گنجائش ہمارے مالک و مدبر رب نے اسی لئے رکھی ہے کہ اسے رنگارنگی، تنوع اور مختلف انداز پسند ہیں ورنہ لازماً تمام آداب کیلئے یکساں حکم سختی کے ساتھ نافذ کر دیا جاتا، نبی اکرم ﷺ نے جس امر کے نفاذ میں توسع فرمایا اور گنجائش رکھی اس میں آپ حضرات تنگی پیدا کرنا چاہتے ہیں دین متین نے سہولت کی راہ کھلی رکھی ہے، لیکن افسوس کہ غیر مقلدین سہولت سے محرومی کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ فلاں جگہ جلد از جلد پہونچو اور مغرب کی نماز وہیں ادا کرو، صحابہ کرام جلد روانہ ہو گئے مگر راستہ میں ہی مغرب کا وقت تنگ ہونے لگا تو کچھ صحابہ کرام نے راستے ہی میں نماز ادا کی یہ سمجھتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا مقصد اس جگہ جلد از جلد پہنچنا تھا اب جب کہ مغرب تک وہاں پہونچنا ممکن نہیں ہے اسلئے نماز کیوں قضا کی جائے مگر کچھ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے راستے میں نماز نہیں پڑھی بلکہ منزل پر پہونچ کر نماز ادا کی، بعد میں رسول اللہ

ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا اور آپ نے دونوں فریق کے عمل پر کوئی تنقید نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی تعبیر میں اگر اجتہادی اختلاف ہوتا ہے تو وہ باعث تنقید نہیں ہے۔ آپؐ نے دین میں تنگی نہیں فرمائی تو آپ عوام کو سہولتوں سے کیوں محروم کرتے ہیں۔ ؟

عبدالجلیل : سہولتوں سے تو آپ لوگ دنیا کو محروم کرتے ہیں، مثلاً جمع بین الصلوٰتین کو درست نہیں سمجھتے ورنہ ہم لوگ ظہر وعصر اور مغرب وعشا ایک ساتھ ادا کرنے کی گنجائش کے قائل ہیں۔

شوکت: اس مسئلے میں بھی آپ اور شیعہ حضرات ایک ہی کشتی میں سوار ہیں ، شیعہ فرقے کے لوگ تین وقت نماز ادا کرتے ہیں، اور آپ بھی تین وقت میں پانچ ادا کر لینا کافی سمجھتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق کے مطابق جمع بین الصلوٰتین عرفات اور مزدلفہ میں بعض شرائط کے ساتھ مسنون ہے کسی اور موقع پر جمع کا حکم نہیں دیا گیا، ترمذی شریف کی ایک روایت سن لیجئے! عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد اتی باباً من ابواب الکبائر" یعنی حضرت عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بلا عذر جمع بین الصلوٰتین کرے اس نے کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ کیا، امام محمدؒ نے اپنی موطا میں حضرت عمرؓ کا ایک فرمان نقل کیا ہے "انه کتب فی الآفاق ینھا ھم ان یجمعوا بین الصلوٰتین ویخبر ھم أن الجمع بین الصلوٰتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر" یعنی سیدنا عمر فاروقؓ نے تمام صوبوں میں فرمان بھیج کر جمع بین الصلوٰتین کی ممانعت کردی تھی اور انہیں خبردار کیا تھا کہ ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔

جن احادیث سے جمع بین الصلوٰتین کا جواز ظاہر ہوتا ہے، تحقیق کی جائے تو

ان سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ایک نماز اپنے آخر وقت میں ادا کی جائے اور اس کے بعد والی دوسری نماز شروع وقت میں ادا کی جائے۔

میں نے آپ سے یہ عرض کیا تھا کہ غیر مقلدین دین کی عطا کردہ سہولت سے محرومی کو ترجیح دیتے ہیں اس سے میرا اشارہ اس طرف تھا کہ ایک عام شخص جو دین کا مکمل علم حاصل نہیں کر سکتا وہ کسی مستند امام فقہ کی تقلید اختیار کرے تو اسے احادیث کی تمام کتابوں کے مطالعے کی ضرورت باقی نہ رہے گی، مجتہد بننے کے لئے گہرے علم و تدبر کی ضرورت ہے جیسے وکیل بننے کے لئے ماہر قانون بننا ضروری ہے زندگی کے سترہ اٹھارہ سال تعلیم حاصل کرے اور پانچ دس سال کسی ماہر وکیل کے زیر تربیت رہے تو اسے حق دیا جاتا ہے کہ وہ قانون کے بارے میں اپنی زبان کھولے۔

کسی فن میں مہارت اور کمال حاصل کئے بغیر اس فن میں بحث کرنا بلکہ اس فن کے اماموں پر زبان تنقید اور تنقیص کھولنا صرف جاہل اور بے وقوف ہی کا کام ہے۔ افسوس ہے کہ جو لوگ عربی زبان کے چند جملے اپنے طور پر بول یا سمجھ نہیں پاتے وہ ان کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں جنھوں نے پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ سال تک دریائے علم و فن میں غوطہ زنی کی ہے یہی وجہ ہے کہ کلیان مینشن۔ کا غیر مقلد مومن پورہ کے غیر مقلد سے الگ خیالات رکھتا ہے، میمن واڑے کا غیر مقلد کوسہ ممبرا کے غیر مقلد سے مختلف نظر آتا ہے اس طرح آپ لوگ اپنے مسلک میں بھی بربنائے جہالت مختلف فیہ ہیں، اسی جہالت اور کم فہمی کی بنا پر آپ حضرات اکثر جماعت کی نماز سے محروم رہتے ہیں، یا بھاگ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد میں پناہ لیتے ہیں یہ ہے سہولتوں سے محرومی کی بات۔ بمبئی کی چھ سو سے زائد مساجد کے دروازے جماعت کی نماز ادا کرنے کیلئے آپ نے اپنے آپ پر بند کر رکھے ہیں، اور چھ مساجد پر

اکتفا کئے ہوئے ہیں، یہ ہے سہولتوں سے محرومی اور تنگ ذہنی، ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ابو حنیفہؒ کے مسلک پہ اس یقین کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ ان کا مسلک سنت کے مطابق ہے تاہم امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے مسالک کو بھی سنت سے قریب ہی سمجھتے ہیں۔

عبدالجلیل : کتنی عجیب بات ہے آپ کی۔ دو مختلف مسالک ہوں تو ان میں سے ایک غلط ہو گا دوسرا درست دونوں ہی درست کیسے ہو سکتے ہیں؟

شوکت: کیا آپ کو داؤد و سلیمان علیہما السلام کا واقعہ معلوم ہے۔

عبدالجلیل : میں قصوں کے چکر میں نہیں پڑتا، مجھے تو کوئی ٹھوس حدیث بتلایئے!

شوکت: داؤد و سلیمان علیہما السلام کا واقعہ قرآن مجید کا ذکر کردہ ہے قرآن یا صحیح حدیث میں سے زیادہ اہمیت کس کی ہے؟

عبدالجلیل :۔ پہلی اہمیت قرآن کی ہے اور حدیث دوسرے نمبر پر ہو گی بہر حال آپ قصہ بتلایئے۔

شوکت: سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۷۸ ملاحظہ فرمائے" و داؤد و سلیمان اذ یحکمن فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم، وکنا لحکمهم شاہدین، ففهّمناها سلیمان و کلاً اتینا حکماً وّعلما، یعنی داؤد و سلیمان جب اس کھیتی کا جھگڑا چکا رہے تھے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں جا گھسی تھیں اور ہم ان کے فیصلے پر نظر رکھے ہوئے تھے، چنانچہ ہم نے سلیمان کو معاملہ سمجھا دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو علم و فقہ سے نوازا تھا۔

دیکھئے حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ دیا، لیکن سلیمان علیہ السلام نے اپنا دوسرا مسلک پیش فرمایا، داؤد علیہ السلام کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کے اپنے فیصلے کی بہ

نسبت بیٹے کا مشورہ زیادہ بہتر ہے تو انہوں نے اپنا فیصلہ بدل دیا دو نبیوں کے درمیان اختلاف ہوا اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا۔ کلاً اٰتینا حکماً و علما یعنی ہم نے ان میں ہر ایک کو علم و تفقہ سے نوازا تھا دیکھئے دو بالکل مخالف مسالک تھے اور دونوں ہی درست، صحیح اور علم و حکمت کے مطابق!

عبدالجلیل : آپ قرآن کریم کی جو آیات پڑھتے ہیں کیا صحیح پڑھتے ہیں ؟یا اپنے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی طرح غلط سلط نقل کر دیتے ہیں، کیا آپ کو معلوم ہے انہوں نے قرآن میں تحریف کر ڈالی ہے،

شوکت: انسان خطاؤں کا پتلا ہے، مولانا سے بھی بے شک غلطی ہوئی ایضاح الادلہ میں قرآن مجید کی ایک آیت میں متشابہ لگ گیا اور آیت غلط نقل ہو گئی بہت ممکن ہے یہ غلطی کتاب کی طباعت کے وقت کاتب صاحب کو متشابہ لگ جانے سے ہوئی ہو تاہم شیخ الہند کے جانشین شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے بھی اطلاع پاتے ہی اس غلطی کا اعتراف کر لیا تھا، ایضاح الادلہ کے نئے ایڈیشنوں میں اس آیت کی تصحیح کر دی گئی ہے، دیکھنا یہ چاہیے کہ آیا غلط آیت نقل کرنے کا مقصد تحریف قرآن ہے یا یہ فقط ایک سہو ہے مولانا سے آیت نقل کرنے میں ضرور چوک ہوئی لیکن اس سے جو دلیل پیش کی گئی وہ روح قرآن کے مطابق ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ غلطی ارادی غلطی نہیں تھی، ادلہ کاملہ اور ایضاح الادلہ کے جدید نسخوں میں اس غلطی پر اظہار ندامت و افسوس کیا گیا ہے۔

اب سنئے ! سلفی مسلک کے روح رواں اور عالم اسلام میں غیر مقلد ہندوستانیوں کے نمائندے مولانا مختار احمد ندوی، نے اپنے مکتبے دار المعارف سے قرآن شریف چھپوائے تھے ان میں غلطیاں رہ گئی تھیں قرآن کے نسخے غلط چھپ کر

مارکیٹ میں آگئے، یہ امر ان کی نوٹس میں لایا گیا خطرہ پیدا ہوا کہ عوامی مہم شروع ہو جائے گی تو ان کا سیل روک دیا گیا۔

جس طرح ایضاح الادلہ میں قرآن کی غلط آیت غیر ارادی طور پر چھپ گئی تھی اسی طرح مولانا مختار احمد ندوی صاحب کے قرآنی نسخے کی یہ غلطیاں بھی یقیناً غیر ارادی ہی تھیں۔

اب آیئے دانستہ طور پر جان بوجھ کر جو غلطیاں غیر مقلدوں نے کی ہیں ان کی طرف بھی توجہ کریں حقانی صاحب نے انکشاف کیا کہ ان کی کتاب "قرآن وحدیث اور مسلک اہل حدیث" کی کتابت کے دوران انہیں مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث دیکھنے کی ضرورت پیش آئی ربانی بک ڈپو کی شائع کردہ مشکوٰۃ میں اس حدیث کو تلاش کیا وہ نہ ملی حالانکہ وہی روایت ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ، مظاہر حق میں موجود تھی لیکن ربانی بک ڈپو کے نسخے سے غائب تھی، اس راز کا پردہ اس وقت فاش ہوا جب ربانی بکڈپو کے مالک حکیم مصباح الدین صاحب نے بتلایا کہ اس کا ترجمہ ایک غیر مقلد نے کیا ہے اسی نے شرارتاً اس حدیث کو غائب کر دیا۔

اسی طرح لاہور سے چھپی مسلم شریف میں سے حضرت عمرؓ کی فضیلت پر مشتمل ایک طویل حدیث غائب ہے یہ کرشمہ بھی غیر مقلد کاتب ہی کا ہے، موطا امام مالک کے عربی نسخے میں موجود وہ دو حدیثیں اردو ترجمے سے غائب ہیں جو غیر مقلدوں کے مسلک کے خلاف جاتی ہیں، اب آپ سچے دل سے بتلایئے کہ کیا غیر مقلدین کی یہ خیانتیں قابل مواخذہ نہیں ہیں؟

عبدالجلیل :۔ آپ اتنی معلومات رکھتے ہیں پھر حدیث پر عمل کرنے میں آپ کو کیا دشواری ہے؟

شوکت: الحمد للہ میں حدیث کے مطابق ہی عمل کرتا ہوں، لیکن حدیث سمجھنے کیلئے اپنے آپ پر نہیں بلکہ ائمہ فقہ پر اعتماد کرتا ہوں کیونکہ وہ ماہرین حدیث تھے، آج کل کے غیر مقلد برائے نام ہی غیر مقلد ہیں اصلاً تو وہ اپنی مسجد کے امام اور اپنے مسلک کے علمائے موجود ہی کی تقلید کرتے ہیں،

عبدالجلیل: بالکل غلط ہے میں کسی کی تقلید نہیں کرتا۔

شوکت: پھر آپ مسائل کیسے سمجھتے ہیں؟

عبدالجلیل: صحاح ستہ کی کتابوں سے آپ ﷺ کی سنت معلوم کر لیتا ہوں اور اس پر عمل کرتا ہوں۔

شوکت: آپ ﷺ کے فرامین عربی زبان میں ہیں، کیا آپ عربی زبان جانتے ہیں؟

عبدالجلیل: نہیں! عربی نہیں آتی تو کیا ہوا اردو ترجمے سے حدیث سمجھ لیتا ہوں

شوکت: مطلب یہ کہ ترجمہ کرنے والے نے جو مطلب سمجھا ہے اس پر اندھا اعتماد کرتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

عبدالجلیل: اس کے بغیر چارہ کار کیا ہے؟ عربی زبان سیکھ بھی لوں تو آپ پوچھیں گے گرامر میں کس پر اعتماد کیا؟ لغت میں کس کی پیروی کی؟ آپ خواہ مخواہ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔

شوکت: دراصل دین کو آپ ہی لوگوں نے تنگ اور سخت بنادیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو صاف فرمادیا ہے، **یرید اللہ بکم الیسرولا یرید بکم العسر** "اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں خود سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں یسّروا ولا تعسروا" آسانیاں پیدا کرو مشکلات نہ پیدا کرو۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ہمیں یقین ہے کہ وہ ہم سے ہزار درجہ زیادہ بہتر طور پر حدیث سمجھتے تھے، ان کی تابناک زندگی شاہد ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سچے عاشق اور متبع سنت تھے، دین کے مزاج اور اسکی حقیقی اسپرٹ کو خوب سمجھتے تھے، اسی اعتماد کی وجہ سے ہم امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق کو معتبر جان کر عمل پیرا ہوتے ہیں اسی کو پیروی کہتے ہیں اس کے برعکس آپ لوگ اپنی مسجد کے امام کی تقلید کرتے ہیں جو آپ کو ہر طرح کی رعایت اور چھوٹ دیتا ہے۔ مثلاً

(۱) سنتوں کے ترک کی رعایت کیونکہ بہت سے غیر مقلدین سنت نمازوں کے تقریباً تارک ہیں۔

(۲) وتر ایک ہی رکعت ادا کریں گے حالانکہ وہ ایک دو نہیں گیارہ رکعت تک وتر کے قائل ہیں لیکن ایک رکعت ہی عموماً پڑھتے ہیں کیا آپ نے کبھی گیارہ رکعت وتر کی حدیث پر عمل کیا ہے؟

(۳) بہت سے لوگ ۲۰ رکعت تراویح ادا کرنے سے بچنے ہی کی خاطر غیر مقلدیت کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور آٹھ رکعت نماز ادا کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

(۴) تسبیحات کی پابندی سے آزاد ہو جاتے ہیں بہت کم غیر مقلدین تسبیحات اور ذکر واذکار کے پابند ہیں۔

(۵) ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ کبیرہ ہے، ایسے گناہ گاروں کو الاونس اور چھوٹ دی جاتی ہے کہ کوئی بات نہیں، تین دینے کی نیت کے باوجود ایک ہی لگی

(۶) ان سب سے اہم امر یہ ہے کہ آپ لوگوں کا یہ خیال کہ معاذاللہ صحابہ کرام کے اجتہادات غلط تھے ایمان کیلئے زہر قاتل ہے، ان کے اعمال کو بدعت اور گمراہی قرار دینا، سیدنا عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، ام المومنین حضرت عائشہ

صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم پر آپ کے بعض علما نے سخت چوٹیں کی ہیں حالانکہ مومن کی خصوصیت قرآن کی رو سے اس دعا کے مطابق ہونی چاہئے کہ " ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ،ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربنا انك رؤف الرحیم (حشر ۱۰) یعنی اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں بخش دے اور ہمارے دل میں مومنین کے لئے کوئی کھوٹ نہ رکھ بے شک اے رب تو نرمی والا مہربان ہے۔

افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرات مومنین میں سے سابقین الاولین کے لئے بھی اپنے دل میں کھوٹ رکھتے ہیں شیعوں کی طرح یہ لوگ بھی اسلام کی مایہ ناز ہستیوں کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں دوران گفتگو یہ امر تفصیل کے ساتھ سامنے آچکا ہے کہ کئی امور میں شیعہ اور غیر مقلد ایک ہی صف میں ہیں آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ غیر مقلدوں کا ایک زبردست وکیل اور عالم محمد احسن امروہی سلفی جس نے تقلید کے خلاف مصباح الادله لدفع الادلة الاذلة نامی کتاب میں حنفی مسلک پر انتہائی بے باکانہ حملے کئے تھے اس نے اخیر عمر میں قادیانی دھرم قبول کر لیا تھا، خود مرزا غلام احمد قادیانی پہلے غیر مقلد تھا۔ بعد میں نبوت کا دعوی کر کے داخل جہنم ہوا۔

اس طرح غیر مقلد مولوی اسلم جیراج پوری مرتے وقت منکر حدیث کی صف اوّل میں شامل ہوگئے تھے۔

یہ ہے انجام صحابہ کرام اور ائمہ عظام سے کینہ رکھنے والوں کا! آپ نے غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالوی کا نام سنا ہوگا۔

عبدالجلیل :ہاں مولانا محمد حسین کے بارے میں جانتا ہوں ان کا رسالہ

اشاعۃ السنۃ مشہور ہے وہ تواخیر عمر تک سلفی ہی رہے نہ قادیانی بنے نہ منکر حدیث

شوکت: انہوں نے اپنے اسی رسالے کی جلد ۱۱ شمارہ ۲ صفحہ ۵۳ پر لکھا ہے:

"پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی اور بعض لامذہب بن جاتے ہیں، جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔

عبدالجلیل: افسوس! تبھی تو میں سوچتا ہوں کہ جب تک میں مقلد تھا ذکر و اذکار، نوافل اور جماعت کا کس قدر پابند تھا، لیکن جب سے اہل حدیث بنا ہوں میرا زیادہ تر وقت دوسروں کی تنقید اور غیبت میں صرف ہوتا ہے میری زبان پہلے گالی سے ناآشنا تھی، لیکن اب جو سوسائٹی مجھے ملی ہے اس کا اثر یہ ہے کہ گالیاں میری زبان پر رواں ہو گئی ہیں میرا تجربہ ہے کہ ہمارے اکثر ساتھی لین دین میں انتہائی خراب ہیں، اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، حالانکہ میرا تعلق غربا اہل حدیث سے ہے جس کے لئے خود نبی ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ غربا کیلئے بشارت ہے پھر بھی پتہ نہیں ہمارے طبقے میں یہ اخلاقی زوال کیوں ہے؟

شوکت: پہلے یہ غلط فہمی دور کر لیجئے کہ حدیث میں غربا اہل حدیث کے لئے کوئی بشارت ہے استغفر اللہ! حدیث شریف کے الفاظ جہاں تک مجھے یاد ہیں وہ اس طرح ہیں بدالاسلام غریباً سیعود غریباً فطوبی للغرباء (او کما قال علیہ السلام) یعنی اجنبی کی حیثیت سے اسلام کی ابتداء ہوئی دوبارہ وہ اجنبی بن کر رہ جائیگا تو مبارکباد ہے اجنبیوں کیلئے" اس میں غربا اہل حدیث کے لئے کوئی بشارت نہیں کیوں کہ یہ نام ان کی جماعت کیلئے انہوں نے خود اختیار کیا ہے جس طرح

بدعتی حضرات نے اپنے آپ کو سنی کہنا شروع کر دیا ہے، لیکن سنی نام رکھ لینا اور سنت کی خلاف ورزی کرنا آخرت میں ہرگز مفید نہیں ہوگا، رہا آپ کا یہ سوال کہ غیر مقلدین میں ذکر واذکار کی طرف رغبت کم ہوتی ہے، نیز اخلاقی خرابیاں ان میں نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہیں، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ہر غیر مقلد اپنے آپ کو کروڑوں مسلمانوں سے افضل واعلیٰ سمجھتا ہے، وہ یہ گمان کرتا ہے کہ چودہ سو سال میں علمائے امت نے جو بات نہیں سمجھی وہ میں نے سمجھ لی ہے، یہ "میں پن" ہی شیطان کو لے ڈوبا اسی طرح فرعون کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ وہ ہی سب سے اشرف واعلیٰ ہے، اسی احساس نے قوموں کو گمراہ کیا، جب بھی کسی گروہ میں اپنے علم داں ہونے کا غرور پیدا ہوگا وہ ضرور راہ راست سے بھٹک جائیگا۔

عبدالجلیل :میں نے دراصل اہل حدیث مسلک، تراویح کی بیس رکعتوں سے بچنے کی خاطر اختیار کیا تھا، پھر جوں جوں ان لوگوں سے ملتا رہا اور ان کی بتائی ہوئی احادیث پڑھتا رہا کچھ یوں محسوس ہوتا رہا کہ یہی مسلک صحیح ہے، آپ نے ترویحہ اور تراویح کا فرق بتا کر مجھے ذہنی الجھن میں ڈال دیا ہے، تاہم مجھے آپ لوگوں کی فقہ کی کتابوں پر سخت اعتراض ہے ہمارے مولانا عبدالجلیل سامرودی صاحب نے اظہار حقیقت اور آئینہ حقیقت نامی کتابوں میں واضح فرمایا ہے کہ حنفی کتابوں میں نہایت ہی شرمناک قسم کے مسائل لکھے گئے ہیں مثلاً چوپائے سے صحبت جیسے مسائل حنفی کتب فقہ میں ہیں کیا یہ ذہنی گندگی اور دین سے دوری کی علامت نہیں ہے؟

شوکت:کیا اس قسم کے مسائل حدیث میں نہیں ہیں؟

عبدالجلیل :اب تک تو میں نے ایسی کوئی روایت کسی حدیث کی کتاب میں نہیں دیکھی۔

شوکت: دراصل احادیث میں آپ صرف اپنے ہی مسلک کی تائید کی روایات دیکھتے رہتے ہیں، اگر واقعی آپ نے احادیث کا مطالعہ کھلے ذہن کے ساتھ کیا ہوتا تو مشکوۃ کی یہ روایت ضرور ملتی عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اتی بهیمة فاقتلوه واقتلوها معه قیل لابن عباسؓ ماشان البهیمة؟ قال ما سمعت من رسول الله صلی الله علیه و سلم فی ذلك شیئا ولکن اراه کره ان یوکل لحمها او ینتفع بها، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اسے قتل کردو نیز اس جانور کو بھی حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ جانور کا کیا قصور ہے؟ فرمایا میں نے اسکے متعلق نبی اکرم ﷺ سے کچھ نہیں سنا لیکن میرا قیاس ہے کہ آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا کہ اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے کوئی اور کام لیا جائے۔

دراصل عبدالجلیل سامرودی صاحب نے ارادۃً فقہ کی چند عبارتوں کا گھٹیا اور گندہ ترجمہ کیا ہے تاکہ عوام کو فقہ سے بدظن کیا جاسکے ایسی گندہ ذہنیت لے کر کوئی خدانخواستہ نساءکم حرث لکم کی شان نزول ابوداؤد میں پڑھے تو احادیث سے بدگمان ہوکر منکرین حدیث کی صف میں شامل ہوجائے۔

حقیقتاً دین ہمیں مکمل ملا ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشے سے تعلق رکھتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو کے مسائل میں رہنمائی دیتا ہے، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ حیض ونفاس، طہارت، جنابت، غسل، تیمم، زنا، لواطت، اور بدفعلی وغیرہ کے مسائل سے کتابیں خالی رہتیں، عبدالجلیل سامرودی نے جن عبارتوں پر اعتراض کیا اور فقہ کا مذاق اڑایا ہے ٹھیک انہی کے انداز میں اسی قسم کی روایتوں کو پیش کر کے منکرین

حدیث نے انکارِ حدیث کا فتنہ کھڑا کیا ہے۔

عبدالجلیل : آپ یہ تو سوچئے کہ کیا کوئی انسان جانور سے بد فعلی کر سکتا ہے ؟

شوکت: اگر جانور سے بد فعلی ممکن نہ ہوتی تو حدیث شریف میں یہ مسئلہ کیسے آتا ؟ یوروپ اور امریکا میں عورتیں کتے پالتی ہیں انکو چومتی، چاٹتی، پیار کرتی اور گود میں لئے پھرتی ہیں، یہ ایک زندہ مثال ہے کہ جانور سے جسمانی لذت حاصل کی جاتی ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح لذت اندوز ہوتے ہوئے اگر کسی روزے دار مرد یا عورت کو انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو گا یا نہیں ؟ اگر علماء جواب نہ دیں تو الزام دیا جائے گا کہ علم دین معاذاللہ ناقص ہے اور جواب دیا جائے کہ "روزہ جماع سے فاسد ہوتا ہے محض انزال سے نہیں، البتہ غسل واجب ہو گا، روزہ صحیح ہو جائیگا" تو پروپیگنڈہ کیا جائے گا کہ فحش اور بے حیائی کی بات کی اس مثال پر آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ سامرودی صاحب کے اعتراضات کس قدر بے بنیاد اور بے وزن ہیں، افسوس ہے کہ اسی طرح کے جہالت بھرے اعتراضات پیش کر کے فقہائے کرام کو مطعون اور بدنام کر کے لوگ اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ ان تمام گناہوں کا سرا عبدالجلیل سامرودی کے سر ہے، آیئے اس خاندان کی مختصر تاریخ دہرا لی جائے، عبدالجلیل کے دادا محمد سامرودی تھے انہوں نے تقریباً ایک سو بیس سال قبل غیر مقلدیت کا پرچار شروع کیا، مقلدوں کو بار بار چیلنج کرتے رہے، بالآخر حنفی عالم دین مفسر قرآن مولانا ابو محمد عبدالحق حقانیؒ کے ساتھ ڈابھیل میں ۷ ر جمادی الاول ۱۳۰۳ھ بروز جمعہ ان کا پہلا مناظرہ ہوا، دوسرے روز سورت میں بحث ہوئی، اس مناظرے کے نگراں پولیس آفیسر محمد ابراہیم پٹیل صاحب تھے، انہوں نے اس مناظرے کی رپورٹ بھی پرنٹ کروائی ہے، جس کی نقل راندیر میں مفتی مولانا سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری کے

پاس آج بھی الحمد للہ موجود ہے اس مناظرے میں محمد سامرودی کو بڑی ذلت اٹھانی پڑی ان کے بے شمار پیروں نے غیر مقلدیت سے توبہ کی چند سال بعد خود محمد سامرودی نے بھی توبہ کی اور اس زمانے کی مشہور شخصیت حضرت شیخ موسیٰ ترکیشوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، ایک عربی قصیدے میں انہوں نے اپنے پیر صاحب کی شاندار شخصیت کا تعارف کرایا ہے مولانا عبدالشکور صاحب کی کتاب کرامات موسویہ میں اس کی تفصیل ہے مولانا محمد سامرودی کی نسل میں عبدالجلیل سامرودی پیدا ہوئے، جن کے متعلق کرامات موسویہ میں مولانا محمد سامرودی کے بھانجے لکھتے ہیں۔

"اور ان کے (مولانا محمد سامرودی کے) دو پوتے آج کل موجود ہیں جن میں ایک عبدالجلیل صاحب نوجوان عالم ہیں مگر علوم وفنون سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے صرف کچھ دینیات اور عربی وغیرہ سے مناسبت ہے (صفحہ ۶)

انہی عبدالجلیل سامرودی نے فقہ کی کتابوں سے ایسی عبارتیں نقل کیں جو انکی ذہنیت کے اعتبار سے گندی اور بے حیائی پر مبنی تھیں، ان عبارتوں کا نہایت ہی گندی اور بازاری زبان میں ترجمہ کیا منافرت کا ماحول بن گیا اور امن وقانون کا مسئلہ پیدا ہو گیا، پولیس میں شکایت درج کرائی گئی سیکشن ۲۹۲ کے تحت پریس کا مالک گرفتار ہوا، اور سرکاری مقدمہ دائر ہو گیا، اس سلسلے میں پولیس سب انسپکٹر جی، ایم، گربانی نے حنفی عالم مولانا مفتی سید عبدالرحیم (مفتی راندیر) سے ملاقات کی مولانا نے وضاحت فرمائی کہ بے شک ہماری کتب فقہ میں یہ مضامین ہیں، لیکن ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا، جس طرح کوئی شخص اپنی ماں کو باپ کی جورو، کہدے تو حقیقت کے اعتبار سے غلط نہ ہونے کے باوجود اسے بے ادبی، نادانی اور حماقت کہا جائے گا، یہی معاملہ اس

پمفلٹ کا ہے اس کا مقصد فقہ کا مذاق اڑانا اور عوام میں اس کے خلاف بد ظنی پھیلانا ہے اسی مقصد کے تحت ترجمہ نہایت ہی گھٹیا اور بازاری زبان میں کیا گیا ہے۔

اس مقدمے کے سلسلے میں مفتی صاحب کورٹ میں بھی تشریف لائے عدالت میں ڈیڑھ گھنٹے تک تقریر کی اور واضح کیا کہ فقہا نے ان مسائل کو کن ضرورتوں کے تحت بیان کیا ہے مجسٹریٹ نے ایک مسئلے کی وضاحت سن کر اندازہ کر لیا کہ سامرودی کے الزامات میں کوئی وزن نہیں بلکہ یہ لچر اور بے ہودہ انداز ترجمہ نگار کی سازش ہے۔

سامرودی صاحب کے پاس اپنے دفاع میں کوئی جواب نہ تھا اس لئے انہیں وکیل نے مشورہ دیا کہ تم بیان دے دو کہ یہ پمفلٹ نہ میں نے لکھا، نہ چھپوایا، نہ تقسیم کیا ہے، سامرودی صاحب نے شیعوں کے انداز میں تقیہ کر لیا، وکیل کی پیروی و تقلید کی اور بھری عدالت میں جھوٹا بیان دیا۔

شہر کے لوگ تعجب کر رہے تھے کہ اگر سامرودی نے پمفلٹ نہیں لکھا تھا تو سمن کے جواب میں انکار کر دیتے مقدمہ قائم ہی نہ ہوپاتا اور کورٹ میں یہ ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔

یہ مقدمہ گواہ میسر نہ آنے کے سبب خارج کر دیا گیا، اس کی تفصیلات گجرات کے ۱۹۵۸ء کے رسالوں اور اخبارات میں دیکھی جا سکتی ہے بھروچ (کاوی) سے نکلنے والے پیغام نامی گجراتی رسالے میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے مجسٹریٹ کا نام سی، ڈی، گوشاڈیہ تھا، پرنٹرانادیل بندھو پرنٹنگ پریس کا مالک تھا۔

یہ حال اس شخص کا ہے جس کی تقلید یہ غیر مقلدین کر رہے ہیں۔

عبدالجلیل : استغفراللہ ! استغفراللہ! اللہ تعالی میرے گناہوں

کو معاف فرمائے اور مجھے ایسے فتنے سے بچائے کہ ظاہراً تو انسان حدیث پر عمل کا دعوے دار ہو لیکن باطن میں جہالت، کم علمی، غرور اور اپنے آپ کو سب سے افضل سمجھنے کی ذہنیت ہو۔

الاختتام مع السلام

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين
والحمد لله رب العالمين

مقالہ نمبر ۱۵

تأثرات حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم
استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ، وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد!

فرقۂ اہلِ حدیث (غیر مقلدین) ایک اسلامی فرقہ ہے۔ اہلِ قبلہ میں شامل ہے۔ مگر اہلِ حق میں شامل نہیں ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے۔ اہلِ حق باجماعِ امت: احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ میں منحصر ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے مائۃ دروس کے سبق نمبر ۹۵ میں اس کی صراحت کی ہے۔ آپ کی عبارت بعینہٖ یہ ہے:

الدرسُ الخامسُ والتسعونَ فی المذاهب المُنْتَحِلَةِ اِلی الاسلام فی زماننا: اهلُ الحقِّ منهم اهلُ السُّنة والجماعةِ، المنحصرون باجماعِ مَنْ يُعْتَدُّ بهم فی الحنفيةِ والشافعيةِ والمالکيةِ والحنابلةِ: واهلُ الاهواء منهم: غیرالمقلِّدین، الذین یَدَّعُونَ اتباعَ الحدیث، وانّی لهم ذٰلك: وجَهَلَةُ الصُّوفيةِ واشياعهم مِنَ المُبتَدِعين، وان کانَ بعضُهم فی زِیِّ العِلمِ، والرّوافضُ والنیچریّةُ الذین یُضاهِئُون المعتزلة، فایّاك وایّاهم۔

نستدنس بهوا ۱ هم/ ۱۳۹ و ۱۴۰/۔

ترجمہ: سبق نمبر پچانوے: ہمارے زمانہ کے ان مذاہب کے بارے میں جو اسلام کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں: اہلِ حق انہیں سے اہلِ سنت والجماعت ہیں۔ جو منحصر ہیں۔ باجماع ان حضرات کے جنکا (اجماع میں) اعتبار کیا جاتا ہے: حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں۔ اور اہلِ ہویٰ ان میں سے (۱) غیر مقلدین ہیں، جو کہ اتباعِ حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں

اس دعویٰ کا حق نہیں ہے (۲) اور جاہل صوفی اور مبتدعین میں سے ان کے پیرو ہیں، اگرچہ بعض انہیں سے علماء کی صورت میں ہیں (یعنی فرقۂ رضا خانی) (۳) اور روافض (شیعہ) (۴) اور نیچری جو کہ معتزلہ کے مشابہ ہیں (یعنی عقلیت پرست ہیں) لہٰذا اے مخاطب تو ان (چاروں فرقوں) سے بچ، ورنہ انکی خواہش نفسانی سے پلید ہو جائے گا۔
اور امداد الفتاوٰی ج۴ صفحہ ۵۶۱ و ۵۶۲ میں صراحت ہے کہ:

ہمارا نزاع غیر مقلدوں سے فقط بوجہ اختلاف فروع وجزئیات کے نہیں ہے۔ اگر یہ وجہ ہوتی تو حنفیہ شافعیہ کی کبھی نہ بنتی، لڑائی دنگہ رہا کرتا۔ حالانکہ ہمیشہ صلح واتحاد رہا، بلکہ نزاع ان لوگوں سے اصول میں ہو گیا ہے، کن اصول میں نزاع ہے اکی کچھ تفصیل کتاب میں آرہی ہے۔
اور باطل فرقوں کی نفسیات میں چند باتیں داخل ہیں: (۱) حق کو اپنی ذات میں منحصر کرنا۔ اور دوسروں کو گمراہ، کافر اور مشرک قرار دینا (۲) اسلاف کیساتھ، خواہ وہ کوئی ہوں، صحابہؓ ہوں، تابعین ہوں، ائمہ مجتہدین ہوں، علماء امت ہوں، محدثین کرام ہوں یا صوفیائے عظام، سب کے ساتھ بدتمیزی، بدزبانی اور بے ادبی کرنا۔ (۳) تلبیسات اور دھوکہ دہیوں سے کام لینا، دوسروں کیطرف غلط باتیں منسوب کرنا، اور صحیح بات کو غلط مطلب پہنا کر مقصد برآری کرنا۔

زیرِ نظر کتاب جس اشتہار کا جواب ہے جسمیں ۵۶ اعتراضات ہیں۔ اور جو سرزمین مکہ میں تقسیم کیا گیا ہے وہ اس تیسری بات کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ کو کتاب میں جگہ جگہ اس بات کا مشاہدہ ہوگا کہ مشتہر نے کس طرح تلبیسات سے کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہمارے دوست حضرت مولانا شبیر احمد صاحب زید فضلہ (شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مرادآباد) کو کہ انہوں نے تمام تلبیسات کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اور مزید مسائل کی خوب تنقیح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے۔ اور مسلمانوں کو اس گمراہ فرقہ کی دھوکہ دہیوں سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

کتبہٗ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری
خادم دارالعلوم دیوبند
۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

رائے گرامی حضرت اقدس مولانا نعمت اللہ صاحب، اُستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اَمّابعد!

صراطِ مستقیم۔ جس کی دعا ہر مسلمان ہر نماز میں کرتا ہے۔ اس کی تعیین خود سورۂ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ سے کی گئی ہے۔ اور اَلَّذِیْنَ انعمتَ عَلَیْہِمْ کی تفسیر قرآنِ کریم میں دوسری جگہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلیہم مِّنَ النَّبِیّٖن و الصِّدِّیقِین وَالشُّھَدَاءِ والصَّالِحِین (سورۂ نساء آیت ۶۹) سے کی گئی ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بہ اجماعِ امّت بالیقین اس کا مصداق ہیں۔ اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افتراقِ امّت والی حدیث میں فرقۂ ناجیہ کی تعیین مَا اَنَا عَلیہِ وَاَصْحَابِی سے کی ہے۔ اور اسی لئے قرآن وحدیث کے صحیح معنوں ومفہوم کو سمجھنے کے لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو واسطہ بنانا ضروری ہے۔

جن لوگوں نے صحابۂ کرام کی وساطت کے بغیر از خود قرآن وحدیث کو سمجھنے کی کوشش کی وہ صراطِ مستقیم سے انحراف کے سبب گمراہ ہوگئے۔ اس طرح کی گمراہی سب سے پہلے خوارج میں پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ان لوگوں کی دوسری گمراہی یہ تھی کہ وہ اپنی رائے کے علاوہ دوسری کسی بھی رائے کی گنجائش سے انکار کرتے تھے۔ بلکہ اس کو فسق وکفر کہنے میں بھی تأمل نہیں کرتے تھے۔

یہی بات موجودہ زمانہ کے فرقۂ اہلِ حدیث میں پائی جاتی ہے کہ وہ ائمۂ اربعہ اور ان کے مقلدین کے بارے میں حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اور خوارج کا طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں۔ وہ خالی الذہن مسلمانوں کو تذبذب اور تشویش میں مبتلا

کرنے کے لئے کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اور اشتہارات تقسیم کر رہے ہیں۔ اسی طرح کا ۵۶ اعتراضات پر مشتمل ایک اشتہار حرمین شریفین میں تقسیم کیا جارہا تھا۔

زیرِ نظر کتاب اسی اشتہار کا مدلل اور علمی جواب ہے۔ جسے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب زید مجدہم صدر مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد نے مرتب فرمایا ہے۔ اللہ اس کو عام مسلمانوں کے ذہن وفکر اور صراطِ مستقیم کی حفاظت کا ذریعہ بنائے اور قبول عام عطا کرے۔ آمین۔

وَالحَمْدُ للہ اوّلاً وّاٰخِرًا۔

نعمت اللہ عفی عنہ

خادمِ تدریس دارالعلوم دیوبند

۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۲۲ھ

رائے گرامی حضرت اقدس مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ! مسلمانوں کے درمیان جس فرقہ نے سب سے پہلے اختلاف کیا ان کا نام خوارج ہے۔ یہ لوگ نصوصِ قرآن وسنت سے غلط مطلب نکالتے تھے۔ اور اپنے نکالے ہوئے مطلب کے علاوہ دوسرے رُخ کی گنجائش نہیں سمجھتے تھے، اور اسی لئے دوسرا رُخ اختیار کرنے والوں کے بارے میں دریدہ دہنی اور گستاخی کا ارتکاب کرتے تھے۔

اس دور کا فرقہ اہلِ حدیث، ان باتوں میں خوارج سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ کہ یہ نصوص فہمی میں منہاجِ اہلِ حق کے پابند نہیں ہیں۔ اور اپنی رائے کے علاوہ کسی رائے کی گنجائش نہیں سمجھتے، اور قابلِ احترام اسلاف کے بارہمیں گستاخی کرنے اور حُدود سے بھی تجاوز کرنے میں انہیں کوئی شرمندگی نہیں ہے اور اگر ان لوگوں نے اپنے احوال کی اصلاح نہ کی تو مستقبل میں انکا خارجی ہونا بالکل صاف ہو جائیگا۔ چند سالوں سے ان کی غلط حرکتوں سے عالمِ اسلام میں بے چینی محسوس کی جارہی ہے۔ حد یہ ہے کہ حرمِ محترم کی سرزمینِ پاک بھی انکی نازیبا حرکتوں سے محفوظ نہیں ہے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ حرم کے پاسبان انکی حرکتوں کا احتساب کیوں نہیں کر رہے ہیں۔

عزیز محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب زید مجدہم صدر مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد نے اپنی اس تازہ کتاب میں جن ۵۶ اعتراضات کا جواب دیا ہے وہ بھی ایک اشتہار کی صورت میں اسی سرزمینِ مقدس میں تقسیم کیا جارہا تھا۔ اور اسکا جواب دینا علماء کیلئے فرضِ کفایہ تھا، موصوف محترم کو اللہ تعالیٰ نے اس فرضِ کفایہ کے ادا کرنیکی توفیق دی کہ ان کو علمی کاموں کا بہترین سلیقہ ہے۔ الحمدللہ تمام جوابات صحیح اور تسلی بخش ہیں۔ خدا ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور مزید اعمالِ خیر کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین۔ والحمدللہ اولاً وآخراً۔

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ
خادمِ تدریس دار العلوم دیوبند
۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

سببِ تالیف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ طَائِفَةً لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ✤ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اس کتاب کے لکھنے کا سبب یہ بنا کہ پچھلے کئی سالوں سے حجازِ مقدس میں حج بیت اللہ کے موقع پر حرمِ مکی اور حرم مدنی میں ہند، پاک اور بنگلہ دیش کے غیر مقلدین نے اپنے آپ کو حجازِ مقدس کے لوگوں کے سامنے سلفی ہونے کا اظہار کر رکھا ہے۔ حالانکہ ہندوستانی پاکستانی غیر مقلدین نہ سلف کو مانتے ہیں اور نہ ہی سلف کے اتباع کو اسلامی زندگی کے لئے مشعلِ راہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اجلۂ صحابہ اور خلفاء راشدین کی شان میں ایسا سخت جملہ استعمال کرتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی بدعت ہے، اور یہ عمرؓ کی جاری کردہ بدعت ہے۔ اور یہ عثمان کی جاری کردہ بدعت ہے۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین کے بارے میں خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ کی شان میں گستاخی کر لیتے ہیں کہ ابو حنیفہ کو کیا حق پہنچتا ہے۔ اسی طرح مسلکِ حنفی کے علماء کو مبتدع اور بدعتی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

اور حجازِ مقدس کے ذمہ دار علماء اور جامعات کے اساتذہ اور ائمہ حرمین اور وہاں کے طلبہ کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا رکھی کہ حنفی مسلک کے لوگ مبتدع اور بدعتی ہوتے ہیں اور خود کو سلفی ہونا ثابت کر رکھا ہے۔ چنانچہ ۱۴۱۹ھ کو حج کے موقع پر دیکھنے میں آیا کہ مسجد نبوی کے چاروں طرف صحنوں میں جامعات کے غیر مقلد طلبہ اردو میں جوشیلے انداز سے صرف ایک بات بیان کرتے ہیں جس کا حاصل ائمہ مجتہدین خاص طور پر ائمہ اربعہ کی

تقلید کی مذمت تھی۔ متعدد افراد کے بیانات سننے میں آئے سب اسی موضوع پر تقریر کر رہے تھے۔ نیز مسلکِ حنفی اور ان کے علماء اور بزرگوں کو درمیان درمیان میں نشانہ بنایا جارہا تھا، طبیعت چاہتی تھی کہ بعض لوگوں کی تقریر کے درمیان میں ٹوک دیں، لیکن ان کے پاس اجازت کا کارڈ تھا اسلئے خطرہ تھا کہ اگر وہاں ہم بولتے ہیں تو مجرم ٹھہرائے جائیں گے، پتہ نہیں کہاں تک پہنچادیتے۔ لہٰذا صبر کرتا رہا۔ ہندوستان کے بعض علماء نے وہاں کے مدیر اعلیٰ سے شکایت کی کہ آپ ان کے بیانات کی نگرانی فرمائیں یہ تفریق بین المسلمین کا سلسلہ شروع ہورہا ہے۔ اس کے بعد امسال دیکھنے میں آیا کہ انہوں نے طریقہ بدل دیا کہ امام ابوحنیفہؒ کو بچا کر مسلکِ حنفی پر زبردست حملہ کیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے خود فرمایا: اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی، لہٰذا حنفی مسلک کے تمام مسائل جو بظاہر بخاری ومسلم کی بعض صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں اُن کو پیش کر کے ثابت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے کہنے کے مُطابق یہ مسائل غلط ہیں۔ لہٰذا امام صاحب کے قول کے مطابق ان مسائل کو چھوڑ دینا چاہیئے، اور حدیث کو ماننا چاہیئے۔ لیکن یہ نہیں کہتے کہ ان مسائل کی تائید میں بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میرا کوئی قول حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ پھر بھی بالفرض اگر کوئی قول ایسی صحیح حدیث کے خلاف ہو جو حدیث کسی دوسری حدیث یا کسی آیت کے معارض نہ ہو تو وہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے)
اور حنفی مسائل کی تائید میں جو حدیثیں ہیں ان کو غیر مقلدین کسی بھی طریقہ سے ضعیف اور متکلم فیہ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز مسئلہ توسّل کو لیکر بھی حنفی مسلک کے اوپر آزادانہ حملہ کرتے ہیں۔ ان حالات میں حنفی مسلک کے کوئی بڑے عالم وہاں کے لوگوں کو جواب نہیں دے سکتے۔ کوئی بھی بولے گا فوراً یہ الزام لگائیں گے کہ یہ بدعت پھیلانے آیا ہے۔

اور امسال ایک دوسری زیادتی جو حد سے بہت آگے تجاوز کر چکی تھی یہ دیکھنے میں آئی

کہ مکۃ المکرمہ کی گلیوں اور مسجدوں میں مطرق الحدید کے نام سے ایک بڑا اشتہار بانٹا جارہا تھا جس میں حنفی مسلک پر حنفیہ کی کتابوں کے حوالے سے غیر مقلدین نے چھپن ۵۶ اعتراضات پیش کرکے چیلنج دیا ہے۔ مکۃ المکرمہ کی گلیوں میں احقر کو بھی یہ اشتہار ملا۔ اور پھر دو دن کے بعد مسجد حرام کے اندر باضابطہ یہ اشتہار تقسیم ہوتا ہوا دیکھنے میں آیا۔ چنانچہ اس اشتہار کے تقسیم کے موقع پر ہمارے دوستوں میں سے حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب، مولانا محمد میثاق صاحب، مولانا بشیر احمد صاحب گونڈوی، مولانا عبد الناصر صاحب، مولانا عبد المنان صاحب، قاری انس صاحب۔ یہ سب مسجد حرام میں ایک جگہ تشریف فرما تھے، ان کے ہاتھ میں بھی یہ اشتہار آیا۔ اور ان کے سامنے مسجد حرام کے مباحث جو خفیہ تحقیق کرنے والے ہیں وہ بروقت وہاں پہنچے ان سب حضرات نے ان سے شکایت کی کہ یہ اشتہار ہے فلاں آدمی بانٹ رہاہے۔ تو اس مباحث نے بجائے اس پر روک تھام کرنے کے صرف اتنی بات کہہ کر ٹال دیا کہ مسجد کے اندر نہ بانٹو۔ مسجد کے باہر بانٹو۔ کیونکہ بانٹنے والا غیر مقلد تھا، جو اپنے آپ کو سلفی کہتا ہے۔ اور وہاں جو سلفی کہہ کر رہتے ہیں ان کو بڑی اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور عجیب حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ اشتہار مرتب کرنے والا ضلع بالیسر صوبہ اڑلیسہ کا رہنے والا اور اس کی اشاعت کرنیوالا ضلع گونڈہ صوبہ یوپی کا رہنے والا ہے۔ اور یہ اشتہار اردو زبان میں ہے۔ پھر اس اشتہار کو حج کے موقع پر حجاز مقدس میں بانٹا جارہاہے۔ یہ سب حرکتیں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ان غیر مقلدین کی غلط اسکیمیں عالمی سطح پر سرگرم عمل ہیں۔ اس بناپر اس اشتہار کے جوابات لکھنا ضروری محسوس ہوا۔ ورنہ یہ اشتہار اس قابل نہیں ہے کہ اس کا جواب دیا جائے۔ اسلئے کہ چند مسائل یعنی مسئلہ قراءت خلف الامام، اور مسئلہ رفع یدین، مسئلہ آمین بالجہر، زیر ناف ہاتھ باندھنے کا مسئلہ اور مسئلہ توسل اور بیس رکعات تراویح، مسئلہ علم غیب اور مسئلہ زیارت قبور۔ اہمیت کے حامل ہیں، جن کے جوابات لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ انکے علاوہ باقی مسائل ایسے

نہیں ہیں جن کے جوابات لکھے جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس خالی الذہن مسلمانوں کے سامنے کثرت کو دکھانے کے لئے سوالات کی بھرمار کر رکھی ہے۔ ناظرین کو پڑھتے وقت خود معلوم ہوجائیگا۔ نیز اس لئے بھی جواب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ عالم یا غیر عالم غیر مقلدین حدیث کی کتابوں کا اُردو ترجمہ لیکر پھرتے رہتے ہیں، اور اس میں سے اپنے مطلب کی عبارات خالی الذہن عوام کو دکھا کر شکوک میں مبتلا کرتے رہتے ہیں اور جو اس کے خلاف عبارت ہوتی اُسے نہیں دکھاتے۔

بہرحال چھپن ۵۶ اعتراضات میں سے ہر ایک کے جوابات اسی ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو اس اشتہار میں مرتب ہیں۔ اور انشاء اللہ ناظرین کو سوالات اور جوابات پڑھتے وقت حق وباطل کے درمیان امتیاز معلوم ہوجائیگا۔ اور انکے پیش کئے گئے حوالے اکثر غلط ثابت ہونگے۔

دیوبندی مکتبِ فکر کی گذارش

ناظرین سے گذارش ہے کہ اعتراض لکھنے والے غیر مقلدین نے بلا امتیاز احناف کو مخاطب فرمایا ہے۔ غیر مقلدین یاد رکھیں کہ فقہ حنفی کو ماننے والے مقلدین ہندوستان، پاکستان بنگلہ دیش، برما، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ، امریکہ کے مختلف علاقوں میں نیز ترکستان، ملکِ شام، عراق، ایران کے بعض خطے اور افغانستان اور اس کے آزاد شدہ ممالک اور دُنیا کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے برصغیر یعنی پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور ہندوستان میں فقہِ حنفی کو ماننے والے دو قسم کے مکتبِ فکر مشہور ہیں۔

① **دیوبندی مکتبِ فکر:-** جو پوری دُنیا کے اندر شہرۂ آفاق ہے۔ اور اسی مکتبِ فکر کے حنفی لوگ دُنیا کے ہر ملک میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ اور اسی مکتبِ فکر کے لوگوں میں بڑے بڑے اہل علم، محدثین اور فقہاء ومصنفین کثرت کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں جو دُنیا کے طول وعرض میں دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور اسی مکتبِ فکر کے لوگوں کی حدیث

وفقہ اور تفسیر و سیرت کی کتابیں دُنیا کے ہر ملک کے مکتبوں اور لائبریریوں اور اہلِ ذوق علماء کے ہاتھوں میں ملیں گی۔

۲۔ **بریلوی مکتبِ فکر کے لوگ**:۔ جن میں اہلِ علم کی تعداد بہت کم ہے۔ ان کے یہاں اہلِ علم کی کمی اور جہلاء کی کثرت کی وجہ سے بہت سے ایسے امور رائج ہیں جو قرآن و حدیث اور فقہ سے ثابت نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے دیوبندی مکتبِ فکر اور بریلوی مکتبِ فکر کے علماء کے درمیان ناقابلِ فراموش اختلافات ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے سے سلام و مصافحہ کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ اور چونکہ غیر مقلدین نے اعتراضات میں بلا امتیاز احناف کو مخاطب کیا ہے اسلئے یہ جوابات دیوبندی حنفی مکتبِ فکر کی طرف سے دیئے جا رہے ہیں اور بریلوی مکتبِ فکر کے لوگوں کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ اسلئے ناظرین اعتراضات اور جوابات پڑھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھیں۔

ناظرین سے گذارش

ناظرین سے یہ گذارش ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے پہلے ہماری یہ تحریر ضرور پڑھیں۔ اس کے بعد غیر مقلدین کا پیش کردہ وہ اشتہار جو یہاں چسپاں ہے بغور پڑھ لیں۔ اس کے بعد ہر ایک اعتراض اور جواب پڑھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دست بسجود دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان سے شکوک و شبہات کو دُور فرمائیگا۔۔۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی حفاظت فرمائیگا۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　∴　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، یوپی۔ الہند

۲۲ صفر ۱۴۲۲ھ

مولویوں اور درویشوں کی بات

(اعتراض ۱) "یہود و نصاریٰ اپنے مولویوں اور درویشوں کا کہا مانتے تھے اس لئے اللہ نے انہیں مشرک، فرمایا" بحوالہ مقدمہ عالمگیری۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اللہ اور رسُول نے یہود و نصاریٰ کے علماء کی بات ماننے پر انکی مذمّت فرمائی ہے۔ اور اس مذمّت کی دُو وجہ ہیں۔ (۱) اُن کے علماء علماءِ سُوء تھے، آسمانی کتابوں میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف کرتے تھے۔ اور تحریف شدہ باتیں قوم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ قوم اسی کو شریعت تسلیم کرلیتی تھی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان الفاظ سے فرمایا ہے: وَيُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ الآیۃ (مائدہ آیت ۱۳) اُن کے علماء خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں۔ (۲) یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور عابدوں کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا۔ ان کے علماء نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رکھا تھا: جیسا کہ اللہ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (سورہ توبہ آیت ۳۱)

علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

قوله تعالیٰ "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" قال اهل المعانی: جعلوا احبارهم ورهبانهم اربابا حيث اطاعوهم فی كلّ شیءٍ، سئل حُذيفة عن قول الله عزّ وجلّ: "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"، هل عبدوهم؟ فقال لا، ولكن اَحلّوا لهم الحرام فاستحلّوه وحرّموا عليهم الحلال فحرّموه۔ (تفسیر قرطبی ۸/۷۷، تفسیر خازن ۲/ ۲۱۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قول "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب اہل معانی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور عابدوں کو ہر شیٔ میں خدا کا درجہ دیکر ان کی اطاعت کرتے تھے۔ اور حضرت حذیفہؓ سے دوسرا مطلب یہ بھی مروی ہے کہ پوچھنے پر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ان کے علماء حرام کو ان کیلئے حلال کہتے تھے تو وہ لوگ اسکو حلال

سمجھتے تھے۔ اور حلال کو ان پر حرام قرار دیتے تھے تو وہ لوگ اس حلال کو حرام سمجھتے تھے۔ یہ اُن کے علماءِ سوء کا کارنامہ تھا۔

یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ ان کے علماء نے جو دین کی حق بات کہی ہے اس کا ماننا بھی جائز نہیں تھا۔ امتِ محمدیہ اور ائمہ مجتہدین کے علماء کو یہود و نصاریٰ کے علماءِ سُوء پر قیاس کرنا آقاءِ نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد اور منشاء کی مخالفت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اِنَّ الْعُلَمَاءَ ورثۃ الانبیاء" (ابوداؤد ۲/۵۱۳ بخاری ۱/۱۶) امتِ محمدیہ کے علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین ہیں۔ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ (الحدیث ترمذی ۲/۹۸) (آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تمہارے ادنیٰ شخص پر ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ یہ امتِ محمدیہ کے علماء کی فضیلت ہے۔ اور ائمہ اربعہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو مسائل مستنبط فرمائے ہیں وہ منشاءِ شریعت کے عین مُطابق ہیں۔ پھر امتِ محمدیہ کے علماء اور حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد بن حنبل کو یہود و نصاریٰ کے علماءِ سُوء پر قیاس کرنا کتنا بڑا ظلم اور امت کے سوادِ اعظم پر کتنا بڑا جارحانہ حملہ ہے۔ اللہ اکبر۔

غیر مقلدین نے خالی الذہن مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کیلئے جو اشکالات پیش کئے ہیں کیا وہی اُن کی عبادت ہے۔

بڑوں کی بات مت پوچھو

(اعتراض ۲۷) "مؤمنوں کو حکم دیا کہ بڑوں کا قول مت پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ اللہ اور رسول کا حکم کیا ہے"۔ بحوالہ عالمگیری ۱/۱۳

یہ حوالہ غلط ہے اور جو بات پیش کی گئی ہے۔ کہ مؤمنوں کو حکم دیا کہ بڑوں کے قول کو مت

پوچھو بلکہ اللہ اور رسُول کا جو حکم ہے اس کو پوچھو یہ بھی غلط ہے۔ ہاں البتہ اتنی بات اپنی جگہ درست ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف اگر کسی کی بات ہو تو اُسے نہ مانی جائے۔ بلکہ قرآن وحدیث ہی کی بات مانی جائے۔ حنفی مسلک کے لوگ بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن اگر علماء مجتہدین قرآن وحدیث سے مستنبط کرکے کوئی مسئلہ بتلائیں تو وہ قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہوتا اس کا ماننا بھی لازم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرامؓ کے اجماع سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ بھی عین حدیث کے موافق ہوتی ہے۔ اسلئے اسکا ماننا بھی واجب ہوجاتا ہے۔ اور اس کا نہ ماننا گمراہی ہوگی۔ جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ۔ (هذا حديث حسن صحيح ترمذی ۲/۹۶) مستدرک حاکم ۱/۱۷۷ ۔

ترجمہ: تم میری سنت اور ان خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو جو ھدایت کیلئے مشعلِ راہ ہیں اُسے اپنی ڈاڑھ سے پکڑو کہیں چھوٹنے نہ پائے۔

غیر مقلدین اگر اپنے مذکورہ الفاظ سے یہی مُراد لیتے ہیں۔ تو حنفی مسلک کے لوگوں پر کوئی الزام نہیں کیونکہ احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ چنانچہ امام صاحبؒ نے فرمایا:

"اذا صح الحديث فهو مذهبي" (شامی زکریا ۱/۱۶۷، ۸/۱۹۷، ۲/۵۰، رسم المفتی/۶۶)

یعنی جب میرے قول کے خلاف کوئی ایسی صحیح حدیث مل جائے جس سے کسی آیت یا دوسری حدیث یا اجماع کا تعارض نہ ہو تو وہی حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔ لیکن اگر وہ حدیث صحیح کسی آیت یا حدیث یا اجماع کے معارض ہے تو وہ حدیث صحیح امام ابو حنیفہؒ کا مذہب نہ ہوگا۔ بلکہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب وہی ہوگا جو ان کا قول راجح ہے۔ نیز اگر تلاش کیجائے تو امام ابو حنیفہؒ کے ہر قول کے موافق کوئی نہ کوئی حدیثِ رسولؐ مل جائے گی۔ نیز امام صاحبؒ نے اذا صح الحدیث والی بات اسلئے فرمائی ہے کہ امام صاحب کا کوئی قول حدیث کے مخالف نہیں ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اتباع سے ہوتی ہے

اعتراض ۳۲ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت محض زبان سے نہیں ہوتی بلکہ اتباع سے ہوتی ہے"۔ بحوالہ شرح وقایہ ۱۰/

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ حضورؐ کی محبت صرف زبان سے نہیں ہوتی بلکہ اتباعِ سنت سے ہوتی ہے یہی ائمہ اربعہ خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کا عقیدہ ہے ۔
یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ غیر مقلدین نے اس بات کو لیکر حنفیہ پر کیوں اشکال کیا؟ حالانکہ حنفیہ کا عقیدہ اس کے خلاف نہیں ہے. اور وہ اسی کے قائل ہیں. اور قرآن وحدیث کے اندر اس بات پر بے شمار دلائل موجود ہیں. غیر مقلدین بھائیوں سے گذارش ہے کیا یہ انصاف کی بات ہے ۔

آیتِ قرآنی قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (سورہ آلِ عمران ۳۲)
ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو یعنی میری سنت کا اتباع کرو ۔
اس کی وضاحت کیلئے کافی و وافی ہے. علامہ قرطبی تفسیر قرطبی میں اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں ۔

" قال الازہری محبۃ العبد للہ ولرسولہ طاعتہ لھما واتباعہ امرھما " وقال سھل بن عبد اللہ علامۃ حب النبی حب السنۃ

(تفسیر قرطبی ۴/ ۴۰)

ترجمہ :- ازہری نے کہا کہ اللہ اور رسول سے بندے کی محبت ان کی اطاعت اور ان کے حکم کے اتباع سے ہوتی ہے۔ اور سہل بن عبد اللہ نے کہا کہ نبی کی محبت کی علامت سنت کی عملی محبت ہے ۔

جو سُنت کو حقیر جانے وہ کافر ہو گا

(اعتراض ۵۴) "جو سنت کو حقیر جانے وہ کافر ہو گا۔" بحوالہ درمختار ۱/۲۱۸ ہدایہ ۱/۵۴۱)

یہ مسئلہ بھی درمختار اور ھدایہ کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ نفس مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ جو شخص سنت کو حقیر جانے وہ حدِ کفر کو پہونچ جائیگا۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور حنفیہ اسکے ہرگز منکر نہیں پھر اس کو لیکر حنفیہ پر..... اعتراض کیوں کیا گیا؟ بلا وجہ بے قصور کو قصوروار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس قسم کی باتوں کو لیکر حجازِ مقدس میں ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ جبکہ وہاں کے لوگوں کو یہاں کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے یہاں اس کا فیصلہ ہو گا۔

تارکِ سنت

(اعتراض ۵۵) "جو سنت کو ہلکا جان کر برابر ترک کرے وہ کافر ہے۔"
(بحوالہ مقدمہ ہدایہ ۱/۷۷)

سنت کو ترک کر دینا اور اس پر عمل نہ کرنا الگ مسئلہ ہے۔ اور سنت کو ہلکا سمجھنا دوسرا مسئلہ ہے۔ سنت کو ترک کر دینا اور اسکا عادی بن جانا موجب فسق ہے موجب کفر نہیں، ورنہ ہم حجازِ مقدس میں بہت سے سعودی بھائیوں کو دیکھتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد سنت کو چھوڑ دیتے ہیں اور بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ کیا ان کے اوپر کفر کا فتویٰ لگ جائیگا؟ ہرگز نہیں ہاں البتہ ترکِ سنت کا عادی بن جانا عمل کی خرابی ہے۔ یہ فسق کا سبب بن جاتا ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ سنت کا ہلکا سمجھنا اسکا استخفاف اور اسکی حقارت کرنا یہ عقیدہ کی خرابی ہے جو موجب کفر ہے۔ اسکے حنفیہ بھی قائل ہیں۔ اور اسکو لیکر حنفیہ پر اعتراض کرنا یہ بھی ایک بے جا ظلم ہے چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں یہ ہے۔

لو قال بطريق الاستخفاف سمعناه كثيراً يكفر (تاتارخانیہ ۵/۴۸۱)

ترجمہ: اگر استخفاف اور حقارت سے کہا ہے تو بہت سے علماء نے موجب کفر کہا ہے۔

حدیث کا رد کرنے والا گمراہ

(اعتراض ۶) ”حدیث کا رد کرنے والا گمراہ ہے۔“ بحوالہ مقدمہ ہدایہ ۱/۳۰۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ حدیث کا رد کرنیوالا گمراہ ہے یہی حنفیہ کا عقیدہ ہے ـــــ حدیث کے رد کرنیوالے تین قسم کے لوگ ہیں (۱) وہ شخص جسکے پاس اس حدیث کے مقابلہ میں قرآنی آیت یا دوسری حدیث شریف موجود ہے، اور وہ اس آیتِ کریمہ اور اس دوسری حدیث کے ذریعہ سے رد کرتا ہے تو اُسے گمراہ قرار نہیں دیا جائیگا۔ (۲) وہ شخص جو بلا کسی دلیل کے محض فخر و غرور کی وجہ سے یوں ہی رد کر دیتا ہے تو ایسا شخص گمراہ ہے (۳) وہ شخص جو حدیث شریف کو حقیر سمجھ کر استخفاف اور حقارت سے رد کرتا ہے حالانکہ وہ حدیث متواتر یا مشہور ہے تو ایسے شخص کے بارہمیں کفر کا خطرہ ہے۔ جب حنفیہ کا یہی عقیدہ ہے تو پھر حنفیہ کے خلاف اس بات کو پیش کرنیکا کیا مقصد ہے؟ کیا حنفیہ کا قول و عمل اسکے خلاف ثابت ہے؟ اگر غیر مقلدین نے کہیں اس کے خلاف دیکھا ہے تو وہ حنفیہ کا مسلک نہیں ہے۔ اور حنفیہ پر یہ الزام نہیں آتا۔ اگر غیر مقلدین جو اپنے آپ کو بتکلف سلفی کہتے ہیں حالانکہ وہ سلفی نہیں ہیں ان کا عقیدہ اس کے خلاف ہے تو وہ خود فیصلہ کریں کہ انکا عقیدہ کیا ہے؟ اور ان پر کیا حکم لگنا چاہیئے۔ تاتارخانیہ میں ہے:

اذا روی رجل حدیثاً علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وردّہٗ اٰخر قال بعض مشائخنا: انہٗ یکفر ومن المتأخرین من قال: ان کان متواتراً یکفر (تاتارخانیہ ۵/۴۸۱) ولو قال فی حدیث ‹ آنمرد چنیں گفت › وارادبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکفر لانہٗ استخفاف (تاتارخانیہ ۵/۴۸۲)

ترجمہ: جب کوئی آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے حدیث پیش کرے اور دوسرا آدمی اُسے حقارت سے رد کردے تو ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ اس کو کافر قرار دیا جائے اور بعض متاخرین نے کہا کہ اگر حدیث شریف متواتر ہے تو کافر قرار دیا جائیگا۔ اور اگر کسی حدیث کے بارہمیں حضورؐ کو مراد لیتے ہوئے یہ کہا کہ وہ مرد کیا کہتا ہے تو اسکو کافر قرار دیا جائیگا۔ اسلئے کہ اس نے آپؐ کی حقارت اور اہانت کی ہے۔

آیتِ قرآنی کے ساتھ بے ادبی کفر ہے

(اعتراض ۷ "جو شخص مسخرہ پن یا بے ادبی کسی آیت کے ساتھ کرے وہ کافر ہے" بحوالہ درمختار ۲/ ۵۱۳۔

اعتراض میں نقل کی گئی بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ جو شخص کسی آیت کریمہ کے ساتھ تخریہ اور مسخرہ پن کرتا ہے۔ یا کسی اور طریقہ سے بے ادبی کا انداز اختیار کرتا ہے تو ایسا شخص ایمان سے خارج ہوجاتا ہے۔ یہی حنفی دیوبندی اہل سنت والجماعت اور ائمہ اربعہ کا عقیدہ ہے۔ اگر غیر مقلدین کا اس کے علاوہ کوئی اور عقیدہ ہے تو وہ اپنے عقیدہ کو خود جانیں، حنفیہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر حنفیہ کو شکوہ یہ ہے کہ حنفیہ پر اسکو لیکر کیوں اشکال کیا گیا؟ اس سے خالی الذہن مسلمانوں کو اس طرح شکوک میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ حنفیہ کا عقیدہ ایسا ہی ہے ـــ اور مسلمان حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین کے بارے میں بدگمان ہوجائیں۔ اللہ کے یہاں اس کا فیصلہ ہوگا۔ حنفیہ کی کتابوں میں صحیح لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے عالمگیری میں ہے:

اذا قرئ القرآن علیٰ ضرب الدف و القصب فقد کفر (عالمگیری ۲/۲۶۷)

اذا انکر الرجل اٰیۃ من القرآن اوتسخر باٰیۃ فقد کفر (عالمگیری ۲/۲۶۶)

تاتارخانیہ میں ہے: و یکفر اذا انکر اٰیۃ مِنَ القرآنِ او تسخر باٰیۃٍ منہ۔

(تاتارخانیہ ۵/۴۹۰)

ترجمہ: جب دف بجانے اور بانسری بجانے کے ساتھ قرآن پڑھا جائے تو کافر قرار دیا جائیگا۔ جب آدمی قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے یا کسی آیت کے ساتھ مسخرہ پن اور مزاق کرے تو کافر ہوجائے گا۔ ایسے ہی تاتارخانیہ، البحرالرائق اور عالمگیری میں ہے۔

بغیر علم حدیث فہمی گمراہی ہے

اعتراض ۸ " لوگ علم کے بغیر حدیث طلب کریں گے وہ تباہ ہوں گے۔"
(بحوالہ مقدمہ عالمگیری ۱/۴۳)

اس عبارت سے غیر مقلّدین کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں؟ فرشتوں کی تحریر ابن آدم سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہاں اگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں کہ بغیر علم جو لوگ براہِ راست حدیث سمجھنے کی کوشش کریں گے وہ تباہ ہوں گے۔ تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے جو خود غیر مقلّدین کے خلاف پڑتی ہے کہ ائمہ مجتہدین اور اُولوالعزم علماء ربّانیین ہی احادیث شریفہ کی گہرائی میں پہنچکر مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں۔ اور جن لوگوں میں درجہ اجتہاد کا علم نہیں ان پر ضروری ہے کہ ائمہ مجتہدین احادیث شریفہ کا جو مفہوم بتلائیں اسی کے مطابق عمل کریں، اپنی طرف سے رائے زنی نہ کریں۔ اگر اپنی طرف سے رائے زنی کریں گے تو گمراہ ہوں گے۔ اور یہی غیر مقلّدین جو اپنے آپ کو سلفی کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ یہی کرتے ہیں کہ درجۂ اجتہاد کا علم ان میں نہیں ہوتا، پھر بھی احادیث شریفہ کو اپنے من کے مطابق سمجھنے کا دعوٰی کرتے ہیں اور اپنی سمجھ کو ائمہ مجتہدین کی سمجھ سے بالاتر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں،

فقہاء کے اجتہاد پر عمل کا حکم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہادی مسائل میں فقہاءِ عابدین سے مشورہ کرکے ان کی سمجھ کے مطابق عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور ہر شخص کو اپنی سمجھ پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ سے صحابہ نے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم نہیں ہے۔ نہ اس کو کرنے کا حکم واضح ہے اور نہ ہی

نہ کرنے کا حکم ہے۔ تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ایسے مسائل میں اپنی رائے اور اپنی سمجھ پر ہرگز عمل نہ کرنا۔ بلکہ امت کے فقہاء ربانیین اور ائمہ مجتہدین کے مشورہ اور ان کے اجتہاد پر عمل کرنا لازم ہوگا۔

حدیث شریف یہ ہے:

شاوروا فیه الفقهاء والعابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة (مجمع الزوائد ۱/۱۷۸) وفی المعجم الاوسط: عن علی قال: قلت یا رسول الله ان نزل بنا امر لیس فیه بیان: امر ولا نهی، فما تأمرنا؟ قال: تشاورون الفقهاء والعابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة (معجم الاوسط ۲/۳۶۸) وفی حاشیة: الحدیث من الزوائد: فقد ذکره الهیثمی فی مجمع الزوائد کتاب العلم باب الاجماع ۱/۱۷۸) وقال: رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله موثوقون من اهل الصحیح۔

(المعجم الاوسط ۲/۳۶۸)

ترجمہ: اس کے بارے میں فقہاء اور علماء ربانیین سے مشورہ کرو، اور اس میں اپنی رائے سے کام نہ لو۔ اور معجم اوسط میں حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے معلوم کیا کہ اگر ہم میں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں نہ کرنے کا حکم واضح ہے اور نہ ہی نہ کرنے کا حکم۔ تو اس کے بارے میں ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم ایسے معاملات میں فقہاء اور علماء ربانیین سے مشورہ کرو، اور اپنی رائے اور اپنی سمجھ سے کام مت لو۔ اس حدیث کی سند میں تمام رُواۃ ثقہ اور معتبر ہیں۔

لہٰذا مذکورہ اعتراض میں جو باتیں لکھی گئی وہ خود حضرات غیر مقلدین ہی کے خلاف پڑتی ہیں۔ حنفیہ پر کوئی الزام نہیں۔

کیا فقہ میں موضوع حدیث ہے؟

اعتراض ۹ "فقہ میں جو احادیث ہیں اُن پر اعتماد کلّی نہیں ہو سکتا جبتک کہ کتبِ حدیث سے صحیح نہ کرلی جائے۔ حالانکہ فقہ میں احادیث موضوع بھی ہیں"

(بحوالہ مقدمہ ہدایہ ۱/۱۰۸)

یہ بات ہدایہ کے مقدمہ میں نہیں ہے بلکہ عین الہدایہ کے مقدمہ میں ہے۔ غیر مقلدین نے عین الہدایہ کو ہدایہ ہی سمجھ لیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عین الہدایہ تو ہدایہ کا ترجمہ ہے۔ اور مترجم نے ترجمہ کے بعد جگہ جگہ بہت سی باتیں لکھ ڈالی ہیں۔ ان باتوں کو صاحبِ ہدایہ کی جانب منسوب کرنا نہایت غلط ہے۔ بلکہ صاحبِ عین الہدایہ کی جانب منسوب کرنا چاہئے۔

اب اصل بات کا جواب یہ ہے کہ صاحبِ عین الہدایہ نے عمدۃ الرّعایہ کے حوالہ سے ایک بات نقل فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فقہ کے مصنفین دو قسموں پر ہیں۔

۱۔ وہ مصنف جو نہ فقیہ ہوتے ہیں اور نہ ہی محدّث۔ اسی لئے ان لوگوں کو نہ حدیث کا ماخذ معلوم ہوتا ہے، اور نہ فقہ کے جزئیات کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس آیت یا حدیث سے مستنبط ہے۔ تو اس لئے ایسے مصنفین کی کتابوں میں موضوع حدیث بھی آجاتی ہے۔ ان کی کتابیں نہ معتبر ہوتی ہیں اور نہ ہی ان پر مقلدین خاص کر ہم حنفی دیوبندی کا اعتماد ہوتا ہے۔

۲۔ وہ مصنف جو محدّث بھی ہو، فقیہ بھی ہو تو ان کی کتابوں میں موضوع روایات نہیں آتی ہیں بلکہ وہ کسی نہ کسی معتبر روایت کی روشنی میں مسائلِ فقہیہ لکھا کرتے ہیں تو ان کی کتابوں اور مسائل پر پورا پورا اعتماد ہوا کرتا ہے۔ اور جہاں سے غیر مقلدین نے اعتراض نمبر ۹ نوٹ کیا ہے خود وہاں پر صاحبِ عین الہدایہ کی عبارت اسطرح موجود ہے کہ ہاں اگر مصنف

محدّث ہو، ثقہ ہو تو اعتماد ہو سکتا ہے۔ غیر مقلّدین یاد رکھیں کہ حنفیہ معتبر کتابوں پر ہی اعتماد کرتے ہیں۔ غیر معتبر کتابوں پر حنفیہ کا اعتماد نہیں ہے۔ اسلئے صاحبِ عمدۃ الرّعایہ نے یہ بات تنبیہ کرنے کے لئے لکھی ہے۔ تاکہ غیر معتبر کتابیں نہ دیکھیں۔ اور مذکورہ اعتراض میں غیر مقلّد نے ایک بات میں سے اپنے مطلب کا حصّہ منتخب کر کے نقل کر دیا اور مطلب کے خلاف حصّہ کو چھوڑ دیا۔ یہ کتنی بڑی خیانت کی بات ہے۔ اللہ ان کی ان باتوں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

حدیث قولِ امام پر مقدم

اعتراض نمبر ۱ "حدیث امام کے قول پر مقدم ہے۔" (بحوالہ ہدایہ ۱/۲۹۱)

غیر مقلّدین نے اس اعتراض کو ہدایہ کی طرف منسوب کرنے میں بہت بڑی خیانت کی ہے۔ اس لئے کہ ہدایہ کے متن یا ترجمہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں البتہ صاحبِ عین الہدایہ نے ترجمہ سے ہٹ کر ملّا علی قاری کی ایک بات نقل فرمائی ہے وہ پوری بات اس طرح ہے تشہد کی حالت میں انگلیوں سے اشارہ کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اسلئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انگلیوں کا اشارہ مستحب ہے۔ اور اگر حدیث سے اشارہ کرنا ثابت ہوتا، اور امام صاحب سے اشارہ نہ کرنا ثابت ہوتا تو حدیث قولِ امام پر مقدم ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کا قول حدیث کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔ اب یہاں سے غیر مقلّدین نے کتنا بڑا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے ناظرین اندازہ لگائیں

اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ کا مطلب

اب اصل بات سنئے کہ ائمہ مجتہدین جن میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سب شامل ہیں، یہ تمام ائمہ مجتہدین حدیث

صحیح کے خلاف اپنی رائے کو ترجیح نہیں دیتے، بلکہ ان حضرات کے استنباط کردہ مسائل کسی نہ کسی حدیث شریف یا قرآنی آیت کی روشنی میں ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان ائمہ میں سے کسی امام کے مسئلہ کے مطابق، ہمیں کوئی نص نظر نہیں آرہی ہے۔ تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ اس مسئلہ کے مطابق قرآن یا حدیث میں کوئی نص نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہماری نظر کی کوتاہی ہے۔ ہاں البتہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ مثلاً روایات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ کسی نے کسی روایت سے استدلال کیا اور کسی نے اس کے مقابل دوسری روایت سے استدلال کیا۔ اور ہر ایک کی نظر میں اپنی اپنی مستدل روایت کی وجہ ترجیح بھی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت امام اعظمؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں حدیثِ رسول کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا۔ لہٰذا تم اس سلسلہ میں جستجو کر کے دیکھ لینا، تم کو میرا قول حدیث کے خلاف نہیں ملیگا۔ بالفرض پھر بھی اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث شریف مِل جائے تو میرا مسلک وہ نہیں ہے جو پہلے سے تمہارے سامنے ہے۔ بلکہ میرا مسلک وہ ہوگا جو حدیث صحیح کے موافق ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حدیث صحیح منسوخ نہ ہو اور دوسری حدیث صحیح اور قرآنی آیت کے مقابل میں نہ ہو۔ اور یہی حنفیہ کا عقیدہ ہے۔ اور یہی حنفیہ کا مسلک بھی ہے۔ اس کے خلاف حنفیہ کا عقیدہ نہیں ہے۔ تو پھر غیر مقلدین اس عبارت کے ذریعہ سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں۔؟

امام ابوحنیفہؒ کا قول "اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی" کا یہی مطلب ہے۔

(رسم المفتی/ ۶۶، شامی زکریا ۱/ ۱۶۷)

امام صاحب نے یہ دعوٰی اور چیلنج اس لئے پیش فرمایا ہے کہ امام صاحب کا ہر مسئلہ آیت یا حدیث کے موافق ہی ہوتا ہے، اس لئے نہیں کہ امام صاحب کا مسئلہ حدیث کے خلاف ہوتا ہے۔ نیز اگر امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق جو حدیث شریف مِل رہی ہے وہ سند کے اعتبار سے ضعیف نظر آرہی ہے تو ہمارے اور آپ کیلئے ضعیف

ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے لئے ضعیف نہیں ہے۔ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں اور سلسلہ سند میں ضعیف راوی امام ابوحنیفہؒ کے بعد داخل ہوئے اس لئے ضعف کا الزام امام ابوحنیفہؒ پر نہیں آتا، بلکہ اس ضعیف راوی کے سند میں داخل ہونے کے بعد جن لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے ان پر آتا ہے۔

تقلید کی ضرورت

تمام امتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔ اور مطاع بالذات خداوند تعالیٰ کی ذاتِ واحد ہے، اور ایک عام مسلمان کیلئے یہ بات کسی طرح دائرۂ امکان میں نہیں آسکتی کہ وہ براہِ راست اللہ کے کلام کے اسرار و رموز کو خود سمجھ کر اُسکی مرضی معلوم کر کے اسکے مطابق عمل کر سکے۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ایک عام مسلمان پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال پر عبور حاصل کر کے معارض روایتوں کے درمیان تطبیق دیکر راجح اور مرجوح یا ناسخ اور منسوخ کو سمجھ کر حکمِ الٰہی کا علم حاصل کر سکے۔ بلکہ یہ کام امتِ مسلمہ کے ائمہ مجتہدین اور فقہاءِ عابدین ہی کر سکتے ہیں۔ اور قرآن کریم کے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران آیت ۷ میں جو فرمایا ہے" وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ "، اس آیت کریمہ کے اندر وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ سے یہی ائمہ مجتہدین اور فقہاءِ ربانیین مراد ہیں۔ اور یہی فقہاء قرآن و حدیث کے تمام نزاکتوں اور اسمیں ظاہری تعارض

اور آیتوں اور احادیث کے درمیان تعارض کے حقائق کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور ان ائمہ مجتہدین کے علاوہ یہ کام کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسلئے عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن و حدیث پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کیلئے ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کی تقلید کریں۔ اسی طرح جو علماء امت علم و فضل میں درجہ اجتہاد کو نہیں پہونچے ہیں اُن کیلئے بھی یہ بات ضروری ہے کہ قرآن و سنت پر صحیح طور پر عمل کرنے کیلئے ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک امام کی تقلید اور اتباع کریں۔

اسی وجہ سے امت کے بڑے بڑے علماء اور محدثین نے جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہونچے ہیں ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کی تقلید فرمائی ہے ـــــــــــ حضرت امام ابو یوسفؒ ـــــــــــ امام محمدؒ، امام طحاویؒ، امام شمس الائمہ الحلوانی، امام فخر الاسلام بزدویؒ، امام ابوالحسن کرخیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو دیکھئے کتنے بڑے بڑے محدث اور فقیہ تھے، مگر درجہ اجتہاد کو نہ پہونچنے کی وجہ سے اللہ اور رسول کی صحیح اتباع اور شریعت کے احکام پر صحیح طور پر عمل کیلئے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید فرمائی ہے اور اسی کے پابند رہے۔

حضرت امام ترمذیؒ کو دیکھئے کتنے بڑے محدث اور فقیہ اور صاحب کمال تھے۔ لاکھوں حدیثیں یاد تھیں۔ اور ترمذی شریف جو مشہور ترین حدیث کی کتاب ہے انہی کی تصنیف ہے۔ مگر درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچنے کی وجہ سے شریعت پر صحیح طور پر عمل کیلئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید فرمائی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام نوویؒ شارح مسلم کو دیکھئے۔ کتنے بڑے بڑے محدث تھے۔ فن رجال پر کافی عبور تھا مگر درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچنے کیوجہ سے امام شافعیؒ کی تقلید فرمائی ہے۔

اسی طرح امام ابو داؤدؒ کو دیکھئے کتنے بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ ابوداؤد شریف انہی کی تصنیف ہے۔ امام نسائی کو دیکھئے کتنے بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ نسائی شریف انہی کی تصنیف ہے مگر درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچنے کی وجہ سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید فرمائی ہے۔

حافظ الدنیا ابن عبد البرؒ مالکی کو دیکھئے کتنے بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ مگر درجہ اجتہاد کو

نہ پہونچنے کی وجہ سے حضرت امام مالکؒ کی تقلید فرمائی ہے۔

جب اتنے بڑے بڑے فقہاء اور محدثین جن کو لاکھوں حدیثیں یاد تھیں، جنہوں نے حدیث کی ایسی بڑی بڑی کتابیں لکھ ڈالیں ہیں کہ جن کی کتابوں کو پڑھے بغیر آجکل کوئی مستند عالم نہیں بن سکتا تو ایسے بڑے بڑے محدثین نے شریعت پر صحیح طور پر عمل کیلئے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کی تقلید فرمائی ہے۔

تو اب وہ کونسا شخص ہے جو اپنے آپ کو تقلید سے بالاتر ثابت کرسکے۔ اور جو اس بات کا دعوٰی کرے کہ ہمیں تقلید کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہم قرآن و حدیث پر براہِ راست عمل کرسکتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ کیا تمہیں امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام طحاوی اور ابن حجر عسقلانی وغیرہ سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ جبکہ انہوں نے لاکھوں حدیثیں یاد ہونے کے باوجود تقلید فرمائی ہے۔ تو تمہیں تو ہزار پانچسو حدیثیں بھی یاد نہیں تو تم خود بتلاؤ کہ تمہارا یہ دعوٰی کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔ نیز ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنے والوں پر طرح طرح کے طعن و تشنیع کرتے ہو، اور بے پڑھے لکھے خالی الذہن مسلمانوں کو اردو کی کتابوں سے اپنے مطلب کی عبارتیں دکھا دکھا کر بلاوجہ شکوک و شبہات میں ڈالتے ہو۔ کیا یہی تمہاری دینی دعوت ہے۔ کیا یہی تمہاری عبادت ہے؟ اللہ پاک تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

حدیث میں تقلید کا ثبوت

یہاں لگے ہاتھ تقلید کے ثبوت پر دو حدیثیں اور پھر علماء امت کی چند تحریرات تقلید کی ضرورت کے بارے میں پیش کر دیتے ہیں، شاید اللہ کے کسی بندے کو فائدہ پہنچ جائے۔

حدیث ۱: جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت

حذیفہؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے بعد تم ان دونوں کی اقتداء کرنا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے۔

عن حذیفةؓ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیه وسلم جلوسا فقال انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی واشار الی ابی بکر وعمر وتمسکوا بعهد عمار وما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ (مسند امام احمد بن حنبل ۵ / ۳۸۵، ۵/۳۹۹، ترمذی شریف ۲/۲۰۷)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے پھر حضورؐ نے فرمایا کہ پتہ نہیں کہ تمہارے درمیان میرا رہنا کتنے دن باقی ہے۔ لہٰذا میرے بعد تم ان لوگوں کی اقتدار کرو۔ یہ کہہ کر حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ عمار بن یاسرؓ کے عہد کو مضبوطی سے پکڑلو۔ عہد وپیمان انہیں کی طرح کرو۔ اور فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو بھی بات بیان کریں اسکی ضرور تصدیق کرو۔

حدیث ۲

وعن علیؓ قال قلت یارسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیه بیان امرٌ ولا نهیٌ فما تامرنی قال شاوِرُوا فیه الفقهاء والعابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط ۲/۳۶۸۔ ورجالهٗ موثقون من اهلِ الصّحیح۔ مجمع الزوائد ۱/۱۷۸۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر ہم میں کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے جس کے بارے میں قرآن وسنت میں نہ کرنے کا حکم واضح ہے اور نہ ہی نہ کرنیکا تو اس بارے میں آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس میں فقہاء مجتہدین اور علماء ربانیین کے مشورہ پر عمل کرو۔ اور اپنی سمجھ اور اپنی رائے اس میں نہ چلایا کرو۔

تقلید کے جواز پر علماء امت کا اتفاق

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں نقل فرماتے ہیں۔

ان العامی یجب علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث لانہٗ امر بالرّد الی الرّسول والی اُولی الامر۔ (تفسیر فخر الرازی ۱۰/۲۰۰)

بے شک عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ مجتہد فی المسائل میں علماء و فقہاء کی تقلید کرے اسلئے کہ عامی کو اپنے معاملات کے بارمیں رسُول اور اُولی الامر و علماء کی جانب رجوع کا حکم کیا گیا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی اندلسی جامع بیان العلم و فضلہ میں نقل فرماتے ہیں:

ولم تختلف العلماء ان العامۃ علیہا تقلید علمائہا انہم المرادون بقول اللہ عز وجلّ: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔

علماء امّت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عامّۃ المسلمین پر اپنے زمانہ کے فقہاء و علماء راسخین کی تقلید لازم ہے۔

(جامع بیان العلم و فضلہ ۲/۱۱۵ بیروتی۔)

اور اللہ کے اس ارشاد میں علماء راسخین ہی مراد ہیں۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (سورۂ نحل آیت ۴۳)

اگر تمہیں معلوم نہیں ہے تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں نقل فرماتے ہیں:

ان ھٰذہ المذاھب الاربعۃ المدونۃ المحررۃ قد اجتمعت الامّۃ او من یعتد بہ منہا علی جواز تقلیدھا الی یومنا ھٰذا، وفی ذلک من المصالح مالا یخفی لاسیما فی ھٰذہ الایام التی قصرت فیہا الھمم جداً واشربت النفوس الھوٰی، واعجب کل ذی رأی برأیہ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۴)

ان چاروں مدوّن و جمع شدہ مذاہب کی تقلید کے جواز پر آج تک امّت کے قابلِ اعتماد افراد کا اجماع رہا ہے۔ اور اس تقلید میں ایسی مصالح ہیں جو مخفی نہیں ہیں بالخصوص اس زمانہ میں جس میں ہمتیں بہت زیادہ کوتاہ ہوگئیں ہیں اور طبیعتوں میں خواہشات جاگزیں ہوگئیں ہیں۔ اور ہر شخص اپنی رائے کو اچھّی سمجھتا ہے۔ اس لئے تقلید لازم ہے۔

وفی شرح جمع الجوامع للمحلیؒ والاصح انہٗ یجب علی العامی وغیرہ ممن لم یبلغ رتبۃ الاجتہاد التزام مذھب معین من مذاھب المجتھدین۔ (خلاصۃ التحقیق ص۶)

اور محلی کی جمع الجوامع کی شرح میں ہے کہ اصح بات یہ ہے کہ عامی اور غیر عامی جو مرتبۂ اجتہاد تک نہ پہونچے ہوں، ان کیلئے مجتہدین کے مذاہب میں سے معیّن و مخصوص مذہب کو لازم پکڑنا واجب اور ضروری ہے۔

اہلِ حدیث اور احناف کا اتفاق

(اعتراض نمبر ۱۱) "اہلِ حدیث اور احناف میں اتفاق باہم ہونا چاہیے" (یقیناً)
(بحوالہ ہدایہ ۱/۳۱۰)

حوالہ اور عبارت دونوں غلط ہیں ہدایہ کی کسی عبارت میں یہ بات نہیں ہے۔ ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ غیر مقلدین نے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین پر یہ الزام لگا رکھا ہے کہ یہ لوگ احادیثِ رسولؐ کو کوئی وزن نہیں دیتے ہیں بلکہ اپنی رائے اور قیاس کو مقدم کر کے اسی سے کام لیتے ہیں یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور احناف پر غلط الزام ہے۔ اسلئے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین حدیثِ رسولؐ کے مقابلے میں اپنی رائے اور قیاس کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ اگر حدیث متکلم فیہ بھی ہو تب بھی حدیث کے مقابلے میں اپنی رائے اور قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور قیاس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اسی وجہ سے غیر مقلدین نے امام ابو حنیفہؒ اور انکے متبعین پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

نوٹ: یہ بات واضح ہو کہ ضعیف حدیث سے فضائل میں استدلال کرتے ہیں اور احکام میں ضعیف سے استدلال نہیں کرتے اگر ضعیف ہے تو ہمارے لئے ضعیف ہے۔ امام صاحبؒ کیلئے نہیں۔ کیونکہ امام صاحب تابعی ہیں۔ اور سلسلۂ سند میں ضعیف راوی امام صاحب کے بعد داخل ہوا ہے۔

اہلِ قرآن، اہلِ حدیث، اہلِ سُنّت وَالجماعة

اعتراض نمبر ۱۲ "حضرت امام اعظمؒ جب بغداد میں وارد ہوئے تو ایک اہلِ حدیث نے سوال کیا کہ رطب (کچی کھجور) کی بیع تمر (سوکھی کھجور) سے جائز ہے یا نہیں؟ لہٰذا اہلِ حدیث کا وجود امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں ثابت ہوا۔ (بحوالہ درمختار ۲/۱۳ مقدمہ ہدایہ ۱/۵۹)

دینِ اسلام کے مُسلّمہ اصول

اعتراض کا جواب دینے سے قبل ایک تمہید ناظرین کیلئے فائدہ سے خالی نہیں ہو گی۔ تمہید یہ ہے کہ اصول تین ہیں۔ ① اصولِ کلام ② اصولِ دین ③ اصولِ شرع۔

۱۔ اصولِ کلام وہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید وصفات سے متعلق گفتگو کیجاتی ہے۔ ۲۔ اصولِ دین جسکو اصولِ اسلام بھی کہتے ہیں وہ چیزیں ہیں جن میں کفار و فساق کیلئے عذابِ قبر اور نیک وصالحین کیلئے قبر کے اندر نعمتوں اور قیامت کے بعد سب کے اٹھائے جانے سے متعلق اور حساب وکتاب نیز وزنِ اعمال اور جنّت کی نعمتیں اور جہنّم کے عذاب وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کا ذکر عقائد کی کتابوں میں موجود ہے۔

۳۔ اصولِ شرع وہ ہیں جس سے شریعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اصولِ شرع تین ہیں۔

① کتاب اللہ ② حدیثِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ③ اجماعِ صحابہ۔

اجماع کی حُجیّت

اجماع کی تھوڑی سی وضاحت یہ ہے کہ جس بات پر تمام صحابہ نے بلا اختلاف اتفاق کر لیا ہے، اور کسی نے بھی نکیر نہیں کی، اور پھر اس کے بعد پورے دَورِ صحابہ اور دَورِ تابعین سے اس پر عمل کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہو چکا ہو تو اسے اجماعِ صحابہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ بیس رکعت تراویح کا مسئلہ۔ اس مسئلہ پر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ اور پھر باتفاقِ جمیع صحابہ عمل کا سلسلہ جاری ہو چکا ہے۔ کسی نے اس پر عملاً یا قولاً نکیر نہیں فرمائی، پھر امّت کا سوادِ اعظم اہل سنت والجماعۃ جن میں ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین ہیں ان میں یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ اور انشاءاللہ

تاقیامت جاری رہیگا۔

اسی طرح جمعہ کی اذان اوّل کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جمیع صحابہ کا اجماع ہوچکا تھا کہ یہ اذان پہلے نہیں تھی لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ضرورت کیوجہ سے اسکا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ اور تمام صحابہ نے اس عمل کے اُوپر بلا اختلاف اتفاق کرلیا ہے۔ پھر اس کے بعد امّت کے سوادِ اعظم میں اس اذان پر عمل کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہوگیا۔

اسی طرح اجماعِ امّت کی حُجّیت آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس حدیثِ صحیح سے ثابت ہوتی ہے کہ تم اختلاف کے زمانہ میں میری سنّت اور ان خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑ لیا کرو۔ جو ہدایت کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ یہ دونوں خلفاءِ راشدین میں سے ہیں انکی جاری کردہ ان سنتوں کی حجیت آپ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتی ہے۔

فانہٗ من یعیش منکم یریٰ اختلافاً کثیراً وایاکم ومحدثات الامور فانہا ضلالۃ فمن ادرك ذٰلك منکم فعلیہ بسنّتی وسنّۃ الخلفاء الراشدین المهدیین عضّوا علیها بالنواجذ هٰذا حدیث حسن صحیح۔ (المستدرک للحاکم ۱/۱۷۷)

(ترمذی شریف ص ۹٦/۲)

بے شک تم میں جو لوگ زندہ رہیں گے بہت سے اختلاف دیکھیں گے تم اپنے آپ کو امورِ شرعیہ کی بدعت سے بچاؤ اسلئے کہ وہ گمراہی ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو اختلاف کا زمانہ پائے اس پر لازم ہے میری سنت اور ان خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑ لینا جن کی اتباع ہدایت کیلئے مشعلِ راہ ہے انکو اپنی داڑھوں سے مضبوط پکڑو۔

قیاس کی حُجّیت

اس کے بعد اصول کی ایک چوتھی قسم ہے جسکو قیاس کہتے ہیں جو کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہؐ اور اجماعِ صحابہ کے دائرہ میں گھومتا ہوا انہیں اصُولوں کی روشنی میں مجتہد کے اجتہاد کے ذریعے سے مستنبط ہوتا ہے۔ اور یہ اصول کی مستقل قسم نہیں ہوتی بلکہ مذکورہ تینوں قسموں میں کوئی مسئلہ

نہ ملنے کی صورت میں یا کسی مسئلے سے متعلق روایات کے درمیان تعارض ہونیکی صورت میں مذکورہ تینوں اصولوں میں سے کسی ایک اصول کی روشنی میں اجتہاد کر کے مسئلہ کا استنباط کرنے یا متعارض روایات کے درمیان غور کر کے کسی ایک کو ترجیح دیکر مسئلہ کا استنباط کیا جائے۔ اسی کو قیاس کہتے ہیں۔ اور ائمہ مجتہدین کے اس قیاس کے ثبوت پر ہم آپ کے سامنے دو حدیثیں پیش کر رہے ہیں۔

حدیث ۱: عن معاذ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لمعاذ بن جبل حین بعثہ الی الیمن فذکر کیف تقضی ان عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم یکن فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم یکن فی سنۃ رسول اللہ قال اجتہد رائی ولا آلو قال فضرب صدری فقال الحمد للہ الذی وفق رسولَ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی رسولہ۔ الحدیث مسند احمد ۵/۲۴۲، ترمذی ۱/۲۴۷، ابوداؤد ۲/۵۰۵)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کو بھیجتے وقت فرمایا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی معاملہ پیش آجائے تو تم کس طرح فیصلہ کروگے، تو فرمایا کتاب اللہ کے ذریعہ سے۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں مسئلہ نہ ملے تو کیا کروگے۔ تو فرمایا اللہ کے رسولؐ کی سنت کے ذریعے سے فیصلہ کرونگا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ میں مسئلہ نہ ملے تو کیا کروگے تو فرمایا میں اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ اور میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔ تو حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے خوش ہوکر میرے سینہ پر مار کر فرمایا ہر تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے اللہ کے رسولؐ کے فرستادہ کو اسکے رسولؐ کی مرضی کے مطابق عمل کی توفیق نصیب فرمائی۔

حدیث ۲: وعن علی قال قلتُ یا رسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر ولا نھی فما تامرنی قال شاوروا فیہ الفقہاء و العابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط ۲/۳۲۸۔ و رجالہ موثقون من اھل الصحیح۔ مجمع الزوائد ۱/۱۷۸۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سوال کیا کہ اگر ہم میں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں قرآن و سنت میں نہ کرنیکا حکم واضح ہے اور نہ ہی نہ کرنے کا حکم تو اس بارے میں آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس میں فقہاء مجتہدین اور علماء ربانیین کے مشورہ پر عمل کرو اور اپنی سمجھ اور اپنی رائے اسمیں نہ چلایا کرو۔

دَورِ حَاضر کے اہلِ قرآن

اہلِ قرآن موجودہ زمانہ میں اس گمراہ فرقہ کو کہا جاتا ہے جو اصولِ شرع میں سے صرف قرآن کو مانتا ہے، حدیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ صحابہ کو کوئی مقام نہیں دیتا بلکہ ان کا انکار کرتا ہے۔ اور اہلِ قرآن کا لفظ اس گمراہ فرقہ نے خود اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ حالانکہ اہلِ قرآن کا لفظ حضورؐ نے امت کی اس جماعت کیلئے استعمال فرمایا ہے جو ان مذکورہ تینوں اصولوں کو حجت مانتی ہے۔ اور موجودہ زمانہ کا یہ گمراہ فرقہ جو اپنے کو اہلِ قرآن کہتا ہے پوری امت اس کو اسلام سے خارج جانتی ہے۔ اس کے لئے مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

دَورِ حَاضر کے اہلِ حَدیث

موجودہ زمانہ میں اہلِ حدیث سے وہ غیر مقلدین مراد ہوتے ہیں جو اصولِ شرع کی تینوں قسموں میں سے صرف پہلی دو قسموں کو حجت مانتے ہیں یعنی کتاب اللہ، حدیثِ رسولؐ اور یہ لوگ اجماعِ صحابہ کو حجت نہیں مانتے۔ ہاں البتہ جہاں ان کا اپنا مطلب آپڑتا ہے تو مان بھی لیتے ہیں جیسا کہ نماز میں صفوں میں کھڑے ہونے کے بارے میں قدم سے قدم ملانے کی بات حضورؐ کے قول میں نہیں ہے، بلکہ صحابہ کا عمل ہے۔ اس پر یہ لوگ بضد رہتے ہیں۔ اور جہاں اپنا مطلب نہیں پڑتا وہاں نہیں مانتے جیسا کہ بیس رکعت تراویح کا مسئلہ ہے۔ گویا کہ ان کا نفس ہی ان کا امام اور ان کی شریعت ہے۔ اسلئے اس جماعت کو بھی اگر گمراہ اور فاسق ہے۔ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

ہندوستانی سلفی

سلف کا لفظ حضرات صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے لئے بولا جاتا ہے۔

ان کا زمانہ بھی خیر القرون کا ہے. اور ان کا اجماع اور قرآن وحدیث سے مستنبط کردہ مسائل امت کے لئے حجت شرعیہ ہے۔ ان کو ماننے والے ہی درحقیقت سلفی اور اہل سنت والجماعۃ ہیں۔ لیکن اب موجودہ زمانہ میں ان غیر مقلدین کو ہندوستانی سلفی کہتے ہیں جو خیر القرون کے اساطین امت اور سلف صالحین کے اجماع اور قرآن وحدیث کے مستنبط مسائل کو نہیں مانتے ہیں اور خلفائے راشدین اور فقہاء صحابہ کی شان میں سخت الفاظ استعمال کرلیتے ہیں اور عرب دنیا کو دھوکہ دینے اور ان کو دکھانے کے لئے اپنے آپ کو سلفی کہنے لگے۔ حالانکہ نہ وہ سلفی ہیں اور نہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ بلکہ سلفی اور اہل سنت والجماعت تو وہی لوگ ہیں جو سلف صالحین اور صحابۂ کرام کے تابع ہیں۔ الحمدللہ ہم مقلدین ہی اہل سنت والجماعت ہیں۔ خاصکر احناف جو ائمہ مجتہدین " امام ابوحنیفہؒ " کے مقلد ہونے کے ساتھ ساتھ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کو برحق ماننے والے ہیں، نہ کہ یہ غیر مقلدین ۔

اہلِ سنّت والجماعت

یہ وہ جماعت ہے جو کتاب اللہ اور حدیث رسولؐ صلے اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہؓ کو حجت مانتی ہے۔ یہی وہ اہل سنت والجماعت ہیں جن کے لئے حضورؐ نے ناجی ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حدیث صحیح میں ملاحظہ فرمائیے۔

وتفترق امّتی علیٰ ثلث وسبعین فرقۃ۔ (الحدیث) کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی ـــــ اس کے بعد امام ترمذیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن صحیح (ترمذی شریف ۲/ ۹۲) اور ایک دوسری حدیث شریف میں اس کا بھی اضافہ ہے کلھم فی النار الاّملۃ واحدۃ (رواہ الحاکم فی المستدرک بسند جید ۱/ ۲۱۸، ترمذی شریف ۲/ ۹۳) یعنی ان تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ یعنی ائمہ اربعہ کے ماننے والا فرقہ جنتی ہوگا۔ اور یہی امت کا سوادِ اعظم ہے اور اسی کو اہل سنت والجماعت

کہتے ہیں ہمارے ہندوستان میں بریلوی مکتبِ فکر کے لوگوں نے اپنے آپ کو اہلِ سنت ہونے کی شہرت دے رکھی ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ غیر شرعی رسُومات کے ساتھ یہ فرقہ ممتاز ہے۔ اس لئے ان کا اپنے آپ کو اہلِ سنت کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر مقلّدین اپنے آپ کو اہلِ حدیث یا سلفی کہتے ہیں۔ اور منکرینِ حدیث اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں۔

امّت کا سَوادِ اعظم ہی اہلِ سنت و الجماعت

امّت کا سوادِ اعظم ہی اہلِ سنت والجماعت ہے۔ اور دَورِ اوّل سے اب تک امّت کا سوادِ اعظم حضراتِ ائمہ اربعہ کے متبعین ہی کو سمجھا گیا ہے۔ اور ائمہ اربعہ کے متبعین کے علاوہ دُنیا کے اندر مختلف فرقے جو آئے ہیں ان میں سے کسی کو اہلِ حق نہیں سمجھا گیا ہے۔ وہ سب کے سب طائفہ زائغہ ہیں۔ ایسے فرقے آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں، جن کے اُوپر کبھی سوادِ اعظم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور سوادِ اعظم کا اطلاق صرف ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے متبعین پر ہی ہو سکتا ہے۔ اسلئے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی اتباع میں ہی نجات ہو سکتی ہے۔ جو آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے۔

اب میں اس بات کے ثبوت کے لئے چند روایات ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں، شاید کسی اللہ کے بندے کو فائدہ پہونچ جائے۔

(۱) عن ابن عمرؓ قال: قال رسُولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یجمع ھٰذہ الامّۃ علی الضّلالۃ ابدًا ویدُ اللّٰہ علی الجماعۃ فاتّبعوا السّواد الاعظم فاِنّہٗ مَنْ شذّ

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امّت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کریگا۔ اور فرمایا اللہ کی مَدد جماعت پر ہوتی ہے۔ لہٰذا تم امّت کے سوادِ اعظم یعنی بڑی جماعت کا اتباع

شُذَّ فِی النَّارِ۔ کرو۔ اور جو اس سے الگ رہیگا اسے الگ کرکے جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔

(المستدرک للحاکم ۱/۲۰۰ حدیث ۳۹۱)

(۲) عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجمع اللہ ھذہ الامۃ او قال امتی علی الضلالۃ ابدًا واتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شُذَّ فِی النارِ۔

(المستدرک للحاکم ۱/۲۰۱ حدیث ۳۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو یا یہ فرمایا کہ میری امت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کریگا۔ اور تم سب سے بڑی جماعت (سواد اعظم) کا اتباع کرو۔ جو اس سے الگ ہوگا اُسے الگ کرکے جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔

(۳) حدثنا معتمر بن سلیمان قال: قال ابوسفیان سلیمان بن سفیان المدنی عن عمر بن دینار عن بن عمر ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ ابدًا ویدُ اللہِ علی الجماعۃ ھکذا فاتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شُذَّ فِی النارِ۔

(المستدرک للحاکم ۱/۲۰۱ حدیث ۳۹۶)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آقائے نامدار علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائیگا۔ اور اللہ کی مدد ایسی ہی جماعت پر آتی ہے۔ لہٰذا تم امت کے سواد اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع کرو۔ جو اس سے الگ ہوگا اُسے الگ کرکے جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔

یہ سب روایات مستدرک حاکم میں سندِ جید کے ساتھ موجود ہیں۔ اور انکی متابعت میں مزید کئی روایات مستدرک میں موجود ہیں۔ ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ سوادِ اعظم کی اتباع لازم ہے۔ اور سوادِ اعظم کون ہے؟ اس بارے میں امت کا اتفاق اس بات پر ہوچکا ہے کہ سوادِ اعظم کا مصداق ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے متبعین ہی ہیں۔

(۴) عن انس بن مالکٍ یقول سمعتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انّ امّتی لا تجتمع علٰی ضلالۃٍ فاذا رأیتُم اختلافاً فعلیکم بالسّواد الاعظم۔

(ابن ماجہ شریف / ۲۸۳)

حضرت انس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میری امّت ضلالت و گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ لہٰذا جب تم اختلاف دیکھو تو اپنے آپ کو سواد اعظم (بڑی جماعت) کے ساتھ لازم کرلو۔

(۵) قال ابو اُمامۃَ الباھلی علیکم بالسّوادِ الاعظم۔

(مسند احمد بن حنبل ۴/ ۲۷۵ و ۲۷۸)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سواد اعظم کو لازم پکڑلو۔

ابن ماجہ کی روایت کو اگرچہ کمزور کہا جاسکتا ہے۔ لیکن مستدرک حاکم کی متعدد روایات اس کی مؤید ہیں۔ اور مستدرک حاکم میں مسلسل دس روایات اس موضوع سے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ اور انہیں سے ہم نے تین روایات آپ کے سامنے پیش کردی ہیں۔ اور وہ روایات ایسی ضعیف نہیں ہیں جو قابلِ استدلال نہوں، بلکہ وہ تمام روایات قابلِ استدلال ہیں۔ نیز مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوامامہ باہلی کا اثر ہے کہ سوادِ اعظم کو لازم پکڑو۔ اسلئے تمام امّت پر لازم ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا اتباع کرے۔ اور چاروں اماموں کے متبعین ہی درحقیقت اہلِ سنت ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی روایات سے واضح ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی اتباع نہیں کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے آپکے اہلِ سنت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو انکا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور حنفی مسلک میں بھی اگر دیکھا جائے تو سوادِ اعظم کا اطلاق دیوبندی مکتبِ فکر پر ہی ہوسکتا ہے۔ اسلئے کہ انہی میں علماء صلحاء مشائخ کثیر تعداد میں پیدا ہوئے ہیں۔ جن کے کارنامے امّت نے دیکھ لئے ہیں۔ اور دنیا بھر میں اسی مکتبِ فکر کے حنفی لوگ زیادہ ہیں، اسلئے حنفیہ میں سے اسی مکتبِ فکر کے لوگ اہلِ سُنت والجماعت کے دائرہ میں داخل ہیں۔

خیر القرون کے اہلِ قرآن واہلِ حدیث

ماقبل میں موجودہ زمانے کے اہلِ قرآن واہلِ حدیث کس کو کہتے ہیں اس کی وضاحت آپ کے سامنے آ چکی لیکن ساتھ میں یہ بات بھی معلوم ہو جانی چاہیئے کہ خیر القرون میں اہلِ قرآن واہلِ حدیث کس کو کہا جاتا تھا۔

خیر القرون یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں اہلِ قرآن اُن پکے سچے مؤمنین کو کہا جاتا تھا جنہوں نے رات ودن قرآنِ کریم کی تلاوت کو اوڑھنے بچھونے کیطرح مشغلہ بنا رکھا تھا۔ اور پوری رات نوافل میں گزار دیتے تھے۔ اور اخیر شب میں وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایسے عبادت گزار رات ودن تلاوت کرنیوالے مسلمانوں کو اخیر شب میں وتر پڑھنے کیلئے یا اھل القرآن کے لفظ کے ساتھ یاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا یَا اَھْلَ الْقُرْاٰن (ترمذی شریف ۱/۱۰۳) اب اگر اس زمانہ کے گمراہ ترین اہلِ قرآن یہ کہنے لگیں کہ حدیث میں اہلِ قرآن سے ہم ہی لوگ مُراد ہیں تو جھوٹے اور کذّاب ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ خود حدیثِ پاک کے منکر ہیں اور اہلِ قرآن کا لفظ حدیثِ پاک ہی میں موجود ہے۔

اور موجودہ زمانہ میں اہلِ حدیث کس کو کہتے ہیں اس کی وضاحت بھی ماقبل میں آ چکی لیکن خیر القرون میں اہلِ حدیث کسے کہا جاتا تھا یہ بات بھی کھل کر سامنے آجانی چاہیئے۔ حضراتِ صحابہ وتابعین اور تبعِ تابعین وائمہ مجتہدین کے زمانہ میں اہلِ حدیث اُن محدثین کو کہا جاتا تھا جن کا شمار ائمہ جرح وتعدیل میں سے تھا۔ اور لاکھوں حدیثیں سند ورجال کے حالات کے ساتھ ان کو یاد تھیں جیسا کہ امام یحیٰی بن سعید القطانؒ واحمد بن حنبل، علی ابن المدینی، شعبہ ابن حجاج، عبداللہ بن المبارک وغیرہ ہیں۔ جن کو امام ترمذی وغیرہ نے جگہ جگہ بعض اہل الحدیث کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے امام ترمذی کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

وقد ضعفہٗ بعض اھل الحدیث منھم یحیٰی بن سعید القطان واحمد

ابن حنبل۔ (ترمذی شریف ۱/ ۹۳)

اب غیر مقلدین جو منکرین اجماع صحابہ اور منکرین فقہ ہیں اور اپنے آپ کو اہلِ حدیث ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں. کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید امام احمد بن حنبل وغیرہ کو جس قدر احادیث شریفہ یاد تھیں۔ اسی طرح ان غیر مقلدین کو بھی اتنی تعداد میں احادیث یاد ہیں. تاکہ ان کو بھی ہم اہلِ حدیث کہہ سکیں، ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ غیر مقلدین بھی منکرینِ حدیث جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں انھیں کیطرح اپنے آپ کو اہلِ حدیث یا سلفی ہونیکا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ اب ہم اصل اعتراض کا جواب آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اعتراض ۱۲ کا اصل جواب

اعتراض ۱۲:۔ ان الفاظ کیساتھ تھا، امام اعظمؒ جب بغداد وارد ہوئے تو ایک اہلِ حدیث نے سوال کیا کہ رطب (پکی کھجور) کی بیع تمر (سوکھی کھجور) سے جائز ہے یا نہیں لہٰذا اہلِ حدیث کا وجود امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں ثابت ہوا۔

اس مسئلہ میں ھدایہ و درمختار کا حوالہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں البتہ صاحب غایۃ الاوطار نے درمختار کا ترجمہ کرنے کے بعد اپنی طرف سے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے اسی طرح فتح القدیر اور عنایہ میں اس واقعہ کی جانب اشارہ موجود ہے۔ لیکن یہ کہیں نہیں ہے کہ موجودہ زمانہ کے گمراہ کن اہلِ حدیث کا وجود امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں ثابت ہوا ہو اور صحیح واقعہ یہ ہے کہ جب امام ابوحنیفہؒ بغداد تشریف لے گئے تو ان سے مذکورہ مسئلہ سے متعلق بعض ایسے محدثین نے سوال کیا کہ جن کو احادیث تو خوب یاد تھیں مگر گہرائی میں پہنچکر مسائل کے استنباط کی صلاحیت ان میں نہیں تھی۔

ایسے محدثین کو اس زمانہ میں اہلِ حدیث کہا جاتا تھا تو انہوں نے یہ سوال کیا کہ رطب کی بیع تمر کے عوض میں جائز ہے یا نہیں تو امام صاحبؒ نے ان الفاظ سے فقیہانہ جواب دیا۔

الرّطب اِمّاان یکون تمرًااولم یکنُ فان کان تمرًاجازالعقد علیہٖ
لقولہٖ علیہٖ السّلام: التّمرُ بالتّمرِ وان لم یکنُ جازلقولہٖ علیہ السّلام
فاذااختلف النّوعَانِ فبیعُوا کیف شئتم۔ (فتح القدیر ۶/۱۶۹)

رطب دو حال سے خالی نہیں، یا تو تمر کی طرح ہوگی یا نہیں۔ اگر رطب تمر کی طرح ہے تو عقد جائز ہے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "التّمر بالتّمر" کی وجہ سے۔ اور اگر تمر کی طرح نہیں ہے تب بھی عقد جائز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فاذا اختلف النوعان فبیعُوا کیف شئتم" کی وجہ سے، کہ جب دو قسمیں الگ الگ ہوں تو جس طرح چاہو بیچ سکتے ہو۔ تو اس پر اس زمانہ کے بعض محدثین جن میں قوتِ اجتہاد واستنباط نہیں تھی، انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وہ روایت پیش کی جو زید بن عیاش کے طریق سے ثابت ہے، جس میں بیع کی ممانعت ہے۔
دیکھئے ترمذی شریف ۱/ ۲۳۲۔ تو اس پر امام ابوحنیفہؒ نے زید بن عیاش پر ان الفاظ سے جرح فرمائی۔

ھٰذا الحدیث دائرٌ علیٰ زید بن عیاش و زید بن عیاش ممن لایقبل حدیثہ الخ

اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے، اور زید بن عیاش کی حدیث قابلِ اعتبار نہیں

(فتح القدیر ۷/ ۳۱ مطبع بیروت ۶/ ۱۶۹ مطبع کوئٹہ)

تو امام ابوحنیفہؒ کی فراست پر اہلِ بغداد کو حیرت ہوئی۔ اور زید بن عیاش پر امام صاحب نے جو کلام فرمایا اس کو ائمہ محدثین نے مستحسن سمجھا۔

واستحسن اھل الحدیث منہ ھٰذا الطعن۔

(عنایہ مع فتح القدیر بیروتی ۷/ ۲۸، کوئٹہ ۶/ ۱۷۰)

یہاں اہلِ حدیث سے اس زمانے کے ایسے قابلِ اعتماد محدثین مراد ہیں جو جرح وتعدیل

کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان کو لاکھوں حدیثیں یاد تھیں، جیساکہ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ اور امام احمد بن حنبلؒ، عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ ہیں۔

مگر موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین نے اپنی حماقت سے اہلِ حدیث سے اپنے آپ کو مُراد لیا ہے۔ حالانکہ موجودہ زمانہ کے ان غیر مقلدین کو لاکھوں کی تعداد تو بہت دُور کی بات ہے ہزار یا پانچسو بھی حدیثیں یاد نہیں ہوتیں دیکھئے امام ترمذیؒ اہلِ حدیث کسے کہہ رہے ہیں

وقد ضعفه بعض اهل الحديث منهم يحيىٰ بن سعيد القطان و احمد بن حنبل۔ (ترمذی شریف ۱/۹۳)

امام ترمذیؒ ایک راوی پر کلام کرتے ہوئے امام یحییٰ بن سعید قطانؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کو اہلِ حدیث فرمارہے ہیں۔

لہٰذا اگر لفظ اہلِ حدیث سے موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین اور نام کے سلفی اپنے آپ کو مُراد لے سکتے ہیں تو منکرینِ حدیث جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں وہ ترمذی شریف "باب ما جاء ان الوتر ليس بحتم" کے ذیل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے اپنے آپ کو مصداق قرار دے سکتے ہیں: ان الله وتر يحب الوتر فاوتروا يا اهل القرآن" (ترمذی شریف ۱/۱۰۳) اللہ تعالےٰ وتر اور طاق ہے، اور طاق کو پسند فرماتا ہے اے اہلِ قرآن وتر پڑھا کرو۔ تو اب غیر مقلدین منکرینِ حدیث کو کیا جواب دیں گے۔ اگر غیر مقلدین جو منکرینِ اجماعِ صحابہ اور منکرین فقہ ہیں وہ لفظ اہلِ حدیث سے اپنے آپ کو مراد لے سکتے ہیں تو منکرینِ حدیث لفظ اہلِ قرآن سے اپنے آپ کو مُراد لیں گے۔ تو یہ نام کے سلفی اور نام کے اہلِ حدیث (غیر مقلدین منکرین اجماعِ صحابہ و منکرین فقہ) نام کے اہلِ قرآن (منکرینِ حدیث) کو کیا جواب دیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ حدیث پاک میں اہلِ قرآن سے اہلِ سنت والجماعت مُراد ہیں۔ اور خیر القرون میں اہلِ قرآن و اہلِ حدیث کی اصطلاح

صرف اہلِ سنت والجماعت پر ہی بولی جاتی تھی۔ نہ اس زمانہ میں موجودہ زمانہ کے منکرینِ حدیث کا وجود تھا جو اپنے کو اہلِ قرآن کہتے ہیں۔ اور نہ ہی منکرینِ اجماعِ صحابہ ومنکرینِ فقہ کا۔ جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث اور سلفی کہتے ہیں۔ بلکہ موجودہ زمانہ کے اہلِ قرآن اور اہلِ حدیث یہ دونوں بہت بعد میں گمراہی کا شکار رہے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ آج کے غیر مقلدین (منکرین اجماعِ صحابہ ومنکرینِ فقہ) نے حجازِ مقدس کے علماء کے سامنے اپنے آپ کو سلفی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ وہ سلفی نہیں ہے۔ بلکہ سلفی تو وہی ہیں جو حضرات ائمہ اربعہ اور تابعین وتبع تابعین کے قرآن وحدیث اور اجماعِ صحابہ سے مستنبط کردہ مسائل کو اپنے لئے حجتِ شرعی مانتے ہیں۔

جھک کر سلام کرنا مکروہ ہے

اعتراض ۱۳ "سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔" (بحوالہ عالمگیری ۴/ ۳۴۵)

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے، اور یہی حدیث شریف سے ثابت ہے۔

جب حنفیہ خود اس کے قائل ہیں تو حنفیہ پر اس کے ذریعہ کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں کیا غیر مقلدین جھک کر سلام کو جائز کہتے ہیں۔؟ حنفیہ کے نزدیک تو مکروہ ہے۔ اگر وہ لوگ جائز کہتے ہیں تو حدیث کے خلاف وہ کرتے ہیں حنفیہ نہیں کرتے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن انس بن مالکؓ قال: قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ؟ قال: لا۔ قال افیلتزمہ ویقبلہ قال لا، فیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم (ترمذی شریف ۲/ ۱۰۲) وفی حاشیۃ الترمذی المسمی بعرف الشذی و اما الانحناء عند الملاقاۃ فمکروہ تحریمًا کما فی فتاوی الحنفیۃ۔ (ترمذی ۲/ ۱۰۲)

حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی آدمی جب اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرے تو کیا اس کیلئے سر جھکائے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں جھکائے گا، تو سائل نے پھر سوال کیا، ملاقات کے ساتھ اس سے معانقہ کرے اور اس کو بوسہ دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی نہیں۔ کیونکہ خوف فتنہ ہے۔ پھر سوال کیا۔ کیا ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں مصافحہ کرے۔ اور اس کے حاشیہ میں العرف الشذی میں فرمایا کہ ملاقات کے وقت سر جھکانا مکروہ ہے۔ جیساکہ حنفیہ کے فتاوی میں ہے۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی محنت کر کے دیکھے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے ہر مسئلہ کے مطابق کوئی نہ کوئی آیت کریمہ یا کوئی نہ کوئی حدیث شریف ضرور ملے گی، مگر یہ غیر مقلدین حضرات صحابۂ کرام سے بغض وعناد کی وجہ سے اجماعِ صحابہ کو نہیں مانتے۔ اور حضرات ائمہ مجتہدین سے بغض وعناد کی وجہ سے فقہ کو نہیں مانتے۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھوں سے

اعتراض ۱۴: ”مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا اکثر روایات صحاح سے ثابت ہے۔“ (بحوالہ ہدایہ ۴/۲۴۴)

یہ الفاظ نہ ہدایہ کے متن میں ہیں نہ حاشیہ میں۔ البتہ مترجم نے اپنی طرف سے ترجمہ کے بعد بطور شرح کے لکھا ہے، اس لیے نہ اس کو صاحب ہدایہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے، اور نہ ہدایہ کے محشی کی طرف۔ البتہ عین الہدایہ کے مصنف نے ترجمہ کے بعد اپنی طرف سے یہ بات لکھی ہے۔ لیکن جہاں انہوں نے یہ بات لکھی ہے وہاں پر یہ بات بھی تحریر فرمائی ہے کہ بعض روایات میں دونوں ہاتھ بھی مروی ہیں، اور ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ دونوں کے درمیان میں وسعت ہے۔ اور بنظرِ فضیلت ”یعنی گناہ جھڑ جاتے ہیں“ لوگوں نے دونوں ہاتھ کو پسند کیا۔ یہ عین الہدایہ کی پوری عبارت ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے کریں یا دونوں ہاتھوں سے۔ اس سے دونوں طرح کی باتیں احادیثِ شریفہ سے ثابت ہوئیں۔ لیکن یہ بات بھی حدیث شریف میں ہے کہ مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ جب ایک ہاتھ سے مصافحہ کرے گا تو ایک ہاتھ کے گناہ جھڑیں گے اور جب دونوں ہاتھ سے کریگا تو دونوں ہاتھوں کے گناہ جھڑیں گے، اسی لئے حنفیہ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا افضل کہا ہے۔ اور یہ کہیں نہیں کہا ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ

سے جائز نہیں ہے بلکہ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔ ہاں البتہ دونوں ہاتھوں سے کرنے میں گناہ زیادہ جھڑتے ہیں اسلئے دونوں ہاتھوں سے کرنے کو افضل کہا ہے۔ دیکھئے گناہ جھڑنے کی روایت اس طرح کے الفاظ سے مروی ہے۔

عن حذیفة رضی الله عنه قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم اذا لقی المؤمن المؤمن فقبض احدهما علی ید صاحبه تناثرت الخطایا منهما کما تتناثر اوراق الشجر۔ (شعب الایمان ۶/ ۴۷۴)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤمن دوسرے مؤمن سے ملاقات کرے اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کریں تو دونوں سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسا کہ خزاں کے موسم میں درختوں کو ہلانے سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

نیز کیا غیر مقلدین عین الہدایہ کی مذکورہ عبارت سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو ناجائز ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ یا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حنفیہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کو ناجائز کہتے ہیں جب یہ دونوں باتیں عین الہدایہ کی عبارت سے ثابت نہیں ہیں تو آخر اس اعتراض کا مقصد کیا ہے؟

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی روایات

ایک ہاتھ سے مصافحہ کی روایات آپ کو معلوم ہیں اسلئے ان کو ذکر نہیں کرتے ہیں۔ اور غیر مقلدین دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو مشروع نہیں سمجھتے اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ اسلئے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی چند روایات ذیل میں درج کردیتے ہیں۔

حدیث (۱) حدثنا ابو نعیم قال: حدثنا سیف بن سلیمان قال سمعت مجاهدًا یقول حدثنی عبد الله بن سخبرة ابو معمر قال: سمعت ابن مسعود یقول علمنی النبی صلی الله علیه وسلم وکفی

بين كفيه التشهد كما يعلمنى السّورة من القراٰن التحيات لله۔

(بخاری شریف ۲/۹۲۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں التحیات سکھائی کہ میری ہتھیلی حضورؐ کی دونوں ہتھیلی کے درمیان میں تھی اور التحیات اس طرح سکھائی جیسا کہ قرآن کریم کی سورتیں سکھایا کرتے تھے۔

حدیث (۲) عن امامة انّ رسُول اللهِ صَلى الله عليه وسَلم قال: اذا تصافح المسلمان لم تفرق اكفهما حتى يغفر لهما۔

(المعجم الكبير للطبراني ۸/۲۸۱ حديث ۸۰۷۶ مجمع الزوائد ۸/۳۷)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کریں تو ان دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے دونوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اثر (۳) باب الاخذ باليدين وصَافح حمّادُبن زيد ابنَ المبارك بيديه۔

(بخاری شریف ۲/۹۲۶)

ترجمہ: امام بخاریؒ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے باب کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ امام حماد ابن زید نے عبداللہ ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ملایا ہے۔

حدیث میں لفظ ید دونوں ہاتھوں کیلئے

لفظ ید کا استعمال حدیث پاک میں دونوں ہاتھوں کے لئے کثرت کے ساتھ ہوا ہے۔ اور عربی زبان کے محاورہ میں بھی ید کا لفظ دونوں ہاتھوں کے لئے استعمال ہونا کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ چونکہ ہم کو یہاں پر لمبی بحث نہیں کرنا ہے اس لئے بطور صرف ایک ایسی حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس میں لفظ ید دونوں ہاتھوں کے لئے قطعی طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس میں لفظ ید سے ایک ہاتھ مراد لینے کا احتمال بھی باقی نہیں ہے۔ بلکہ دونوں ہاتھ مراد ہونے پر پوری

امت کا اتفاق ہے ۔حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں ۔پھر ان دونوں کتابوں میں سے اس کتاب کے بارےمیں فرمایا جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایسی کتاب ہے جسمیں اہل جنت کے نام اور ان کے باپ دادا اور ان کے قبائل کے نام ہیں اور پھر سب کے نام بنام ٹوٹل لگا کر جوڑ لیا گیا ہے، نہ ان میں زیادہ کیا جائے گا اور نہ انمیں سے کبھی کم کیا جائیگا۔ اس کے بعد اس کتاب کے بارےمیں فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی۔کہ یہ رب العالمین کیطرف سے ایسی کتاب ہے جسمیں اہل جہنم اور ان کے باپ دادا اور انکے قبائل کے نام موجود ہیں ۔اور پھر ان میں کبھی کمی نہیں کیجائے گی۔ اس حدیث شریف میں لفظ ید کا استعمال قطعی طور پر دونوں ہاتھوں کیلئے ہوا ہے ۔اب حدیث شریف کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی یدہ کتابان فقال اتدرون ماھذان الکتابان فقلنا لا یا رسول اللہ الا ان تخبرنا فقال للذی فی یدہ الیمنی ھذا کتاب من رب العلمین فیہ اسماء اھل الجنۃ واسماء اٰبائھم و قبائلھم ثم اجمل علیٰ اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدًا ثم قال للذی فی شمالہ ھذا کتاب من رب العلمین فیہ اسماء اھل النار واسماء اٰبائھم وقبائلھم ثم اجمل علیٰ اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدًا (ہذا حدیث حسن صحیح غریب ترمذی ۳۶/۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے پاس اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں ۔اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ دونوں کتابیں کیسی ہیں ۔تو ہم نے کہا نہیں یارسول اللہ مگر یہ کہ آپ ہم کو بتلادیں ۔پھر آپ نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایسی کتاب ہے جس میں اہل جنت ، ان کے باپ دادا اور ان کے قبائل کے نام ہیں ، اور پھر سب کا حساب آخر تک جوڑ کر رکھ لیا گیا ہے ۔ان میں پھر کبھی کمی زیادتی نہیں ہوگی ۔ پھر اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں

تھی کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایسی کتاب ہے جس میں اہل جہنم اور انکے باپ دادا اور انکے قبائل کے نام ہیں اور پھر آخر تک حساب لگا کر جوڑ لیا گیا ہے۔ لہٰذا ان میں کبھی کمی زیادتی نہیں ہوگی۔

اس حدیث شریف میں "وفی یدہ کتابان" میں لفظ ید دونوں ہاتھوں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اگر مسئلہ مصافحہ میں جہاں جہاں ید کا لفظ آیا ہے تو وہاں پر دونوں ہاتھ مُراد لیا جائے تو کیا اشکال ہے؟ نیز مصافحہ کرنے سے ہاتھوں سے گناہ جھڑتے ہیں۔ جیساکہ ما قبل میں حضرت حذیفہؓ کی روایت سے واضح ہوا ہے۔ اور جب دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائیگا تو دونوں ہاتھوں سے گناہ جھڑیں گے۔ اس لئے حنفیہ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو افضل کہا ہے۔ جو اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔ مگر غیر مقلدین حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بغض وعناد کی وجہ سے اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں میں اتفاق عطا فرمائے اور تفریق بین المسلمین کا یہ سلسلہ ختم کر دے۔

بخاری شریف میں ایک دوسری روایت ہے جس میں لفظ ید کو دونوں ہاتھوں کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس میں ید کا لفظ ایک ہاتھ کے لئے احتمال ہی نہیں رکھتا ہے۔ ہر عربی داں ید کے لفظ سے دونوں ہاتھ مراد لینے پر مجبور ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابی ھُریرۃ انّ رسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا استیقظ اَحَدُکم مِن نومہ فلیغسِل یَدَہٗ قبل ان ید خلھا فی وضوئہٖ فانّ اَحَدَکم لایدری این باتت یَدُہٗ۔ الحدیث۔ (بخاری شریف ۱/۲۸ حدیث نمبر ۱٦۲ ترمذی ۱/۱۳، مسلم شریف ۱/۱۳٦)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہوجائے تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو ضرور دھولے۔ اسلئے کہ تم میں سے کسی کو یہ پتہ نہیں ہے کہ اس کے دونوں ہاتھوں نے کہاں رات گذاری۔

اس حدیث شریف کے اندر لفظِ یَد سے دونوں ہاتھوں کو مُراد لیا گیا ہے۔ اور دونوں ہاتھ دھونے کا حکم کیا گیا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہاں پر لفظ یَد سے ایک ہی ہاتھ مُراد ہے۔ جس طرح ان روایات میں لفظِ یَد سے دونوں ہاتھ مراد ہیں اسی طرح مصافحہ کی روایات میں بھی جہاں جہاں یَد کا لفظ آیا ہے وہاں پر دونوں ہی ہاتھ مراد ہیں۔ لہٰذا غیر مقلّدین مسئلہ مصافحہ میں یَد کے لفظ سے ایک ہاتھ مراد لینے پر جو ضد پر قائم ہیں وہ آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشادات اور حدیث کی مخالفت پر مبنی ہے۔ اور حدیثِ رسول کے مطابق جو لوگ مصافحہ کی روایات میں لفظِ یَد سے دونوں ہاتھ مُراد لیتے ہیں ان کی بات آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کے عین مطابق ہے۔ خدا کرے ان روایات کو پڑھنے کے بعد غیر مقلد بھائیوں کی رائے بھی بَدل جائے۔ اور لفظِ یَد سے دونوں ہاتھ مراد لیں۔

اجنبی عورتوں سے مُصَافحہ

(اعتراض ۱۵) "بیعت میں عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں"۔
(بحوالہ ہدایہ ۴ / ۴۴۴)

غیر مقلّدین کی طرف سے یہ بھی ایک اعتراض ہے کہ بیعت کے وقت عورتوں سے مُصافحہ جائز نہیں۔ حنفیہ کی طرف سے یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ حنفیہ کا یہی مسلک اور یہی عقیدہ ہے کہ بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ کرنا یا ہاتھ مِلانا ناجائز اور حرام ہے۔ متعدد

احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ یا ہاتھ نہیں ملاتے تھے۔ اگر کوئی شخص فاسق و فاجر چھوٹا یا بڑا بن کر اس طرح سے اجنبی عورتوں سے ہاتھ ملاتا ہے تو وہ خود بدعمل اور بد دین ہے۔ اسکی اس بدعملی کا مسلک حنفی سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اسکا ذمہ دار وہ خود ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔

عن عائشۃؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یمتحن من ھاجر الیہ من المؤمنات بھذہ الآیۃ بقول اللہ یا ایھا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک الآیۃ، قال عروۃ قالت عائشۃ فمن اقر بھذا الشرط من المؤمنات قال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعتک کلاما، ولا واللہ ما مست یدہ ید امرأۃ قط فی المبایعۃ ما یبایعھن الا بقولہ قد بایعتک علی ذلک۔

(بخاری شریف ۲/۷۲۶، ۲/۱۰۷۲)

وفی الھدایۃ ولا یحل لہ ان یمس وجھھا ولا کفھا وان کان یأمن الشھوۃ۔

(ہدایہ ۴/۴۴۲ جامع الاحادیث للسیوطی ۶/۵۳۰ فتاوی محمودیہ ۱/۱۴۵)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ قرآن کریم کی اس آیت کیوجہ سے ان مؤمن عورتوں کا امتحان لیا کرتے تھے جو ہجرت کر کے آپؐ کے پاس آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے نبیؐ جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں بیعت کیلئے آئیں تو ان کا امتحان لیا کریں۔ اور عُروہ کی روایت میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو عورت اس شرط پر قائم رہتی اس سے آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمکو زبانی گفتگو سے بیعت کر لی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتے تھے یعنی ہاتھ سے مصافحہ نہیں کرتے تھے اور اللہ کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بیعت کے اندر کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں کیا ہے اور اپنے قول سے بیعت کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمکو بیعت کر لیا ہے۔ اور ھدایہ جو فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب ہے اسمیں ہے کہ مرد کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ عورت کے چہرہ یا ہتھیلی کو چھوئے۔ اگرچہ شہوت کا خطرہ نہ ہو۔

کیا غیر مقلدین یہ سمجھتے ہیں کہ حنفی مسلک کے علماء بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ کو جائز کہتے ہیں؟ یا حنفیہ کی کسی معتبر کتاب میں ایسا دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں دیکھا ہوگا بلا وجہ اس قسم کے مسائل کو چھیڑ کر عامۃ المسلمین کو تردد میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیا یہی تمہارا دین ہے؟

داڑھی منڈانا کترانا حرام ہے

اعتراض ۱۶) "داڑھی منڈانا کترانا حرام ہے۔ کفار و مجوسی کی رسم ہے۔ عورتوں کی تشبیہ ہے۔" (بحوالہ درمختار ۱/۵۲۴)

کتاب کا حوالہ درست ہے نیز نفس مسئلہ بھی صحیح ہے۔ داڑھی کا ایک مشت سے کم کتروانا یا حلق کرانا حرام ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے تو اب یہاں یہ سوال ہے کہ اس مسئلہ سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں؟ اب رہی یہ بات کہ داڑھی منڈانے والے یا کترانے والے کا عمل تو وہ انکا ذاتی عمل ہے جو منشاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اور یہ بدعملی صرف حنفی مسلک کے لوگوں میں محدود نہیں بلکہ دُنیا کے تمام مسلک کے عوام میں کثرت کے ساتھ یہ بدعملی پائی جاتی ہے۔ غیر مقلدین کے عوام میں بھی کثرت سے یہ بدعملی موجود ہے جو امت میں نہیں ہونا چاہیئے تو صرف حنفیہ کو کیوں نشانہ بنایا گیا؟ نیز مسلک حنفی کے ذمہ دار علماء اور مفتیانِ کرام و مشائخ عظام میں سے کسی کی بھی داڑھی ایک مشت سے کم کٹی ہوئی یا منڈی ہوئی نہیں ملے گی۔ اس کے برخلاف ہزاروں غیر مقلدین جو اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں اس گناہ میں مبتلا ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احفوا الشارب واعفوا اللحیٰ (نسائی شریف ۱/، مطبع اشرفی ۱/۴) درمختار میں ہے " ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ (درمختار ۲/۲۵۰، درمختار مع الشامی زکریا ۹/۵۸۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضورؐ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مونچھوں کو کاٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ اور درمختار میں ہے کہ اسی وجہ سے مرد کے لئے داڑھی کٹوانا حرام ہے ۔

ٹخنوں سے نیچے لنگی یا پاجامہ کی حرمت

(اعتراض ۱۷) "ٹخنوں سے نیچے لنگی یا پاجامہ لٹکانا حرام ہے"۔
(بحوالہ مالا بدمنہ ۷۲/)

یہ مسئلہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ مرد کیلئے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا حرام ہے ۔ یہی حنفیہ کا عقیدہ اور مسلک ہے: حدیث پاک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال: سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ازرۃ المؤمن الیٰ انصاف ساقیہ لاجناح علیہ فیما بینہٗ وبین الکعبین وما اسفل من ذٰلك ففی النار قال ذٰلك ثلٰث مرات ولا ینظر اللہ یوم القیٰمۃ الیٰ من جرّ ازارہٗ بطرًا. رواہ ابوداؤد ۲/۵۶۶، وابن ماجۃ /۲۵۵ کتاب اللباس۔ ومثلہ عن ابی ھُریرۃ رواہ البخاری ۲/۸۶۱ (مشکوٰۃ شریف ۳۷۳/) ثلاثۃ لایکلمھم اللہ یوم القیامۃ المنان (وقولہ) والمنفق سلعتہ بالحلف الفاجر و المسبل ازارہٗ (مسلم شریف ۱/۷۱)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سُنا آپ نے فرمایا کہ مؤمن مرد کا لباس نصف ساق تک مسنون ہے اور پنڈلی اور کعبین کے درمیان میں ہو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اور جسکا لباس اس سے نیچے ہوگا تو وہ جہنم میں ہوگا۔ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کیطرف نظرِ رحمت نہیں کریگا جس نے اپنی لنگی یا پائجامہ غرور و فخر میں ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہے۔ اور بخاری شریف میں انہیں الفاظ کے کیساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اور مسلم شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے کلام نہیں فرمائیگا۔ احسان کرکے جتلانے والا ۔ اور جھوٹی قسمیں کھاکر اپنا سامان

بیچنے والا، اور ٹخنوں سے ازار لٹکانیوالا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کو نقل کر کے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حنفیہ تو مرد کیلئے بلا عذر ٹخنوں سے کپڑا لٹکانے کو حرام سمجھتے ہیں کیا غیر مقلدین نے کہیں حنفیہ کا کوئی ایسا فتویٰ دیکھا جس میں مرد کیلئے ٹخنوں سے نیچے بلا عذر کپڑا لٹکانا جائز لکھا ہو؟

معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض لکھنے والے کے دماغ میں جنون ہے۔ اعتراض لکھنے کے ذہن میں مجنون اور پاگل بن گیا ہے۔

بے نمازی کی سزا

اعتراض ۱۸ "بے نمازی کو امام اعظمؒ کے نزدیک ہمیشہ قید میں رکھنا واجب ہے" (بحوالہ ہدایہ ۱/ ۲۵ مالابدمنہ/ ۱۱)

تارک الصلوٰۃ کو قید میں رکھنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اس مسئلہ کو غیر مقلدین نے حنفیہ پر الزاماً عائد کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ حنفیہ پر کیا الزام عائد کرنا چاہتے ہیں؟ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تارکِ صلوٰۃ کو نماز کے ترک کرنے پر ضربِ شدید کا حکم ہے پھر بھی اگر نماز نہ پڑھے تو قید خانہ میں ڈال دینے کا حکم ہے یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے، اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قتل کر دینے تک کا حکم ہے۔ اب غیر مقلدین اس مسئلہ کے ذریعہ حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ قید خانہ میں داخل کیوں نہیں کیا جاتا؟ کیا یہی الزام عائد کرنا چاہتے ہیں؟ تو پھر تو ائمہ ثلاثہ کے ماننے والوں پر یہ الزام عائد ہوگا کہ قتل کیوں نہیں کیا جاتا؟

در اصل بات یہ ہے کہ قید خانہ میں ڈالنا یا قتل کر دینا اسلامی حکومت میں امیر یا قاضئ اسلام کے حکم کے ساتھ مقید ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہے تو بے نمازی کے اوپر مذکورہ سزا مرتب ہونی چاہئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مسلکِ امام اعظمؒ یہی ہے۔

قال الزهری یضرب ویسجن وبه قال ابو حنیفة۔ (المغنی لابن قدامہ ۲/۱۵۶)
امام زہریؒ نے فرمایا تارکِ صلوٰۃ کو پٹائی کرکے جیل خانہ میں ڈال دیا جائے۔ اور یہی امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا۔

مالا بدّمنہ میں ہے "نزد امام اعظمؒ اورا (یعنی تارکِ نماز) حبسِ دائمی واجب است تاکہ توبہ کند"۔ (مالا بدمنہ/۱۳)

مجمع الانہر میں ہے: وتارکها عمداً تکاسلاً فاسق یحبس حتی یصلی وقیل یضرب حتی یسیل منه الدم مبالغة فی الزجر (مجمع الانہر ۱/۱۴۰)

الدر المنتقی علی حاشیہ مجمع الانہر میں ہے۔ ولا یقتل تارک الصلوٰۃ عمداً او کسلاً او تهاوناً بل یفسق فیضرب ویحبس۔ (الدر المنتقی ۱/۱۴۲)

ترجمہ: مجمع الانہر میں ہے کہ جان بوجھ کر سستی اور کسل سے تارک صلوٰۃ فاسق ہے اس کو قید خانہ میں ڈالدیا جائے۔ یہاں تک نماز پڑھنے لگے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زجر و توبیخ میں زیادتی کیلئے اسکو ایسی مار ماری جائے کہ اس سے خون بہہ پڑے۔ الدر المنتقی میں ہے کہ تارکِ صلوٰۃ کو قتل نہ کیا جائے۔ چاہے نماز جان بوجھ کر یا سستی یا لاپرواہی سے ترک کرتا ہو۔ بلکہ اسکو فاسق قرار دیکر خوب مارا جائے اور قید میں ڈالدیا جائے۔

اگر اب غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ان سزاؤں کے ساتھ اسلامی حکومت کی قید کہاں ہے؟ تو ہم ان سے بڑے ادب سے گذارش کرتے ہیں کہ غیر مقلدین کے یہاں بھی ہر روز بے نمازی ملیں گے ذرا ہندوستان جیسے ممالک میں ایک ڈو کو قید خانہ میں ڈالکر یا قتل کرکے دکھادیں اس کے بعد حنفیہ پر اعتراض کریں۔

گردن کے مسح کا فلسفہ

(اعتراض ۱۹) "گردن کا مسح بدعت ہے اور اس کی حدیث موضوع ہے۔"
(بحوالہ درمختار ۱/۵۸)

اس مسئلہ میں درمختار کا حوالہ وہ غلط ہے۔ اسمیں گردن کے مسح کو نہ بدعت کہا ہے۔
اور نہ ہی حدیث کو موضوع کہا ہے بلکہ گردن کے مسح کو اس کے برعکس مستحب کہا ہے۔ ہاں البتہ
دوسری کتابوں میں قول ضعیف کے ساتھ دوسرے لوگوں کیطرف منسوب کرکے گردن کے مسح
کو بدعت کہا ہے۔ اور جن کتابوں میں گردن کے مسح کو بدعت کہا گیا ہے وہ قولِ ضعیف اور اس کا
کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسی لئے فتح القدیر اور البحر الرائق میں اس قول کو قیل سے تعبیر کیا گیا ہے
اور حنفیہ کا قول صحیح اور قول راجح اور مفتی یہ یہی ہے۔ کہ گردن کا مسح مستحب اور آدابِ وضوء میں
سے ہے۔ ہاں البتہ حلق کا مسح حنفیہ کے نزدیک بدعت ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

ومسح الرقبة مستحبٌ بظهر اليدين و
الحلقوم بدعة وقيل مسح الرقبة ايضًا
بدعة وفيما قدمنا من رواية اليامي
انهٗ صلى الله عليه وسلم مسح الرقبة
مع مسح الرأس، وفي حديث وائل المقدم
وظاهر رقبته (فتح القدير ۱/۳۶) وفي
الطحطاوی علی مراقی الفلاح ان مسح الرقبة
مع مسح الرأس روی ابن عمر انه كان
اذا توضأ مسح عنقه ويقول قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم من
توضأ ومسح عنقه لم يغل بالاغلال
يوم القيامة۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۱/۴۱)
درمختار میں ہے۔ "ومسح الرقبة بظهر يدين
لا الحلقوم لانه بدعة۔ (درمختار ۱/۲۳)

اور گردن کا مسح ہاتھوں کے ظاہری حصہ سے مستحب ہے
اور حلقوم کا مسح بدعت ہے۔ اور ضعیف قول میں گردن
کے مسح کو بدعت کہا گیا ہے اور ماقبل میں حضورؐ سے مروی
ہے کہ آپؐ نے سر کے مسح کے ساتھ گردن کا بھی مسح فرمایا ہے
اور حضرت وائل ابن حجر کی ماقبل کی روایت میں گردن
کے ظاہری حصہ پر مسح کا حکم آیا ہے۔ اور طحطاوی میں ہے
کہ گردن کا مسح سر کے مسح کے ساتھ کیا جائے۔ اور حضرت
ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ جب وضوء فرماتے تو گردن
کا بھی مسح فرماتے اور ساتھ میں یہ بھی فرماتے تھے کہ حضورؐ
نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وضوء میں گردن کا مسح کرے
قیامت کے دن اسکے گلے میں خیانت کا طوق نہیں ڈالا
جائیگا۔ اور درمختار میں ہے کہ ہاتھ کے ظاہری حصے سے
گردن کا مسح کیا جائے حلقوم کا مسح نہ کیا جائے۔ اسلئے کہ
وہ بدعت ہے۔ گردن کا مسح مستحب ہے اور یہی صحیح قول ہے

وفی شامیۃ: ومسح الرقبۃ ھو الصحیح وقیل انہ سنۃ کما فی البحر وغیرہ۔ (شامی زکریا ۱/۲۴۸)

اور ایک دوسرے قول میں سنت کہا ہے۔ جیسا کہ البحر وغیرہ میں ہے۔

عالمگیری "الفصل الثالث فی المستحبات" میں ہے مسح الرقبۃ وھو بظھر الیدین اما مسح الحلقوم فبدعۃ۔ (عالمگیری ۱/۸)

اور عالمگیری میں ہے کہ ہاتھ کے ظاہری حصہ سے گردن کا مسح کیا جائے اور حلقوم کا مسح بدعت ہے۔

بحر میں ہے۔ قولہ ومسح رقبتہ؛ وقد اختلف فیہ وقیل سنۃ وھو قول الفقیہ ابی جعفر وبہ اخذ کثیر من العلماء کذا فی شرح مسکین وفی الخلاصۃ الصحیح انہ ادب وھو بمعنی المستحب کما قدمناہ، واما مسح الحلقوم فبدعۃ۔ (البحر الرائق کراچی ۱/۲۸) وفی المعجم الکبیر عن وائل بن حجر (فی حدیث طویل) فغسل وجھہ ثلاثا الی ان قال ثم مسح رقبتہ وباطن لحیتہ بفضل ماء الرأس (المعجم الکبیر ۲۲/۵۰)

اور البحر الرائق میں ہے کہ گردن کے مسح میں اختلاف ہے اور ایک قول میں سنت ہے۔ اور سنت کے قول کو فقیہ ابو جعفر اور جمہور علماء نے اختیار کیا ہے۔ اور شرح مسکین اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے کہ صحیح اور راجح یہی ہے کہ گردن کا مسح وضو کے آداب اور مستحبات میں سے ہے۔ اور حلقوم کا مسح بدعت ہے۔ اور معجم کبیر میں حضرت وائل بن حجر سے اس موضوع پر ایک لمبی حدیث مروی ہے اس میں ہے کہ چہرے کو تین مرتبہ دھوئے اور سلسلہ گفتگو چل رہا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ پھر گردن کا مسح کرے اور داڑھی کے اندر کا خلال کرے سر کے بچے ہوئے پانی سے۔

اور گردن پر مسح کی حدیث کو حنفیہ کی کسی کتاب میں موضوع نہیں کہا گیا ہے۔ غیر مقلدین نے در مختار کا حوالہ غلط دیا ہے۔ در مختار میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے۔ بلکہ گردن کے مسح کی روایت کی سند میں محمد بن حجر کے کچھ متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ روایت کو ضعیف کہا جا سکتا ہے۔ وہ بہر حال متہم بالکذب نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن حبانؒ، امام بخاریؒ اور علامہ ذہبی نے صرف ضعیف اور منکر کہا ہے۔ مگر کسی نے بھی ان کی روایت کو موضوع نہیں کہا۔ پوری تفصیل معجم کبیر ۲۲/ ۵۰ حدیث ۸/ ۱۱ اور اس کے حاشیہ پر موجود ہے۔ حیرت یہ ہے کہ جب حنفیہ نے گردن کے مسح کو بدعت نہیں کہا ہے اور نہ ہی اس کی حدیث کو

موضوع کہا ہے. تو کیوں اس کو لیکر حنفیہ پر اشکال کر رکھا ہے؟

قضاء نمازوں کے لئے اذان واقامت

(اعتراض نمبر ۲۰) "قضاء نمازوں کے لئے اذان واقامت کہنا سنت ہے" (بحوالہ درمختار ۱/۱۸۱)

یہ غیر مقلدین کیطرف سے اعتراض کی عبارت ہے. یہ لوگ حنفیہ پر اس مسئلہ کے ذریعہ کیسا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ حنفیہ کے یہاں تو یہی مسئلہ ہے کہ قضاء نمازوں کیلئے بھی اذان واقامت مسنون اور مستحب ہے. احناف کی کتب فقہ میں بعض جگہ مطلقاً یہی مسئلہ لکھا ہوا ہے، اور بعض جگہ جماعت کی قید بھی ہے لیکن بہرحال مسلک احناف یہی ہے. اگر غیر مقلدین جو نام کے سلفی ہیں اور اجماع صحابہ وفقہ اسلامی کے منکرین ہیں. ان کے یہاں اس سے ہٹ کر کوئی دوسرا مسئلہ ہے تو اس کو وہ لوگ جانیں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں. ہمارے یہاں تو قضاء نمازوں کیلئے بھی اذان واقامت مسنون ہے. اور اس مسئلہ کی دلیل میں دُو حدیثیں اور تین فقہ کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

۱ حدیث لیلۃ التعریس ہے. حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

عن یزید بن ابی مریم عن ابیه قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرٍ فاسرینا لیلۃً فلما کان فی وجہ الصبح نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنام ونام الناس فلم یستیقظ الا بالشمس قد طلعت علینا فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤذن فأذن ثم صلی الرکعتین

(۱) حضرت یزید بن ابی مریم اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھے اور رات بھر چلتے رہے جب صبح کے قریب ہوئی تو آپؐ اور صحابہ ایک مقام پر اتر کر سو گئے پھر آپؐ جاگ نہ سکے مگر سورج کی روشنی کی تیزی سے بیدار ہوئے تو آپؐ نے مؤذن کو اذان کا حکم فرمایا تو اذان ہوگئی. پھر آپؐ نے فجر سے پہلے کی دُو رکعت سنت پڑھی پھر مؤذن کو اقامت کا حکم فرمایا اسکے بعد آپؐ نے

قبل الفجر ثم امرہ فقام فصلی بالناس ثم حدثنا ماھو کائن حتی تقوم الساعۃ (نسائی ۱/۲، اشرفی)

لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر اسکے بعد آپؐ نے ہم سے وہ باتیں بیان فرمائیں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔

(۲) غزوۂ خندق کی روایت۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال: ان المشرکین شغلوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اربع صلوٰۃ یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ما شاء اللہ فامر بلال فاذن ثم اقام فصلی الظھر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء قال ابو عیسی حدیث عبد اللہ لیس باسنادہ باس۔ (ترمذی شریف ۱/۴۳)

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ خندق کے دن مشرکین نے آپکو چار نمازوں سے محروم کر دیا حتیٰ کہ رات کا بھی کچھ حصہ گذر گیا تو حضور ؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان پھر اقامت کا حکم فرمایا تو ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی تو عصر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی تو مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی تو عشاء کی نماز پڑھی۔

(۳) تاتارخانیہ میں ہے: ومن فاتتہ صلوٰۃ عن وقتہا فقضاھا فی وقت آخر اذن لھا و اقام واحدًا کان او جماعۃ۔ (تاتارخانیہ ۱/۵۴۴)

(۳) تاتارخانیہ میں ہے کہ جس شخص کی نماز وقت سے قضاء ہو جائے تو اس کو دوسرے وقت میں اذان اور اقامت کے ساتھ قضاء پڑھنی چاہئے تنہا پڑھے یا جماعت کیساتھ۔

(۴) درمختار میں ہے: ویسن ان یؤذن ویقیم لفائتۃ رافعًا صوتہ لو بجماعۃ او صحراء لا ببیتہ منفردًا وکذا یسنان لاولی الفوائت لا لفاسدۃ۔ ویخیر فیہ للباقی لو فی مجلس وفعلہ اولی ویقیم للکل۔ (درمختار مع ردالمحتار مصری ۱/۲۹۲، شامی زکریا ۲/۵۰)

(۴) درمختار میں ہے کہ قضاء نماز کیلئے اذان دینا اور بلند آواز سے اقامت کہنا مسنون ہے۔ اگر جماعت کیساتھ پڑھی جائے یا صحراء میں پڑھی جائے نہ کہ گھر میں تنہا پڑھنے کی صورت میں۔ اور ایسا ہی قضاء نمازوں میں سے پہلی نماز کیلئے اذان مسنون ہے۔ فاسد نماز کیلئے نہیں اور باقی قضاء نمازوں کیلئے اذان دینے میں اختیار ہے اگر ایک مجلس میں پڑھی جائے۔ اور اذان دینا اولیٰ اور بہتر ہے۔ اور ہر قضاء نماز کیلئے تکبیر کہنا مسنون ہے۔ اور قضاء نمازوں میں سے پہلے کے علاوہ باقی کیلئے اقامت میں

(۵) لا یخیر فی الاقامۃ للباقی بل یکرہ

ترکھا کمافی نور الایضاح ۔ (شامی زکریا ۲/۵۸ کبیری/ ۳۵۷، البحر الرائق ۵/۲٦۱، فتاویٰ دارالعلوم ۲/۹٦) اختیا نہیں ہے بلکہ ترک اقامت مکروہ ہے جیساکہ نورالایضاح میں ہے ۔

سر کھول کر نماز پڑھنا

> (اعتراض ۲۱) " انکساری کیلئے سر کھول کر نماز پڑھنا درست ہے "۔
> (درمختار ۱/۲۹۹)

مسئلہ اور حوالہ دونوں اپنی جگہ درست ہیں غیر مقلدین جو سر کھول کر نماز پڑھتے ہیں ۔ وہ کس عاجزی کی بنا پر پڑھتے ہیں ۔ اور حنفیہ کے یہاں سر کھول کر نماز پڑھنے سے ہر حال میں نماز صحیح ہو جاتی ہے لیکن گفتگو افضلیت اور اولویت پر ہے بلا کسی عذر یا عاجزی کے سر کھول کر نماز پڑھنا خلافِ سنت اور فضیلت سے محرومی اور مکروہ ہے ۔ نیز حضور سے سر کھولکر نماز پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ۔ ہاں البتہ دو صورتوں میں سر کھول کر نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے ۔

۱۔ عاجزی و انکساری کی بنا پر سر کھول کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں جیساکہ حالتِ احرام میں سر کھول کر نماز پڑھنے کا حکم ہے بلکہ اسمیں سر کھول کے نماز پڑھنا لازم ہے ۔ اور اسی طرح صلوٰۃ الاستسقاء میں سر کھول کر نماز پڑھنا خلافِ سنت نہیں ہے ۔ کیوں کہ یہاں پر عاجزی اور انکساری سر کھلا رہنے میں ہی ہے ۔

۲۔ کسی خاص عذر کی بنا پر سر کھول کر نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے ۔ مثلاً ٹوپی کا انتظام نہ ہو، نماز نکلی جاری ہو، یا سر پر زخم یا کوئی اور عذر ہو تو ان صورتوں میں سر کھول کر نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے ۔ غیر مقلدین سے سوال ہے کہ وہ کس عذر یا کونسی انکساری کیوجہ سے سر کھول کر نماز پڑھتے ہیں ۔ درمختار کی عبارت کا یہی مطلب ہے ۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے ۔

(۱) وکرہ صلوٰتہ حاسرًا ای کاشفًا رأسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل واما

اور مرد کا سستی اور لاپرواہی میں سر کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔ اور عاجزی و انکساری کیلئے کوئی حرج نہیں

للاهانة فكفر۔ (درمختار مع الشامی زکریا ۱/ ۷۴، فتاویٰ دارالعلوم ۴/ ۹۴)

اور بہر حال اہانت اور توہین کیلئے سر کھول کر نماز پڑھنا موجب کفر ہے۔

(۲) بخاری میں ہے۔ عن عبد الله بن عمرؓ قال: یارسول الله ما یلبس المحرم من الثیاب قال رسول الله صلے الله علیه وسلم لا یلبس القمیص ولا العمائم ولا السراویلات ولا البرانس۔ (بخاری شریف ۱/ ۲۰۹ حدیث ۱۵۱۹)

بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ محرم کونسا لباس پہن سکتا ہے تو حضورؐ نے فرمایا کہ نہ قمیص پہن سکتا ہے نہ عمامہ باندھ سکتا ہے اور نہ سروال پہن سکتا ہے اور نہ ٹوپی پہن سکتا ہے۔ یہاں احرام کے عذر اور اللہ کے سامنے ذلت وخواری کیلئے ٹوپی نہ پہننے کا حکم کیا گیا ہے۔

صفوں میں مل کر کھڑے ہونا

(اعتراض ۲۲) " امام مقتدی کو حکم کرے ایک دوسرے سے ملے رہیں۔ بیچ کی جگہ کو بند کردیں "۔ (بحوالہ درمختار ۱/ ۲۶۴)

درمختار میں مسئلہ ایسا ہی ہے کہ امام کے ذمہ یہ ہے کہ مقتدیوں کو صفیں سیدھی کرنیکا حکم کرے اور بیچ میں کوئی خلل باقی نہ رکھیں کندھے کو کندھے سے ملا کر کھڑے ہوں یہی حنفیہ کا مسلک ہے لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ پیروں کو پھیلا کر کھڑے ہوں بلکہ کندھے کو کندھے اور قدموں کو قدموں سے ملا کر کھڑے ہونیکا ذکر ہے۔ حدیث پاک میں بھی یہی مذکور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں قدم کو قدم سے ملانیکا ذکر نہیں ہے صرف بعض صحابہ کا عمل ہے بلکہ حضورؐ کے قول میں جو صراحت ہے وہ کندھے سے کندھے ملانے کی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔

عن انس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم صفوں کو سیدھی کرو اسلئے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں۔

وکان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ۔ (بخاری شریف ۱/۱۰۰ حدیث ۷۲۵)

اور ہم میں سے کوئی اپنے کندھے کو ساتھی کے کندھے سے اور اپنے قدم کو ساتھی کے قدم سے ملانے لگے، اور معجم

وفی معجم الاوسط: عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوا کما تصف الملائکۃ عند ربہم قالوا یا رسول اللہ کیف تصف الملائکۃ عند ربہم یقیمون الصفوف ویجمعون بین مناکبہم۔
(معجم الاوسط ۹/۲۰۴، حدیث ۸۴۴۴)

اوسط میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم صفوں میں اسطرح کھڑے ہوجاؤ جیسا کہ ملائکہ اپنے رب کے پاس صف بندی کرکے کھڑے ہوتے ہیں تو صحابہؓ نے پوچھا کہ ملائکہ اپنے رب کے پاس کس طرح صف بندی کرکے کھڑے ہوتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ صفوں کو سیدھی رکھتے ہیں۔ اور کندھوں کو کندھوں سے ملاتے ہیں۔

مصنف عبد الرزاق میں ہے: عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقیموا الصفوف فان اقامۃ الصفوف من حسن الصلوۃ (مصنف عبد الرزاق ۲/۴۴)

اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ صفوں کو سیدھی رکھو اسلئے کہ صفوں کو سیدھی کرنا نماز کی خوبیوں میں سے ہے۔

وعن سوید بن غفلۃ قال: کان بلال یضرب اقدامنا فی الصلوۃ ویسوی مناکبنا۔
(مصنف عبد الرزاق ۲/۴۷)

اور حضرت سوید ابن غفلہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نماز میں ہمارے قدموں میں مارتے تھے اور ہمارے مونڈھوں کو سیدھا کرتے تھے۔

وعن ابی عثمان قال رأیت عمر اذا تقدم الی الصلوۃ نظر الی المناکب والاقدام (مصنف عبد الرزاق ۲/۴۷)

اور حضرت عمرؓ جب نماز کیلئے آگے بڑھتے تو لوگوں کے مونڈھوں اور قدموں کیطرف دیکھتے تھے، اور

درمختار میں ہے ویصف ای یصفہم الامام بان یامرھم بذلک قال الشمنی وینبغی ان یامرہم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبہم۔ (درمختار زکریا ۲/۳۱۰)

درمختار میں ہے کہ امام لوگوں کو صفیں سیدھی کرنیکا حکم کرے۔
شمنی نے کہا کہ افضل یہی ہے کہ امام مقتدیوں کو حکم کرے کہ صفوں کو سیدھی کریں اور بیچ کی خالی جگہوں کو ختم کردیں۔ اور اپنے کندھوں کو سیدھا رکھیں۔

روایات کا جائزہ

ان تمام روایات پر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ کندھوں کو کندھوں سے ملانے کے اہتمام کا زیادہ حکم ہے۔ جو حضورؐ کے قول میں صراحت سے موجود ہے۔ اور قدموں کو قدموں سے ملانیکا حکم حضورؐ کے قول میں نہیں ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا لوگوں کے قدموں کیطرف دیکھنے کا جو ذکر ہے اسکا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی ہیئت پر قدموں کو رکھکر کھڑا ہے یا نہیں ۔ تاکہ ہر ایک کا کندھا دوسرے کے کندھے سے بسہولت مل سکے۔ اگر آدمی اپنی ہیئت پر کھڑا نہیں ہوگا بلکہ پیروں کو پھیلا کر کھڑا ہوگا تو اسکا کندھا دوسرے کے کندھے سے آسانی سے مل نہیں سکے گا۔ جب کندھے سے کندھے مل جائیں گے تو بیچ میں کوئی جگہ خالی نہیں رہے گی۔ یہی حضور اکرمؐ کا منشاء ہے۔ اور یہی خلفاء راشدین کا عمل ہے۔ اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ اور حنفیہ اس کے قائل ہرگز نہیں ہیں کہ بیچ کی جگہ خالی رکھی جائے ۔

ناف کے نیچے یا سینہ پر ہاتھ باندھنا

غیر مقلدین نے نماز کے اندر سینہ پر ہاتھ باندھنے یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کے متعلق تین سُرخیوں کے ذریعہ سے حنفیہ پر الزام قائم کیا ہے اور وہ تینوں سُرخیاں حسب ذیل ہیں۔ ہدایہ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ :

> (اعتراض ۲۳) "سینہ پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مرفوع اور قوی ہیں "
> (بحوالہ ہدایہ ۱/۳۵۰)

یہ مسئلہ بھی غلط ہے اور ہدایہ کا حوالہ بھی غلط ہے۔ ھدایہ میں کہیں اسطرح کی عبارت نہیں ہے اور نہ ھدایہ کے متن میں ایسی عبارت ہے۔ اور نہ ہی ھدایہ کے حاشیہ میں۔ ہاں البتہ عین الہدایہ کے مصنف نے اپنی طرف سے یہ بات لکھی ہے حالانکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی احادیث متکلم فیہ ہیں جس کی وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ ہم پیش کریں گے ۔

(اعتراض ۲۴) "ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی احادیث ضعیف ہیں"۔
(بحوالہ ہدایہ ۱/۳۵۰)

یہ مسئلہ بھی غلط ہے ہدایہ کے متن میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے۔ ہاں البتہ عین الہدایہ میں جہاں سے معترض نے اعتراض نقل فرمایا ہے وہاں پر خود عین الہدایہ کی عبارت اس کے خلاف ہے کہ مترجم نے خود یہ بات لکھی ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت مرفوع اور معتبر ہے۔

(اعتراض ۲۵) "ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث حضرت علیؓ کا قول ہے اور وہ ضعیف ہے۔ مرفوع نہیں ہے"۔ (بحوالہ شرح وقایہ ۹۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ضعیف ہونا اور مرفوع نہ ہونا یہ ھدایہ اور شرح وقایہ کے حاشیہ میں موجود ہے (ہدایہ ۱/۱۰۲، شرح وقایہ ۱/۱۴۴) لیکن متن میں کہیں نہیں ہے۔ البتہ جہاں سے غیر مقلدین نے اعتراض نقل کیا ہے وہاں پر خود صاحب عین الہدایہ نے اسکو نقل کرنیکے بعد لکھا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا صحیح اسناد اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے۔ جب وہاں زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت کو صحیح سند سے ثابت کیا ہے تو پھر قول علیؓ کو لیکر حنفیہ پر کیوں حملہ کیا جب کہ صرف قول علیؓ حنفیہ کا مستدل نہیں ہے۔

اصل مسئلہ کا جائزہ

اب رہی یہ بات کہ نماز کے اندر سینہ پر ہاتھ باندھا جائے یا ناف کے نیچے تو اس سلسلے میں احادیث شریفہ پر غور کرنیکی ضرورت ہے ہم نے پورے ذخیرۂ حدیث کا اس سلسلہ میں مطالعہ کر کے دیکھا تو روایات دونوں طرف موجود ہیں۔ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات بھی کتب حدیث میں موجود ہیں مگر وہ تمام روایات متکلم فیہ ہیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق

بھی کتب حدیث میں کافی روایات موجود ہیں۔ صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہیں ہے۔ جیساکہ غیر مقلدین کہنا چاہتے ہیں۔ بلکہ متعدد صحابہ کرام سے مرفوع اور غیر مرفوع روایات موجود ہیں۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ حضرت علیؓ کا قول ضعیف ہے لیکن غیر مقلدین یاد رکھیں کہ حنفیہ صرف حضرت علیؓ کے قول سے استدلال نہیں کرتے ہیں بلکہ قولِ علیؓ کے علاوہ تحت السُرہ ہاتھ باندھنے کے متعلق متعدد صحابہؓ سے روایات مروی ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کے سامنے اولاً دونوں قسم کی روایات پیش کرتے ہیں اسکے بعد اصل مسئلہ کیا ہے؟ اسکو پیش کریں گے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات

سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق تین روایات ہم کو ملی ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجر کی روایت۔

اخبرنا ابوسعید احمد بن محمد الصوفی انبأنا ابو احمد بن عدی الحافظ حدثنا ابن صاعد حدثنا ابراهیم بن سعید حدثنا محمد بن حجر الحضرمی حدثنا سعید بن عبد الجبار ابن وائل عن ابیه عن امه عن وائل بن حجر قال حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا او حین نهض الی المسجد فدخل المحراب ثم رفع یدیه بالتکبیر ثم وضع یمینه علی یسراه علی صدره و رواه ایضاً مؤمل بن اسماعیل عن الثوری عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل انه رأی النبی صلی الله علیه وسلم وضع یمینه علی شماله ثم وضعهما علی صدره۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی دار الکتب العلمیہ ۲/۴۶، حدیث ۲۳۳۵، دار المعرفہ ۲/۳۰، معارف السنن ۲/۳۷۴، اعلاء السنن ۲/۱۶۸، النصب الرایہ ۱/۳۱۵، تحفۃ الاحوذی ۲/۷۹)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ مسجد کے لئے تشریف لیجارہے تھے۔ تو آپ محراب میں داخل ہوئے۔ اور تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ اٹھایا، اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھا۔ نیز مؤمل بن اسماعیل کی روایت میں ہے کہ حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ پھران دونوں کو سینہ کے اوپر رکھا۔

(۲) حضرت ہلب طائی کی روایت :

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان حدثنی سماك بن حرب عن قبیصۃ بن هلب عن ابیه قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینه وعن یسارہ ورأیته قال یضع هذہ علی صدرہ ووصف یحیی الیمنی علی الیسری فوق المفصل۔

(۲) حضرت ہلب طائی فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ آپ دائیں طرف اور بائیں طرف متوجہ ہوجاتے تھے اور میں نے آپؐ کو اشارہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ اسکو اپنے سینے پر رکھے ہوئے۔ اور حدیث کے راوی یحیٰی ابن سعید نے هذہ علی صدرہ کی وضاحت یوں بیان فرمائی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی کے اُوپر رکھتے تھے۔

(مسند امام احمد ۵/۲۲۶، تحفۃ الاحوذی ۲/۸۰، اعلاء السنن ۲/۱۷۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

(۳) حضرت طاؤس بن کیسان کا اثر۔

وعن طاؤس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری ثم یشبك بهما علی صدرہ وهو فی الصلوٰۃ۔

(۳) اور حضرت طاؤس ابن کیسان سے مُرسل روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اُوپر رکھتے پھر ان دونوں کو باندھ کر کے نماز میں اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(مراسیل ابو داؤد ۶، تحفۃ الاحوذی ۲/۸۱، معارف السنن ۲/۴۴۰)

سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق یہ تین روایتیں ہیں۔ پہلی روایت حضرت وائل بن حجر کی ہے۔ حضرت وائل بن حجر کی روایت متکلم فیہ اور ضعیف ہے۔ اور ان کی روایت کی سند میں محمد بن حجر منکرا لحدیث ہے۔ سنن کبریٰ، بیہقی کے حاشیہ میں اس پر کافی بحث کی ہے۔ اسی طرح وائل بن حجر کی روایت مؤمل سے بھی نقل کی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی نسخہ قدیم ۲/۳۰، نسخہ بیروت ۲/۴۶)

تہذیب الکمال اور میزان الاعتدال میں ان کو کثیر الغلط کہا گیا ہے۔ اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ جبکہ امام ابو حاتم اور امام ابوزرعہ رازی وغیرہ نے ان کو کثیر الخطاء کہا ہے سنن کبریٰ ۲/۳۰ کے حاشیہ میں یہ پوری تفصیل موجود ہے۔

اور ہلب کی روایت میں یضع ھذہ علی صدرہ کا لفظ متعین نہیں ہے۔ اس پر محدثین نے زبردست کلام کیا ہے۔ عون المعبود اور التعلیق الحسن وغیرہ میں اس لفظ پر کلام کیا ہے کہ علی صدرہ کا لفظ از قبیل تصحیف ہے یہ کاتب کی طرف سے تصحیف ہے اور یا لفظِ وصف یحییٰ الیمنیٰ کے الفاظ سے واضح ہے کہ یحییٰ نے اپنی طرف سے یمنیٰ کا لفظ بڑھایا ہے۔ الیمنیٰ حدیث کا لفظ نہیں ہے اور حدیث کے الفاظ یضع ھذہ علی ھذہ ہیں لہٰذا صحابی کے الفاظ میں علی ھذہ ہے علی صدرہ نہیں ہے۔ اسلئے حضرت ہلب کی روایت دوسری اسناد سے جو مروی ہے انمیں کہیں بھی علی صدرہ کا لفظ نہیں ہے۔ اعلاء السنن میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ (اعلاء السنن کراچی ۲/۱۷۱ بیروت ۲/۱۸۰)

نیز علامہ شوق نیموی نے التعلیق الحسن علی آثار السنن میں مختلف دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت ہلب کی روایت میں درحقیقت علی صدرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ کاتب کیطرف سے اضافہ ہے۔ نیز ہلب کی روایت میں سماک ابن حرب کو لین الحدیث کہا گیا ہے۔ اسلئے حضرت ہلب کی روایت بھی متکلم فیہ ثابت ہوئی۔

اور طاؤس بن کیسان کا اثر جو حدیثِ مرفوع نہیں ہے۔ اور طاؤس اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کون کون سے راوی ہیں انکا کوئی نام ونشان نہیں ہے اور ایسی مرسل روایات حنفیہ کے یہاں تو کبھی حجت بن جاتی ہیں لیکن تم غیر مقلدین اور نام کے سلفیوں کے یہاں مرسل روایات حجت نہیں بنتی ہیں۔ تو پھر تم طاؤس کی مرسل روایت سے کس بناء پر استدلال کروگے معلوم ہوا کہ گنی چنی ڈیڑھ روایتیں سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق ملتی ہیں اور سب کی سب متکلم فیہ ہیں اور اس طرح متکلم فیہ روایات کے ذریعہ سے سینہ پر ہاتھ

باندھنے کا اصرار اور نہ باندھنے والوں پر تنقید و الزامات عائد کرنا کونسی انصاف کی بات ہے۔

نیز ھدایہ کے حوالے سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت کو مرفوع اور قوی کہنا یہ بھی سراسر غلط ہے، ھدایہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ عینی الہدایہ اور ہدایہ دونوں ایک نہیں بلکہ الگ الگ کتابیں ہیں۔ شارح کی بات کو ماتن کی طرف منسوب کرنا تلبیس ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے صحیح غیر صحیح چھ روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجر کی روایت۔

حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمیر عن علقمۃ ابن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع یمینہ علیٰ شمالہٖ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔

(۱) حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیکھا ہے کہ آپ نے نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھکر دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۹۰)

(۲) حضرت علی بن ابی طالبؓ۔

حدثنا ابو معاویۃ عن عبد الرحمٰن بن اسحاق عن زیاد بن زید السوائی عن ابی جحیفۃ عن علیؓ قال من سنۃ الصلوٰۃ

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نماز کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں

ان توضع الایدی علی الایدی تحت السّرۃ۔ کو ہاتھوں پرناف کے نیچے رکھا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰)

③ حضرت ابوہریرہؓ۔

حدثنا مسدّد حدثنا عبد الواحد ابن زیاد عن عبد الرّحمٰن بن اسحاق الکوفی عن یسار ابی الحکم عن ابی وائل قال: قال ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخذ الاکف علی الاکف فی الصّلوٰۃ تحت السّرۃ۔ (اعلاء السنن ۲/۱۸۲، حاشیہ سنن کبریٰ للبیہقی ۲/۳۱، تحت الاحوذی ۲/۷۸)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو ہاتھوں سے پکڑ کر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

④ حضرت انس بن مالکؓ۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ثلث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار و تاخیر السّحور و وضع الید الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصّلوٰۃ تحت السُّرّۃ۔

(۴) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبوت کی صفات میں سے تین صفتیں ہیں (۱) افطار میں جلدی کرنا (۲) سحری میں تاخیر کرنا (۳) نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پرناف کے نیچے رکھنا۔

(معارف السنن ۲/۴۴۴، تحفۃ الاحوذی ۲/ ۷۹،

حاشیہ سنن کبریٰ للبیہقی ۱/ ۳۲)

⑤ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر۔

حدثنا وکیع عن ربیع عن ابراھیم قال یضع یمینہ علیٰ شمالہ فی الصّلوٰۃ تحت السرۃ۔

(۵) حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پرناف کے نیچے رکھا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۱)

(۶) حضرت ابو مجلزؒ کا اثر۔

حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا حجاج بن حسّان قال سمعت ابا مجلز او سألتهٗ قال قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علیٰ ظاهر کف شماله و یجعلها اسفل من السرّة الحدیث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۱)

(۶) حضرت ابو مجلز فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کے باطن کو بائیں ہاتھ کے ظاہر پر رکھیں اور پھر دونوں کو ناف کے نیچے رکھے۔

ان تمام روایات سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا طریقہ ثابت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق دونوں طرح کی روایات ہمارے سامنے ہیں اور سینہ کے اُوپر ہاتھ باندھنے کی جو روایات ہیں انکا کمزور ہونا اُوپر ثابت ہو چکا ہے۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق مذکورہ چھ روایات ہیں ان میں بھی بعض متکلم فیہ ہیں۔ حنفیہ ان روایات سے استدلال کر کے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں اور ان کی طرف سے سینے پر ہاتھ باندھنے والوں پر نہ کوئی اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی ان پر الزام لگایا جاتا ہے۔ نیز زیرِ ناف ہاتھ باندھنے میں زیادہ تعظیم بھی ہے۔ اور عورتوں کیساتھ مشابہت نہیں ہے۔ حالانکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صورت میں عورتوں سے مشابہت بھی لازم آتی ہے اور زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایات کی تعداد بھی زیادہ ہیں اسلئے حنفیہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں اور یہ بات غلط ہے کہ حنفیہ صرف حضرت علیؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ تو پھر کس وجہ سے حنفیہ پر یہ اعتراض کیا جا رہا ہے۔

امام کے پیچھے قرارت کا فلسفہ

غیر مقلدین جو منکرین اجماع صحابہ اور منکرین فقہ ہیں ان کی طرف سے مقتدی کے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے متعلق مسلسل چار اعتراضات اس انداز سے پیش کئے گئے ہیں جس سے ناظرین دھوکہ میں رہ کر شکوک میں مبتلا ہو سکتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(اعتراض ۲۶) "سورہ فاتحہ پڑھے بغیر کسی کی نماز قبول نہیں ہوتی" (بحوالہ ہدایہ ۱/۳۶۱)

مسئلہ اور حوالہ دونوں غلط ہیں۔ البتہ ھدایہ ۱/۸۷ میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ان الفاظ کیساتھ لکھا گیا ہے۔ نہ کہ احناف کا مسلک۔

- وللشافعی قوله علیه السلام لاصلوٰة الا بفاتحة الکتاب و للمالك لاصلوٰة الابفاتحة الکتاب وسورة معها۔ (ہدایہ ۱/۸۷)

(اعتراض ۲۷) "مقتدی سورہ فاتحہ دل میں پڑھ لے اور یہ حق ہے"۔
(حوالہ ہدایہ ۱/۳۶۱)

اسمیں بھی مسئلہ اور حوالہ دونوں غلط ہیں۔ ہاں البتہ مترجم صاحب عین الھدایہ نے بحث کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے جسمیں جی میں پڑھنے کی بات ہے جس کو ہم آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

(اعتراض ۲۸) "امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی احادیث ضعیف ہیں"۔ (بحوالہ شرح وقایہ ۱۰۱/۱۸)

یہاں بھی مسئلہ اور حوالہ دونوں غلط ہیں۔ بلکہ امام مالکؒ و امام شافعیؒ کا مسلک

شرح وقایہ میں نقل فرمایا ہے نہ کہ حنفیہ کا۔

(اعتراض ۲۹) "حضرت علیؓ کا قول منع فاتحہ بھی ضعیف اور باطل ہے"۔ (بحوالہ شرح ۱۱۰)

یہ حوالہ بھی غلط ہے۔ شرح وقایہ میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے، بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علیؓ کا قول اس سند کے ساتھ موجود ہے۔

حدثنا محمد بن سلیمان الاصبهانی
عن عبد الرحمٰن الاصبهانی عن بن ابی لیلیٰ عن علیؓ قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرارت کی اس نے فطرتِ اسلام میں غلطی کرلی۔

غیر مقلدین نے امام کے پیچھے مقتدی پر قرارت سے متعلق مذکورہ چار اعتراضات حنفیہ کی کتابوں کے حوالوں سے پیش کئے ہیں۔ اور چاروں غلط ہیں۔

فاتحہ خلف الامام کا تحقیقی جائزہ

غیر مقلدین نے غلط اور جھوٹے حوالوں کے ساتھ حنفیہ کی کتابوں کے ذریعے سے احناف پر نمبر وار چار اعتراضات کئے ہیں جس کی حقیقت آپ کے سامنے واضح ہوگئی ہے۔ اور اخیر میں یہ ظاہر کیا ہے کہ منع فاتحہ سے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ضعیف اور باطل ہے۔ اس جملہ سے خالی الذہن مسلمان یہ دھوکہ کھا سکتے ہیں کہ شاید منع فاتحہ سے متعلق صرف حضرت علیؓ کا قول ہے اور وہ بھی ضعیف ہے لیکن ہم غیر مقلدین اور تمام مسلمانوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے سے متعلق اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت سے متعلق دونوں طرح کی روایات احادیثِ شریفہ کی

کتابوں میں موجود ہیں۔
پڑھنے سے متعلق صرف چار صحابی سے روایات مروی ہیں۔ اوران تمام روایات کی تاویلات بھی ہیں، جبکہ اس کے برخلاف امام کے پیچھے مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت سے متعلق حضرت علیؓ کے علاوہ پندرہ صحابہ سے روایات مروی ہیں۔ اور حضرت علیؓ سمیت سولہ۱۶ صحابہؓ سے روایات مروی ہیں۔
عدل وانصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ دونوں طرف کی روایات پیش کیجانے کے بعد صحیح جائزہ لیاجائے۔ اور صحیح بات کیا ہے اس کو ثابت کیا جائے۔
لہٰذا ہم اولاً آپ کے سامنے دونوں طرف کی روایات پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد صحیح بات کیا ہے اس کو واضح کریں گے۔

سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق چار صحابہ کی روایات

صحابی (۱) حضرت ابوہریرہؓ:۔

(۱) عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج ثلاثاً غیر تمام فقال حامل الحدیث انی اکون احیاناً وراء الامام قال اقرء بھا فی نفسک۔

(مسلم شریف ۱/ ۱۶۹، بیہقی ۲ / ۳۸)

حضرت ابوہریرہؓ سے حضورؐ کا ارشاد مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے اسمیں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ ناقص ہے تو حاملِ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد نے کہا کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم اپنے جی میں پڑھا کرو۔

عن ابی ھریرۃؓ قال: قال لی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اخرج فناد فی المدینۃ

حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت میں ہے حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ نکل کر مدینہ کے لوگوں میں اعلان کردیں کہ

انہ لاصلوٰۃ الا بقران ولو بفاتحۃ الکتاب فما زاد۔ (ابوداؤد شریف مطبع مختارا ینڈ کمپنی دیوبند ۱/۱۱۸ دوسرا نسخہ ۱/۱۲۵)

بغیر قرآن پڑھے نماز نہیں ہوتی ہے۔ اگرچہ سورۂ فاتحہ کیوں نہ ہو یا کچھ زیادہ۔

عن ابی ھریرۃ وان لم تزد علیٰ ام القراٰن اجزأت وان زدت فھو خیر۔ بخاری شریف ۱/۱۰۶)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی تیسری روایت میں ہے کہ اگر تم سورۃ فاتحہ پر اضافہ نہ کرو تو تمہاری نماز پوری ہو جائے گی اور اگر اضافہ کردو تو بہتر ہوگا۔

صحابی (۲) حضرت ابوسعید خدریؓ۔

(۲) عن ابی سعید ن الخدری قال: امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسّر۔ (ابوداؤد شریف ۱/۱۱۸)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم کو سورۂ فاتحہ اور اسکے علاوہ حسب حیثیت دوسری سورۃ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے۔

وعنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتجزی صلوٰۃ لایقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب۔ (شرح النووی ۱/۱۷، علی السنن ۲/۲۱۶)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

عن ابی سعید ن الخدریؓ قال: قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مفتاح الصلوٰۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم ولاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ فی فریضۃ اوغیرھا۔ (ترمذی ۱/۷۱)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی تیسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہارت ہے اور نماز کی تحریمہ تکبیر ہے اور نماز کی تحلیل سلام ہے اور اس شخص کی نماز نہیں ہوتی ہے جو الحمد شریف اور کوئی دوسری سورۃ نہ پڑھے۔ فرض نماز میں ہو یا نفل میں۔

صحابی (۳) حضرت عبادہ بن الصامتؓ۔

(۳) عن عبادۃ بن الصامت مرفوعًا: لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (بخاری شریف ۱/۵۶، مسلم شریف ۱/۳۹۲، مسند احمد ۵/۱۱۴، بیہقی ۲/۳۸، ابوداؤد ۱/۱۲۶، مصنف عبدالرزاق ۲/۹۳ وفیہ بام القرآن)

حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے مرفوعًا روایت ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی ہے جو فاتحہ نہ پڑھے۔

عن عبادة بن الصّامت قال: سمعت رسُولَ الله صَلى الله عليه وسَلم يقول لاصَلوٰة الّابفاتحة الكتاب وآيتين معهَا۔ (طبرانی اوسط ۳/ ۱۳۸، حدیث ۲۲۸۳)

اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی دوسری روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے الّا یہ کہ سورۂ فاتحہ اور اسکے ساتھ دو آیتیں پڑھی جائیں۔

عن عبادة بن الصّامت انّ النبي صلے الله عليهِ وسَلم قال: امّ القرآن عوض من غيرهَا وليسَ غيرهَا منهَا عوضًا (بیہقی باب القرارة / ۹)

حضرت عبادہ ابن صامت کی تیسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ اسکے علاوہ کا عوض ہے۔ اور اس کے علاوہ اسکے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے۔

عن عُبادة بن الصّامتؓ قال: صلىٰ بنا رسُول الله صلے الله عليه وسَلم صَلوٰة الفجر فثقلت عليه القراءة فلما سَلم قال اتقرءون خلفي قلنا نعم يارسُول الله قال فلاتفعلوا الّابفاتحة الكتاب فانه لاصَلوٰة لمن لم يقرأ بها۔ (طحاوی شریف ۱/ ۱۲۷ مطبع اصیفیہ)

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی چوتھی روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی تو آپ کے اوپر قرأت کرنا ثقیل ہو گیا تو آپؐ نے سلام کے بعد فرمایا کہ کیا تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو۔ تو ہم نے کہا ہاں یارسُول اللہ، تو آپؐ نے فرمایا کہ اب مت کیا کرو۔ الّا یہ کہ سورۂ فاتحہ اسلئے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

عن عبادة بن الصّامت قال: صلىٰ بنا رسُول الله صلے الله عليه وسَلم صَلوٰة العشاء فثقلت عليه القراءة فلمّا انصرف قال لعلكم تقرءون خلف امامكم قال قلنا اجل يارسُول الله انا لنفعل قال فلاتفعلوا الّابام القرآن

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی پانچویں روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرارت کرنا بھاری پڑ گیا تو آپؐ نے فراغت کے بعد فرمایا کہ کیا تم اپنے امام کے پیچھے قرارت کرتے ہو۔ تو ہم نے کہا جی ہاں یارسُول اللہ۔ ہم لوگ قرارت کرتے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو۔

فانہٗ لاصلوٰۃ الّا بھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۳)

الّا یہ کہ سورۃ فاتحہ اسلئے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

صحابی (۴) حضرت ابن عباسؓ۔

عن ابن عباسؓ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فصلی رکعتین لم یقرأ فیھما الّا بفاتحۃ الکتاب۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے دو رکعت نماز پڑھی ان دونوں رکعتوں میں علاوہ سورہ فاتحہ کے اور کوئی سورۃ نہیں پڑھی۔

(صحیح ابن خذیمہ ۲/۲۰۲، اعلاء السنن ۲/۲۲۵)

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت میں ۱۶ صحابہ کرام کی روایات

مقتدی کے لئے مطلق قرارت کی ممانعت

آیت قرآنی: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

(الجزء التاسع سورۃ اعراف آیت ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور توجہ کیساتھ بالکل خاموشی اختیار کرو۔ تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔

جہری نماز میں قرارت کی ممانعت

صحابی (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

عن عبد اللہ قال: کنا نقرأ خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال خلطتم علیّ القراٰن۔ (طحاوی شریف ۱/۱۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ہم حضورؐ کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم میرے اوپر قرآن کو خلط ملط کرتے ہو۔

عن عبد الله بن مسعودؓ کان لا یقرأ خلف الامام فیما یجهر فیه و فیما یخافت فیه فی الاولیین ولا فی الاخریین واذا صلی وحدهٗ قرأ فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ ولم یقرأ فی الاخریین شیئًا۔
(موطا امام محمد ص۱۰۰)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی دوسری روایت ہیں ہے جسمیں اس کا خود عمل ہے کہ وہ امام کے پیچھے کوئی قرارت نہیں کرتے تھے۔ نہ جہری نماز میں کرتے تھے اور نہ ہی سری نماز میں۔ نہ پہلی دونوں رکعتوں میں کرتے تھے اور نہ ہی آخری دونوں رکعتوں میں۔ اور جب تنہا نماز پڑھتے تھے تو پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اسکے علاوہ کوئی اور سورۃ بھی پڑھتے تھے اور آخری دونوں رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

صحابی (۲) حضرت ابو ہریرہؓ۔

(۲) عن ابی هریرۃ انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم انصرف من صلوٰۃ جهر فیها بالقراءۃ فقال هل قرأ معی احد آنفًا فقال رجل نعم یا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی اقول مالی انازع القرآن قال فانتهی الناس عن القراءۃ مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما جهر فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم بالقراءۃ فی الصلوٰۃ حین سمعوا ذٰلك منه
(طحاوی شریف ۱/۱۲۸، مطبع اشرفیہ ۱/۱۵۸،
مسند ابی یعلیٰ ۵/۲۱۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی نماز کی فراغت کے بعد فرمایا جس میں جہری قرأت کی گئی تھی۔ کہا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرارت کی ہے تو ایک آدمی نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں اپنے جی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت ہو رہی ہے تو اس واقعہ کے بعد لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہری نماز میں قرارت کرنے سے رُک گئے۔ جب سے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی تھی۔

عن ابی هریرۃ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما جعل الامام

حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت میں کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ امام کو اقتدار کیلئے مقرر

لبؤتم به فاذ اقرأ فانصتوا۔

(طحاوی شریف ۱/۱۲۸)

کیا گیا ہے۔ لہٰذا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

عن ابی هريرة يقول صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة يظن انها الصبح فلما قضاها قال قرأ منكم احد قال رجل انا، قال انما اقول مالي انازع في القرآن۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۵)

حضرت ابوہریرہؓ کی تیسری روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک نماز پڑھائی جسکے بارےمیں یاد پڑتا ہے کہ فجر کی نماز ہے۔ جب نماز سے فراغت حاصل فرمائی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ہمارے پیچھے قرأت کی ہے؟ تو ایک آدمی نے عرض کیا کہ جی ہاں میں نے کی۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں اپنے جی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہوگیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت کیجارہی ہے۔

صحابی (۳) حضرت علیؓ۔

عن علیؓ قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)

(۳) حضرت علیؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی ہے یقیناً اس نے فطرتِ اسلامی یعنی سنتِ رسولؐ کی مخالفت کی ہے۔

سرّی نماز میں قرارت کی ممانعت

صحابی (۴) حضرت عمران بن حصینؓ۔

عن عمران بن حصين ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر فلما اسلم قال هل قرأ منكم احد بسبح اسم ربك الاعلى فقال رجل من القوم انا فقال قد علمت ان بعضكم خالجنيها۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶، السنن الکبریٰ للنسائی ۱/۳۱۸)

(۴) حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی سلام کے بعد فرمایا کیا تم میں سے کسی نے سورۃ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" پڑھی ہے؟ تو لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے پڑھی ہے، تو اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ یقیناً مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے بعض لوگوں نے مجھے قرارت کرنے میں خلجان میں ڈال دیا ہے۔ یہ ظہر کی سرّی نماز تھی جسمیں مقتدی کو قرارت کرنے سے منع فرمایا۔

صحابی ⑤ حضرت جابر بن عبداللہؓ ۔

عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من صلیٰ رکعۃ فلم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصلّ الّا وراء الامام۔

(۵) حضرت جابرؓ حضورؐ سے بیان فرماتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص نماز پڑھے اور اسمیں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو گویا کہ اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الّا یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(موطا امام مالک / ۲۹ طحاوی ۱/ ۱۲۸)

صحابی ⑥ حضرت زید بن اسلم رضؓ ۔

عن زید بن اسلم نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القراءۃ خلف الامام۔

(۶) حضرت زید بن اسلمؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

صحابی ⑦ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ۔

عن ابی موسیٰ الاشعری (فی حدیث طویل) انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبیّن لنا سنّتنا وعلمنا صلاتنا فقال اذا صلّیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمّکم احدکم فاذا کبّر فکبّروا وفی روایۃ اخر او اذا قرأ فانصتوا۔

(۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک طویل روایت میں ہے کہ حضورؐ نے خطبہ دیا تو اسمیں حضورؐ نے ہمارے لئے سنتیں بیان فرمائیں اور ہم کو ہماری نماز سکھائی پھر فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو صفوں کو سیدھی کرو۔ پھر چاہئے کہ تم میں سے کوئی امامت کرے پس جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو۔ اور دوسری روایت میں ہے اور جب امام قرارت کرے تو تم خاموشی اختیار کرو۔

(مسلم شریف ۱/ ۱۷۴)

صحابی ⑧ حضرت انسؓ ۔

عن انسؓ قال: صلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقبل بوجھہ فقال اتقرءون والامام یقرء فسکتوا فسألھم

(۸) حضرت انسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے نماز پڑھائی پھر متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم قرارت کرتے ہو حالانکہ امام قرارت کرتا ہے پھر صحابہؓ نے خاموشی اختیار فرمائی

ثلاثاً فقالوا انا لنفعل قال فلاتفعلوا۔

(طحاوی شریف ۱/۱۲۸)

تین مرتبہ کہنے کے بعد صحابہؓ نے فرمایا جی ہاں قرأت کرتے ہیں۔ توحضورؐ نے فرمایا کرایسامت کیاکرو۔

صحابی (۹) حضرت ابو الدرداءؓ۔

(۹) عن ابی الدرداء انّ رجلاً قال یا رسول الله فی الصلوٰة قراٰن قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت قال وقال ابو الدرداء أری انّ الامام اذا امّ القوم فقد کفاهم۔ (طحاوی شریف ۱/۱۲۷)

حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے ایک آدمی نے حضورؐ سے کہاکہ یارسول اللہ نماز کے اندر قرآن ہے توآپؐ نے فرمایا جی ہاں۔ توانصار میں سے ایک آدمی نے کہاکہ قرارت واجب ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء نے کہاکہ میں سمجھتا ہوں کہ امام جب قوم کی امامت کرے تو اس کی قرارت قوم کے لئے کافی ہے۔

صحابی (۱۰) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ۔

(۱۰) عن نافع انّ عبد الله بن عمر لایقرء خلف الامام۔ (موطا امام مالک/۲۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرارت نہیں فرماتے تھے۔

صحابی (۱۱) حضرت عبد اللہ بن شداد بن الہادؓ۔

(۱۱) عن عبد الله بن شداد بن الهاد قال امّ رسول الله صلی الله علیه وسلم فی العصر قال فقرء رجل خلفه فغمزه الذی یلیه فلما ان صلّٰی قال لم غمزتنی قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد امّك فکرهت ان تقرء خلفه فسمعه النبی صلی الله علیه وسلم قال من کان له امام فانّ قراءته له قراءة۔

(موطا امام محمد/۱۰۰)

حضرت عبد اللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے عصر کی نماز میں امامت فرمائی توآپؐ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی، توبغل والے آدمی نے اُسے اشارہ فرمایا تونماز سے فراغت کے بعد اُس نے کہاکہ آپ نے مجھے کیوں اشارہ کیا توانہوں نے فرمایاکہ حضورؐ تمہاری امامت فرمارہے ہیں۔ پھر حضورؐ کے پیچھے تمہارا پڑھنا میں نے پسند نہیں کیا۔ توحضورؐ نے اُن کی گفتگو سُن کر فرمایاکہ جس کے لئے امام ہو توامام کی قرارت اس کی قرارت کیلئے کافی ہے۔

جہری اور سرّی دونوں نمازوں میں ممانعت

صحابی (۱۲) حضرت ابن عبّاس رضؓ۔

عن ابن عبّاسٍ عن النبی صَلی اللّٰہ عَلیہِ وَسَلم قال یکفیک قراءۃُ الاِمَامِ خافت اَوْجھر۔ (اخرجہ الدارقطنی بحوالہ عمدۃ القاری ۶/۱۲) عمدۃ القاری بیروتی ۴/۴۴۸)

(۱۲) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ امام کی قرارت تمہارے لئے کافی ہے۔ چاہے امام جہر کرتا ہو یا سِر۔ دونوں صورتوں میں کافی ہے۔

صحابی (۱۳) عبداللہ بن بحینہؓ۔

عن عبداللہ بن بحینۃ وکان من اصحاب رَسُوْلِ اللّٰہِ صلے اللہ عَلیہِ وَسَلم اَنّ رَسُوْلَ اللّٰہ صلے اللہ عَلیہِ وَسَلم قال ھَل قرءَ اَحدٌ منکم معی اٰنفًا قالوا نعم قال اِنِی اقول مَالِی اُنَازِعُ القُراٰن فَانتہیٰ النَّاسُ عنِ القِراءۃِ معہ حین قال ذٰلک۔

(مسند امام احمد بن حنبل ۵/۳۴۵)

(۱۳) حضرت عبداللہ بن بحینہؓ سے مروی ہے جو حضورؐ کے اصحاب میں سے تھے فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ابھی ابھی میرے ساتھ قرارت کی ہے تو لوگوں نے کہا جی ہاں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ بے شک! میں اپنے جی ہی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت کیجارہی ہے تو لوگ آپ کے پیچھے قرارت کرنے سے رُک گئے جس وقت آپکی یہ بات سنی۔

صحابی (۱۴) حضرت عمر بن الخطابؓ۔

عن محمّد بن عجلان انّ عُمر بْن الخطاب قال لیت فی فمِ الذی یقرء خلف الاِمَامِ حجرًا۔ (موطا امام محمد/۱۰۲)

(۱۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چاہئیے کہ اس شخص کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا جائے جو امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے۔

صحابی (۱۵) حضرت زید بن ثابتؓ۔

عن موسی بن سعد بن زید بن ثابتٍ (۱۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

یحدثہ عن جدہ انہ قال من قرأ خلف الامام فلاصلوٰۃ لہ۔ — جوشخص امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(موطا امام محمد/۱۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)

صحابی (۱۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

ان سعدًا قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ۔ (۱۶) حضرت سعد ابن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارہ ٹھونس دیا جائے۔

(موطا امام محمد/۱۰۱)

خلفاءِ راشدین کا فتویٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آپ کے سامنے سولہ صحابہؓ کے واسطے سے آچکا ہے کہ آپؐ نے مقتدی کو امام کے پیچھے قرارت کرنے سے ممانعت فرمائی۔ اور بعض روایات میں جہری اور سرّی دونوں قسم کی نمازوں میں قرارت کی ممانعت فرمائی ہے۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ حضرات خلفاءِ راشدین حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی امام کے پیچھے مقتدی کو قرارت کرنے سے ممانعت فرمایا کرتے تھے۔ اور ما قبل میں صحابی ۳ کے ذیل میں حضرت علیؓ کی ممانعت بھی آپ کے سامنے آچکی ہے۔ تو چاروں خلفاءِ راشدین کا فتویٰ بھی قرارت کی ممانعت کے ثبوت پر ہے۔ تو پھر کس کی ہمت ہے کہ انکی مخالفت میں آواز اٹھائے۔ خلفاءِ راشدین کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے

عن موسٰی بن عقبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان کانوا ینھون عن القراءۃ خلف الامام۔ — حضرت موسٰی ابن عقبہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سب کے سب امام کے پیچھے قرارت کرنے سے مقتدی کو منع فرمایا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ۲/ ۱۳۹)

روایات کا حاصل

اب آپ کے سامنے دونوں قسم کی روایات آچکیں۔ اوّل الذکر روایات میں امام کے پیچھے قرارت کا حکم ہے۔ اور ان روایات کی تعداد صرف چار ہے۔ اور مؤخر الذکر روایات میں امام کے پیچھے قرارت کی ممانعت ہے۔ اور ان روایات کی تعداد سولہ ہے۔ یعنی پہلی قسم کی روایات صرف چار صحابہ سے مروی ہیں۔ جبکہ دوسری قسم کی روایات سولہ صحابہ سے مروی ہیں۔ اب دونوں قسم کی روایات کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ چار وجوہات سے مقتدی کے قرارت نہ کرنیکی روایات کو ترجیح ہوتی ہے۔

① جن روایات میں فاتحہ خلف الامام کا ذکر ہے ان میں سے کسی میں بھی صاف الفاظ کے ساتھ آپ کا ارشاد اس طرح مروی نہیں ہے کہ تم امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو بلکہ مطلق اور مجمل الفاظ ہیں۔ جن سے یہ معنی بھی لئے جا سکتے ہیں کہ جب تنہا نماز پڑھی جائے، یا خود امام بن کر نماز پڑھا رہا ہے تو قرارت لازم ہے۔ لہٰذا مقتدی اس حکم کا مخاطب ہی نہیں ہے۔

② دونوں قسم کی روایات میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ امام کے پیچھے قرارت کرنے کی روایات سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۴ کے نزول سے پہلے کی ہیں، اس لئے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نماز میں سلام و کلام اور مقتدی کیلئے خود قرارت کرنا جائز تھا۔ دوسری قسم کی روایات سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۴ کے نزول کے بعد کی ہیں۔ لہٰذا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نماز میں سلام و کلام اور مقتدی کی قرارت وغیرہ سب باتیں منسوخ ہو چکیں۔ لہٰذا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی روایات اگرچہ صحیح سند سے ثابت ہیں۔ مگر پھر بھی اس آیتِ کریمہ

کے نزول کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں۔ ایسی صورت میں دونوں قسم کی روایات کا صحیح محمل سامنے آجاتا ہے، ورنہ تو لازمی طور پر کہنا پڑیگا کہ ایک قسم کی روایات غلط اور جھوٹ ہیں اور دوسری قسم کی روایات صحیح ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

(۳) پہلی قسم کی روایات کا منسوخ ہونا دوسری قسم کی روایات سے صاف واضح ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پہلی قسم کی روایات جس میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور پھر حضرت ابن عباسؓ کی روایات صاف الفاظ کے ساتھ ہے کہ امام کی قرارت تم کو کافی ہے۔ خواہ امام جہر کے ساتھ پڑھے یا آہستہ۔ بہرصورت تم کو امام کی قرارت کافی ہو جائے گی۔ نیز حضرت جابرؓ، حضرت ابوالدرداء، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن شدادؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ ان تمام صحابہ کی روایات میں صاف الفاظ کے ساتھ اس بات کا ذکر ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرارت مشروع نہیں ہے۔ بلکہ مقتدی کے لئے امام کی قرارت کافی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ نے امام کے پیچھے قرارت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ایسے مقتدی کے منہ میں پتھر ڈال دو تاکہ منہ ہی نہ ہلا سکے۔ اور حضرت زید بن ثابتؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے اس کے منہ میں انگارہ ڈال دیا جائے تو بہتر ہے۔ اس قسم کی روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقتدی کیلئے امام کے پیچھے قرارت کرنا جائز نہیں۔

(۴) نماز میں سکون خشوع مقصود ہے۔ لہٰذا جب مقتدی بھی امام کے پیچھے قرارت کرنے لگیں گے تو کسی کو بھی خشوع اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا، ایک عجیب قسم کا ہنگامہ ہوگا۔ اور اگر سب آہستہ بھی پڑھ لیں تب بھی بڑے مجمع میں کسی کو نماز میں سکون و

خشوع حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان تمام دلائل سے امام کے پیچھے قرارت نہ کرنے کی روایات کا راجح ہونا ثابت ہوا۔ نیز قرارت نہ کرنے کی روایات کو نقل کرنے والے سولہ صحابہ ہیں۔ ان میں سے اکثر اجلۂ صحابہ اور فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرھم مشہور ترین فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔

اسکے برخلاف امام کے پیچھے قرارت کرنیوالے صحابہ میں سے کسی کی بھی فقاہت مشہور نہیں ہے۔ اسلئے حنفیہ پر امام کے پیچھے قرارت سے متعلق مسلسل چار اعتراضات کا کیا مقصد اور کیا حاصل ہے۔؟ بلاوجہ مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کے لئے ہاتھ دھوکر پیچھے پڑ گئے۔ اور اُردو ترجموں میں سے اپنے مطلب کی عبارتیں دکھا کر خالی الذہن مسلمانوں کو شبہات میں مبتلا کرتے ہو۔ کیا یہی تمہارا دین ہے؟ کیا یہی تمہاری عبادت ہے۔؟

آمین بالجہر ہے یا بالسر؟

مسئلہ آمین بالجہر سے متعلق غیر مقلدین نے درمختار کے حوالہ سے دو اعتراض نقل کر کے حنفیہ پر اشکال قائم کیا ہے۔

① (اعتراض نمبر ۳۰) "مقتدی امام کی آمین سُن کر آمین کہے" (بحوالہ درمختار ۱/ ۲۲۹)

حوالہ اور مسئلہ دونوں غلط ہیں۔ درمختار میں کہیں بھی ایسی عبارت نہیں ہے۔ جس میں مقتدی کو یہ حکم کیا گیا ہو کہ امام کی آمین سُنکر آمین کہے۔ بلکہ درمختار کا ترجمہ جس سے معترض نے اعتراض نقل کیا ہے اس میں بھی اس کے برعکس لکھا ہے۔

② (اعتراض نمبر ۳۱) "ایک دو آدمیوں نے سُنا تو جہر نہ ہوگا۔ جہر جب ہے کہ سب سُنیں"۔ (بحوالہ درمختار ۱/ ۲۴۹)

یہ حوالہ بھی غلط ہے۔ درمختار میں مسئلہ آمین سے متعلق دُور دُور تک آمین کو جہر کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور قرارت بالجہر کی بحث میں اپنی جگہ جہر کی تعریف موجود ہے۔

جس کا مسئلہ آمین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ درمختار میں اس طرح کا مسئلہ موجود ہے کہ امام آہستہ سے آمین کہے۔ جیسا کہ مقتدی اور منفرد آہستہ سے آمین کہتے ہیں۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

وامّن الامام سرًّا کما مومٍ ومنفردٍ (درمختار کراچی ۱/۵۷، درمختار زکریا ۱۹۵)

منفرد اور مقتدی کی طرح امام بھی آہستہ سے آمین کہے۔ اور دلیل میں یہ روایت پیش کی ہے۔ اذا قال الامام ولا الضالّین فقولوا آمین (درمختار کراچی ۱/۵۷، درمختار زکریا ۲/۱۹۶) جب امام ولا الضالّین کہے تو تم آمین کہو۔

اس میں غیر مقلد نے ایسا جھوٹا الزام حنفیہ اور ان کی کتابوں پر لگایا ہے جو انکی کتابوں میں کہیں بھی نہیں ہے۔ جس سے خالی الذہن مسلمانوں کو اضطراب پیدا ہو سکتا ہے۔

ان غیر مقلدین کی بددینی کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔ اور پھر ان غلط الزامات کا اشتہار حرمین شریفین میں تقسیم کرکے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ اللہ کے یہاں اس کا فیصلہ ہوگا۔

حدیث شریف سے مسئلہ آمین کا جائزہ

اب یہاں سے یہ بات بھی واضح کر دی جاتی ہے کہ احادیث شریفہ میں آمین کو جہر سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یا سرًّا۔ اس سلسلہ میں حدیث شریف میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ بعض روایات کے اندر جہرًا آمین کہنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور بعض روایات میں سرًّا اور آہستہ آمین کہنے کا حکم ہے۔ لہٰذا آپ کے سامنے دونوں طرح کی روایات پیش کرتے ہیں۔

آمین بالجہر کی روایت

حدثنا بندار نا یحییٰ بن سعید و عبدالرحمٰن بن مھدی قالا نا سفیان عن سلمۃ بن کھیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین وقال آمین ومدّ بھا صوتہٗ وفی روایۃِ ابی داؤد رفع بھا صوتہٗ۔

(ترمذی شریف ۱/۵۷، ابوداؤد شریف ۱/۱۳۴، المعجم الکبیر ۲۲/۲۰ تا ۲۳ و ۲۲/۴۵)

حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ آپ نے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پڑھ کر کے آمین کہا اور آمین کے ساتھ آواز کو کھینچا۔ اور ابوداؤد کی روایت میں آواز کو بلند کرنے کی صراحت ہے۔

آمین بالسّر کی روایت

حدثنا بندار نا یحییٰ بن سعید و عبدالرحمٰن بن مھدی قالا نا شعبۃ عن سلمۃ بن کھیل عن حجر بن عنبس عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین قال آمین وخفض بھا صوتہٗ۔

(ترمذی شریف ۱/۵۸، المعجم الکبیر ۲۲/۴۵)

حضرت وائل ابن حجر سے مروی ہے کہ حضورؐ نے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پڑھنے کے بعد آمین کہا۔ اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بالکل آہستہ اور پست فرمایا۔

دونوں قسم کی روایات کا جائزہ

اب آمین کے بارے میں صرف ایک صحابی یعنی حضرت وائل بن حجر سے واضح الفاظ کے ساتھ روایات ہمارے سامنے ہیں [1] پہلی قسم کی روایت میں "ومدّ بہا صوتہ" کے الفاظ ہیں جس میں آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے۔ جہر کا ذکر نہیں، اسلئے آواز کا کھینچنا جہراً اور سراً دونوں میں ہوسکتا ہے۔ جب دونوں میں ہو سکتا ہے تو جہر کا امکان ہے۔ یقین نہیں [2] اور دوسری قسم کی روایت میں "وخفض بہا صوتہ" کے الفاظ ہیں۔ اور خفض کے معنی آواز پست کرنا اور بالکل آہستہ کرنے کے ہیں۔ تو اس قسم کی روایات

---

[1] اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت واضح الفاظ کے ساتھ ابوداؤد ۱/۱۳۵، اور سنن ابن ماجہ ۱/۱۶ میں بشر ابن رافع کے طریق سے موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بشر بن رافع ضعیف ہے۔ دیکھئے بشر بن رافع الحارثی النجرانی فقیہ ضعیف الحدیث من السابعۃ (تقریب التہذیب/۱۶۹، بذل المجہود ۲/۱۰۴)

[2] اگر کوئی یہ کہے کہ ابوداؤد ۱/۱۳۵ میں علی بن صالح کے طریق سے فجھر بآمین کے الفاظ کے ساتھ اور سفیان بن ثوری کے طریق سے ورفع بہا صوتہ کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین نے علی بن صالح کے بارے میں کلام فرمایا ہے کہ امام ابوداؤد کو شبہ ہوگیا ہے کہ یہ علی بن صالح ہے یا علاء بن صالح تیمی۔ انہوں نے علاء بن صالح کو علی بن صالح سمجھ لیا ہے۔ اور سفیان ثوری کی روایت جس میں ورفع بہا صوتہ کے الفاظ ہیں اس کی سند اس طرح ہے۔ سفیان عن سلمۃ عن حجر ابی العنبس الحضرمی عن وائل بن حجر، ابوداؤد ۱/۱۳۴، ۱/۸۵ اور حجر ابی العنبس کے الفاظ کے ساتھ سند بیان کرنے کی وجہ سے امام ترمذی نے ترمذی شریف پر بہت سخت کلام فرمایا ہے۔ اور وہی سب باتیں امام سفیان ثوری پر عائد ہوجاتی ہیں۔ اسی وجہ سے ورفع بہا صوتہ کے الفاظ کے ساتھ امام ترمذی نے سفیان کی روایت کو نقل نہیں فرمایا۔ اس لئے سفیان ثوری کی اس روایت کو موضوعِ بحث نہیں بنایا گیا۔

یں صرف آواز کو سرًا اور آہستہ کرنے سے متعلق واضح الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ میں جہر کا کوئی امکان اور شبہ نہیں ہے۔ اور وائل بن حجر کے علاوہ دیگر صحابہؓ سے مطلقاً آمین کہنے کی روایات مروی ہیں۔ اور سر اور جہر سے متعلق واضح الفاظ نہیں ہیں۔ اسلئے مسئلہ آمین جہری یا سری کے متعلق صرف حضرت وائل ابن حجر کی روایت موضوعِ بحث ہے۔ ان کی روایت یں آمین بالجہر سے متعلق جو الفاظ ہیں وہ حضرت سفیان ثوریؒ کی سند سے مروی ہیں۔

مگر الفاظ میں سر کا بھی احتمال ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ اور حضرت وائل ابن حجر کی وہ روایت جس میں واضح الفاظ کے ساتھ آمین کو آہستہ کہنے کا ذکر ہے۔ وہ شعبہ بن حجاج کی سند سے مروی ہے۔ اور امام سفیان ثوری اور امام شعبہ بن حجاج دونوں ثقہ اور مضبوط راوی ہیں جبکہ محدثین کے نزدیک یہ دونوں حضرات حفاظِ حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل یں سے ہیں۔ اسلئے دونوں کی روایت صحیح اور معتبر ہیں لیکن حدیث کے متن یں حضرت سفیان ثوری کی روایت یں صرف آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے جسکا تعلق جہر اور سر دونوں سے ہو سکتا ہے۔ اسلئے دونوں احتمال ہیں۔ حضرت شعبہ بن حجاج کی روایت یں واضح لفظوں یں آواز کو آہستہ اور پست کرنیکا ذکر ہے۔ اسوجہ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آواز پست کرنیوالی روایت کو ترجیح دیکر فرمایا کہ آمین آہستہ کہنا مسنون اور افضل ہے۔

امام ترمذیؒ کے کلام کا منصفانہ جواب

حضرت امام ترمذی نے شعبہ کی روایت جس یں آمین بالسر کا ذکر ہے اس کی سند میں صرف اس وجہ سے کمزوری ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ امام شعبہ نے سلمہ بن کہیل کے استاد کا نام ان الفاظ سے لیا ہے حجر ابی العنبس۔ اور ہونا چاہیئے تھا حجر بن العنبس، جس کی تفصیل ترمذی ۱/ ۵۸ میں ہے۔

توہم اس کا منصفانہ جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر شعبہ کی طرف سے خطاء اور شبہ کو امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے کئی انداز سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے تو خطاء اور شبہ کی جو علت امام ترمذی نے بیان فرمائی ہے وہ خود امام سفیان ثوری میں بھی بدرجۂ اتم اس روایت کی وجہ سے موجود ہے۔ جو ابو داؤد ۱/۱۴۴ میں ورفع بہا صوتہ' کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ دیکھئے سفیان عن سلمۃ عن حجر ابی العنبس الحضرمی توجو اشکال شعبہ پر ہوگا وہی سفیان پر بھی اسی انداز سے ہوگا۔ نیز خود سفیان ثوری نے امام شعبہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عراق کے اندر سب سے پہلے فنِ رجال میں تحقیق وجستجو کرنے والے امام شعبہ بن حجاج ہی تھے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

شعبۃ بن الحجّاج بن الورد العتکی مولاهم ابو بسطام الواسطی ثم البصری ثقۃ حافظ متقن کان الثوری یقول هو امیر المؤمنین فی الحدیث وهو اول من فتش بالعراق عن الرّجال وذب عن السّنۃ وکان عابداً من السابعۃ مات سنۃ ستین۔ (تقریب التهذیب /۴۳۶)

حضرت امام شعبہ بن حجاج العتکی الواسطی البصری ثقہ حافظ اور متقن ہیں امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ اورانہوں نے سب سے پہلے عراق کے اندر فنِ حدیث کے رجال کے بارے میں تفتیش اور تحقیق کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ اور حدیثِ رسولؐ سے مشتبہ راویوں کو الگ فرمایا تھا۔ اور وہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عابد بھی تھے۔ اور رجال کے ساتویں طبقہ کے بڑے محدث تھے۔ ۱۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

اور اس کے برخلاف امام سفیان ثوری بھی اگرچہ اپنی جگہ ثقہ اور معتبر ہیں۔ لیکن ان کے اوپر باتفاقِ محدثین تدلیس کا الزام ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

سفیان بن سعید بن مسروق الثوری ابو عبد اللہ الکوفی ثقۃٌ حافظٌ فقیهٌ

حضرت سفیان بن سعید بن مسروق ثوری ابو عبداللہ کوفی ثقہ حافظ فقیہ عابد ائمہ حدیث میں سے ہیں اور رجال کے

عابدٌ امامٌ حجّۃٌ من رُءوسِ الطبقة السّابعة وكان ربما دلّس مات سنة احدٰی وستين وله اربع وستون۔ | ساتویں طبقہ کے شروع کے راویوں میں سے ہیں اور بسا اوقات تدلیس کیا کرتے تھے۔ اور ۱۶۱ھ میں اُن کی وفات ہوئی اور ۶۴ سال انکی عمر ہوئی۔

(تقریب التہذیب راوی ۲۴۵۸۔۴ ۳۹۴)

اب یہ بات ہمارے سامنے واضح ہوکر آئی کہ امام ترمذی علیہ الرحمہ نے شعبہ جیسے امیر المؤمنین فی الحدیث کے اندر خامیاں نکال کر ان کی روایت کو کمزور کرنے کی کوشش فرمائی، جبکہ امام شعبہ میں ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی بھی امام ومحدّث نے کسی قسم کی خامی نہیں نکالی ۔ ہاں امام ترمذی نے اپنے مسلک کے خلاف ہونے کی وجہ سے امام شعبہ میں وہ خامیاں نکالی ہیں جو ترمذی شریف کی عبارت میں موجود ہیں۔ حالانکہ وہ ساری خامیاں سفیان پر بروایتِ ابوداؤد لازم آتی ہیں۔ نیز امام سفیان ثوری پر ائمہ جرح وتعدیل نے تدلیس کا الزام بھی لگایا ہے، اسلئے شعبہ کے مقابلہ میں سفیان کی روایت کو ترجیح دینا انصاف کی بات نہ ہوگی۔ نیز امام شعبہ کی روایت دوسری بہت سی روایات کے موافق ہے۔ اور مقتدی کی صلوٰۃ کے بھی موافق ہے کہ نماز کے اندر مقتدیوں کو سکون اور سکوت کا حکم دیا گیا ہے، اور جہرًا آمین کہنے کی صورت میں پوری مسجد کے اندر زبردست شور وغل ہوجاتا ہے۔

راوی کے ضعف کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا

ناظرین سے اور خاص طور پر غیر مقلدین سے گذارش ہے کہ اس بات کو خصوصیت کے ساتھ نوٹ کریں کہ امام شعبہ ابن حجاج پر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے جو خطاء اور شبہ کو ثابت کرنے کے لئے کلام فرمایا ہے اس کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ امام شعبہ بن حجاج اور امام سفیان ثوری دونوں امام ابوحنیفہؒ کے بعد کے محدّثین میں سے ہیں۔ چنانچہ امام سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ سے ۱۷ سال چھوٹے ہیں۔

اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی پیدائش ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ اور امام سفیان ثوری کی پیدائش ۹۷ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اور حضرت امام شعبہ بن حجاج کی پیدائش بقول ابن حبان ۸۳ھ اور وفات امام ابوحنیفہؒ کے دس سال کے بعد ۱۶۰ھ میں ہوئی۔ پوری تفصیل تہذیب التہذیب ۴ / ۳۴۵ پر موجود ہے۔

تو معلوم ہوا کہ امام سفیان ثوریؒ اور امام شعبہؒ دونوں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے عمر میں بہت چھوٹے ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کو شعبہ سے حدیث حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ نیز حضرت امام ابوحنیفہؒ تابعی تھے۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں براہِ راست بھی سنی ہیں۔
تو اگر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے سلسلۂ سند میں امام شعبہ پر کلام کیا ہے تو اس کا امام ابوحنیفہؒ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت آمین بالسر کی حدیث سے جس زمانہ میں استدلال فرمایا ہے اس وقت روایت کی سند میں امام شعبہ نہیں تھے۔ بلکہ امام شعبہ تو امام ابوحنیفہؒ کے بعد سلسلۂ سند میں داخل ہوتے۔ لہٰذا شعبہ کی روایت کو اگر بقول امام ترمذی متکلم فیہ اور ضعیف قرار دیا جائے تو ان لوگوں کے حق میں ضعیف ہو سکتی ہے جو امام شعبہ کے زمانہ کے بعد کے ہیں۔ جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے امام شعبہ کے بعد ان روایات سے استدلال فرمایا۔ لہٰذا روایت کے ضعف کا اثر امام صاحب پر نہیں پڑتا۔ بلکہ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان جیسے بعد کے لوگوں پر پڑ سکتا ہے۔ اسلئے اس روایت کو ضعیف قرار دیکر حنفیہ کے مذہب پر الزام قائم کرنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔ لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لئے یہ حدیث ضعیف نہیں۔ بلکہ صحیح ہے۔ ہاں البتہ بعد والوں کے لئے ضعیف یا متکلم فیہ ہو سکتی ہے۔ ورنہ تو ایسا ہوگا جیسا کہ بہتی نہر کے کچھ نیچے کی طرف جاکر مُردار پڑا ہوا ہو، اور پھر مُردار کے نیچے کی طرف سے کچھ لوگوں نے پانی پیتے ہوئے بدبو محسوس کر کے کہدیا کہ اس نہر کے اُوپر سے نیچے تک ہر طرف کا پانی بدبودار ہے۔ حالانکہ جہاں مُردار پڑا ہوا ہے صرف وہاں سے نیچے کی طرف بدبو دار ہے۔ اس سے اُوپر بدبو

کا اثر قطعاً نہیں ہے۔ لہٰذا نیچے والے کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کو اُوپر والے کے بارے میں واقفیت نہیں ہے۔ پھر بھی بلا تحقیق ان کے اُوپر بَدبودار پانی پینے کا حکم لگا رہے ہیں، جو شرعاً و عرفاً اور قانوناً کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اور ہمارے کرم فرما غیر مقلّدین حضرات بھی ان روایات اور مسائل کے بارے میں ایسے ہی بلا تحقیق الزامات لگا رہے ہیں۔ جو کسی طرح روا نہیں ہیں۔

اللهُ اکبر کبیرًا والحمدُ للهِ کثیرًا وسُبحَانَ اللهِ بُکرۃً وَّاَصِیلًا۔

---

۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۲ھ کو اضافہ کیا گیا۔

مسئلہ رفعِ یدین

غیر مقلدین کی طرف سے رفعِ یدین سے متعلق مسلسل چار نمبرات قائم کر کے حنفی مسلک پر الزام قائم کیا گیا ہے۔

(اعتراض ۳۲) "رفع یدین قبل الرکوع وبعد الرکوع کی احادیث کی تصدیق" (بحوالہ ہدایہ ۱/۳۸۴، شرح وقایہ ۱۰۲)

ہدایہ اور شرح وقایہ کا حوالہ غلط ہے۔ ہاں البتہ حاشیہ میں یہ بات موجود ہے کہ رفعِ یدین کے ثبوت اور اسکے عدمِ ثبوت دونوں طرف کی روایات احادیث شریفہ سے ثابت ہیں۔

(اعتراض ۳۳) "رفعِ یدین کو اکثر فقہاء و محدثین سنت ثابت کرتے ہیں۔" (بحوالہ مالابدمنہ ۲۷)

یہ بات صحیح ہے کہ فقہاء میں سے جو لوگ رفعِ یدین کے قائل ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ اور جو لوگ رفعِ یدین کو مسنون نہیں کہتے ان کی تعداد بھی کم نہیں۔ چنانچہ خلفاءِ راشدین اور عشرۂ مبشرہ عبداللہ بن مسعودؓ، امام ابوحنیفہؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ اور عاصم بن کلیبؒ وغیرہ یہ سب رفعِ یدین کے مسنون نہ ہونے کے قائل ہیں۔ (اوجز المسالک ۱/۲۰۳، فتح الملہم ۲/۱۱، بذل المجہود ۱/۱۳۴، نیل الاوطار ۲/۶۹ معارف السنن ۲/۴۵۳، امانی الاحبار ۳/۱۹۰، ۱۹۲)

(اعتراض ۳۴) "حق یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رفعِ یدین صحیح ثابت ہے۔" (بحوالہ ۱/۳۸۶)

یہاں بھی ہدایہ کا حوالہ غلط ہے۔ ہدایہ میں ایسی کوئی عبارت نہیں۔ ہاں البتہ حاشیہ میں وہی بات ہے کہ رفع یدین کے ثبوت وعدمِ ثبوت دونوں حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

(اعتراض ۳۵) "یہی رفع یدین والی آپ ﷺ کی نماز رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی۔" (بحوالہ ہدایہ ۱/۳۸۶)

یہ حوالہ بھی سراسر غلط ہے۔ نہ ہدایہ کے متن میں کوئی ایسی بات ہے اور نہ ہی حاشیہ میں۔ ہاں البتہ امام ابوبکر بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت جس میں رفعِ یدین کا ثبوت ہے اس کو نقل فرمایا۔ اور نقل فرمانے کے بعد متن میں اتنا اضافہ کیا۔

"فما زالت تلك صلوٰته حتىٰ لقى الله۔

یہ اضافہ حضرت ابن عمرؓ سے صحیح اور مشہور روایات میں ثابت نہیں. بلکہ یہ اضافہ غلط ہے۔ اور عین الہدایہ ۱/۳۸۶۔ جہاں سے معترض نے اعتراض نقل فرمایا ہے وہاں پر بھی اس کی تردید کا ذکر موجود ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ رفعِ یدین پر عمل نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اگر حضرت ابن عمرؓ سے یہ آخری ٹکڑا واقعی طور پر ثابت ہے کہ حضور ﷺ وفات تک رفعِ یدین فرماتے رہے، پھر صحیح سند سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ خود رفعِ یدین نہیں کرتے تھے، تو کیا ابن عمرؓ کے بارے میں یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف عمل کرتے تھے؟ ایسا ہرگز نہیں حضرت ابن عمرؓ عامل بالسنۃ تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو اپنی زندگی کے لئے نصبُ العین بنا رکھا تھا۔ اس لئے یہ اضافہ غلط ہے۔

وھٰذا غلط فانہٗ قال الشیخ النیموی فی آثار السنن وھو حدیث ضعیف بل موضوع۔

(بذل المجهود ۲/۲)

رفعِ یدین کے بارے میں تحقیقی جائزہ

تکبیر تحریمہ کے وقت رفعِ یدین کرنا سب کے نزدیک جائز اور مسنون ہے۔ اختلاف اس بارے میں ہے کہ بوقت تکبیرِ رکوع و تکبیرِ سجود و تکبیرِ قیام رفعِ یدین جائز ہے یا نہیں ؟ تو رفعِ یدین کے ثبوت اور عدمِ ثبوت دونوں طرف کی روایات احادیث شریفہ میں موجود ہیں اور روایات دونوں طرف ہونے کی وجہ سے ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت ثبوت کی روایات کی وجہ سے تکبیراتِ انتقالیہ کے وقت رفعِ یدین کو مسنون کہتی ہے ـــــ اور دوسری جماعت عدمِ ثبوت کی روایات کی وجہ سے رفعِ یدین کو مسنون نہیں کہتی۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں غور کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل شروع شروع میں رفعِ یدین کا رہا ہے۔ اور جن صحابہ نے رفعِ یدین کی روایات نقل فرمائی ہیں وہ شروع کے اعمال کے اعتبار سے ہیں۔ اور جن صحابہ سے رفع یدین نہ کرنے کی روایات ہیں وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے اعتبار سے ہے اس لئے دونوں قسم کی روایات کو صحیح کہنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ثابت کی جاتی ہے کہ رفعِ یدین کی روایات منسوخ ہیں اور رفع یدین نہ کرنے کی روایات ناسخ ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے اوّلاً دونوں قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان روایات کا جائزہ بھی آپ کے سامنے انشاء اللہ پیش کریں گے۔

ثبوتِ رفعِ یدین کی روایات

رفع یدین کے ثبوت میں تقریباً آٹھ روایات ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) عن علی بن ابی طالبؓ عن رَسُوْلِ اللہِ صَلَی اللہ علیہِ وَسَلم انہ قَامَ اِلی

(۱) حضرت علیؓ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ فرض نماز کیلئے کھڑے ہوگئے تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں

الصّلوٰة المكتوبة كبّر ورفع يديهِ حذو منكبيه ويصنع مثل ذٰلك اذا قضى قراءته اذا اراد ان يركع ويصنعهٗ اذا فرغ ورفع من الركوع ولا يرفع يَدَيْهِ في شيءٍ من صَلٰوتِه وهو قاعد واذا اقام من السّجدتين رفع يديه كذٰلك وكبر۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۱)

ہاتھوں کو دونوں مونڈھوں کے برابر اُٹھایا اور ایسا ہی عمل کرتے رہے جب قرارت سے فارغ ہوکر رکوع کا ارادہ کرتے، اور یہی کرتے جب رکوع سے فارغ ہوکر قومہ کیلئے کھڑے ہوجاتے اور دونوں ہاتھوں کو قعدہ کی حالت میں نہیں اُٹھاتے تھے۔ اور دونوں سجدوں سے جب کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

(۲) عن سَالمٍ عن ابيهِ قال رأيت النبي صَلى الله عَليهِ وسَلم اذا افتتح الصّلوٰة يرفع يديه حتى يُحاذي بهمَا منكبيه واذا اراد ان يركع وبعدما يرفع ولا يرفع بين سجدتين۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۱، ابن ماجہ ۶۲، ترمذی ۱/۵۹، ابوداؤد ۱/۱۰۴، بخاری ۱/۱۰۲)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اور آپؐ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے کھڑے ہوجانے کے بعد ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ اور دونوں سجدے کے درمیان میں نہیں اٹھاتے تھے۔

(۳) عن ابي حميد السّاعدي قال كان رَسُوْل اللهِ صَلى الله عليه وسَلم اذا قام الى الصّلوٰة رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه ثم يكبّر ثم يقرأ ثم يكبّر فيرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيهِ ثم يركع ثم يرفع رأسهٗ فيقول

(۳) حضرت ابوحمید ساعدی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب نماز کیلئے کھڑے ہوجاتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اٹھاتے تھے پھر تکبیر کہتے پھر قرارت فرماتے پھر دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اٹھاکر تکبیر کہہ کر رکوع میں جاتے۔ پھر اپنا سَر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے پھر

سمع الله لمن حمده ثم یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یقول الله اکبر یهوی الی الارض فاذا قام من الرکعتین کبّر ورفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم صنع مثل ذلك فی بقیة صلوته قال: فقالوا جمیعًا صدقت هکذا کان یصلی۔
(طحاوی شریف ۱/۱۳۱)

دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدے کو جاتے۔ پھر جب کھڑے ہوجاتے دونوں سجدوں سے تو تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے۔ پھر بقیہ نماز میں ایسا ہی کرتے تھے۔ تو حاضرین نے کہا کہ آپ نے سچ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔

(۴) عن وائل بن حجر قال: رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم حین یکبّر للصلوٰة وحین یرکع وحین یرفع رأسه من الرکوع یرفع یدیه حیال اذنیه۔ طحاوی شریف ۱/۱۳۱)

(۴) حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیکھا جس وقت آپ نماز کیلئے تکبیر کہہ رہے تھے اور جس وقت آپ رکوع فرمارہے تھے اور جس وقت آپ رکوع سے سر اٹھارہے تھے۔ دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں تک اٹھاتے ہوئے۔

(۵) عن مالك بن الحویرث قال: رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رکع واذا رفع رأسه من رکوعه رفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما فوق اذنیه۔
(طحاوی شریف ۱/۱۳۱، ابن ماجہ ۶۲ بالفاظ مختلفہ، مسلم ۱/۱۶۸)

(۵) حضرت مالک ابن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس وقت آپ رکوع فرماتے اور جس وقت رکوع سے سر اٹھاتے۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے اوپر تک اٹھاتے ہوئے۔

(۶) عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه

(۶) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور

اذا افتتح الصّلوٰة وحين يركع وحين يسجد۔ (ابن ماجہ ۶۲)
جس وقت رکوع فرماتے اور جس وقت سجدہ کو جاتے۔

(۷) عن ابن عباسؓ انّ رسُولَ الله صلی الله عليه وسلم كان يرفع يدَيهِ عند كلِ تكبيرة۔ (ابن ماجہ ۶۲)
(۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔

(۸) عن انسٍ انّ رسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كان يرفع يدَيهِ اذا دخل فى الصّلوٰة و اذا ركع۔ (ابن ماجہ ۶۲)
(۸) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے جب نماز میں داخل ہوتے اور جب رکوع میں جاتے۔

عدمِ رفع یدین کی روایات

رفع یدین کی ممانعت یا اس کی روایات کے منسوخ ہونے سے متعلق چودہ (۱۴) روایات پیش کی جارہی ہیں۔ انشاء اللہ ان روایات کے پڑھنے کے بعد ناظرین کو معلوم ہوجائیگا کہ رفع یدین مسنون نہیں ہے۔

(۱) عن البراء بن عازبؓ قال كان النبى صلى الله عليهِ وسلم اذا كبّر لافتتاح الصّلوٰة رفع يدَيهِ حتى يكون ابهاماه قريبًا من شحمتى اُذنيه ثم لا يعود۔ (طحاوی شریف ۱/۱۳۲، ابوداؤد شریف ۱/۱۰۹، دارقطنی ۱/۱۱۰)
(۱) حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب نماز شروع کرنے کیلئے تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے قریب ہوجاتے پھر اس کے بعد پوری نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(۲) حدّثنا اسحاق، حدثنا ابن ادریس قال: سمعت یزبن ابی زیاد عن ابن ابی لیلیٰ عن البراء قال: رأیتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللہُ علیہِ وسَلم رفع یَدَیْہِ حین استقبل الصّلوٰۃ، حتی رأیتُ ابھامیہِ قریبًا من اُذنیْہِ ثم لَمْ یَرْفعھمَا۔ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی ۲/۱۵۳، حدیث ۱۶۸۸۔)

(۲) حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولؐ کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جسوقت نماز شروع فرمائی تھی حتی کہ میں نے دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کو دونوں کانوں کے قریب پہنچایا۔ اسکے بعد پھر اخیر نماز تک دونوں ہاتھوں کو نہیں اُٹھایا۔

(۳) عن علقمۃ عن عَبْد اللّٰہ بن مسعودؓ عن النبی صَلَّی اللہ علیہ وسَلم انہٗ کان یرفع یَدَیْہِ فی اوّل تکبیرۃ ثم لا یعُود۔ (طحاوی شریف ۱/۱۳۲)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صرف شروع کی تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر اس کے بعد اخیر نماز تک نہیں اٹھاتے تھے۔

(۴) عن المغیرۃ قال قُلت لابراھیم حدیث وائل انہٗ رأی النبی صَلَّے اللہ عَلیہِ وسَلم یرفع یدیْہِ اذا افتتح الصَّلوٰۃ واذا رکع واذا رفع رأسَہٗ من الرّکوع فقال: ان کان وائل رآہ مرّۃ یفعل ذٰلك فقد رآہ عَبْد اللہ خمسین مرّۃ لا یفعل ذٰلك۔ (طحاوی شریف ۱/۱۳۲)

(۴) مغیرہؒ نے حضرت امام ابراہیم نخعیؒ سے حضرت وائل ابن حجرؓ کی حدیث ذکر فرمائی کہ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع سے سَر اٹھاتے تو اُس پر ابراہیم نخعی نے مغیرہ سے کہا کہ اگر وائل بن حجرؓ نے حضورؐ کو اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے ایک مرتبہ دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضورؐ کو پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۵) عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة۔

(مسلم شریف ۱/۱۸۱، ابوداؤد شریف ۱/۱۴۳، نسائی شریف، مطبوعہ اشرفی ۱/۱۳۳)

(۵) حضرت جابر ابن سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہماری طرف تشریف لاکر فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا کہ میں تم لوگوں کو نماز کے اندر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں گویا کہ ایسا لگتا ہے کہ جیسا کہ بے چینی میں اونٹ اپنی دُم کو اُوپر اُٹھا اُٹھا کر ہلاتے ہیں۔ تم نماز کے اندر۔ ایسا ہرگز مت کیا کرو۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔

(۶) عن علقمة قال قال عبد الله ابن مسعودؓ الا اصلی بکم صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلی لم یرفع یدیه الا فی اوّل مرة۔

(ترمذی شریف ۱/۵۹، ابوداود شریف ۱/۱۰۹)

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم آگاہ ہو جاؤ بے شک میں تم کو حضورؐ کی نماز پڑھا کر دکھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر نماز پڑھائی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف اوّل تکبیر میں اٹھایا پھر پوری نماز میں نہیں اٹھایا۔

(۷) عن علقمة عن عبد الله قال الا اخبرکم بصلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فقام فرفع یدیه اوّل مرة ثم لم یعد۔

(نسائی شریف ۱/۱۱۷ مطبوعہ اشرفی)
(سنن الکبریٰ ۱/۳۵۱)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں حضورؐ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں یہ کہہ کر نماز کیلئے کھڑے ہوگئے اسکے بعد صرف اول تکبیر میں ہاتھ اٹھایا پھر کسی تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھایا۔

(۸) عن علقمة قال قال عبد الله ابن مسعودؓ لاصلین بکم صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیه الا مرة واحدة۔

(۸) حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ بے شک میں تمہیں حضورؐ کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں یہ کہہ کر نماز پڑھی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف ایک مرتبہ اُٹھایا پھر نہیں اٹھایا۔

(سنن کبریٰ ۲/۷۸)

قال ابو عیسیٰ حدیث ابن مسعود حدیث حسن و بہ یقول غیر واحدٍ من اھلِ العلمِ من اصحابِ النبیؐ والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفۃِ۔

(ترمذی شریف ۱/۵۹ ابوداؤد شریف ۱/۱۰۹)

(وصححہ ابن حزم (بذل المجہود مطبع لکھنؤ (۴/۱۱۴، مطبع سہارنپور ۲/۵)

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور صحابہؓ تابعین تبع تابعین اور بے شمار محدثین اور علماء نے اس حدیث شریف کو اختیار فرمایا ہے اور یہی امام سفیان ثوری اور اہلِ کوفہ نے کہا ہے۔ اور علامہ ابن حزم ظاہری نے اس حدیث شریف کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۹) عن علقمۃ عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال صلّیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ فلم یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصّلوٰۃ

(سنن الکبریٰ بیہقی ۲/۸۰ ۲/۷۹)

(۹) حضرت علقمہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کے پیچھے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان میں سے کسی نے اپنے ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھایا۔

(۱۰) عن مقسم عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن حین یفتتح الصّلوٰۃ وحین یدخل المسجد الحرام فینظر الی البیت وحین یقوم علی الصفا وحین یقوم علی المروۃ وحین یقف مع الناس عشیۃ عرفۃ وبجمع والمقامین حین یرمی الجمرۃ

(۱۰) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضورؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنے ہاتھوں کو سات مواقع کے علاوہ مت اٹھایا کرو (۱) صرف نماز شروع کرتے وقت پھر نہیں اٹھانا (۲) مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت جب بیت اللہ کی طرف دیکھیں (۳) صفا پر چڑھنے میں۔ (۴) مروہ پر چڑھنے میں (۵) میدانِ عرفات میں لوگوں کے ساتھ وقوف کرنے میں (۶) مزدلفہ میں دعاء کے وقت (۷) جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کے مقام پر۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۳۰۵، مجمع الزوائد ۲/۱۰۳)

(۱۱) عن ابراهيم عن الاسود قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه فى اوّل تكبيرة ثم لا يعود قال ورأيت ابراهيم والشعبى يفعلان ذلك۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۳)

(۱۱) امام نخعیؒ اسود بن یزیدؒ سے نقل فرماتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں صرف شروع کی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے اسکے بعد کسی میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اور دیکھنے میں آیا کہ ابراہیم اور عامر شعبی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(۱۲) عن عاصم بن كليب الجرمى عن ابيه قال رأيت على بن ابى طالب رفع يَدَيْهِ فى التكبيرة الاولىٰ من الصلوٰة المكتوبة ولم يرفعهما فيما سوىٰ ذٰلك۔

(مؤطا امام محمد /۹۳)

(۱۲) عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب جرمی سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ فرض نماز میں صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اسکے علاوہ کسی اور تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(۱۳) عن عبد العزيز بن حكيم قال رأيت ابن عمر يرفع يديه حذاء اُذنيهِ فى اوّل تكبيرة افتتاح الصّلوٰة ولم يرفعهما فيما سوىٰ ذٰلك۔

(مؤطا امام محمد /۹۳)

(۱۳) حضرت عبدالعزیز ابن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں کو نماز شروع کرتے وقت صرف اوّل تکبیر میں اٹھاتے تھے اور دونوں ہاتھوں کو اسکے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھاتے تھے۔

(۱۴) عن مجاهد قال صلّيت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الّا فى التكبيرة الاولىٰ من الصّلوٰة فهٰذا ابن عمرؓ قال رأى النبى صلى الله عليه وسلم يرفع وقد ترك هو الرفع بعد النبى

(۱۴) حضرت امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ دونوں ہاتھوں کو نماز کی صرف پہلی تکبیر میں اٹھاتے تھے۔ اسکے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھاتے تھے تو یہ حضرت ابن عمرؓ ہیں۔ جنہوں نے حضورؐ کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا اور پھر

صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلایکون ذٰلك الّا وقد ثبت عندہٗ نسخ ما قد رأی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فعلہ وقامت الحجۃ علیہ بذٰلك۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۳)

انہوں نے خود حضورؐ کے زمانہ کے بعد ہاتھ اٹھانا ترک کردیا۔ اوران کا ہاتھ اٹھانا ترک کرنا ہو نہیں سکتا الّا یہ کہ ان کے نزدیک حضورؐ کے رفعِ یدین کا عمل یقیناً منسوخ ہوچکا اوران کے نزدیک رفعِ یدین کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہوچکی ہے۔

روایات کا جائزہ

رفع یدین سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی دو روایتیں ماقبل میں گزریں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا۔ لیکن بعد میں حضرت ابن عمرؓ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہے۔ جیسا طحاوی اور مؤطا امام محمد کے حوالہ سے روایت آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ کہ ابن عمرؓ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد باقی اور کسی تکبیر کے وقت رفعِ یدین نہیں کرتے تھے۔ جو صحابی رفعِ یدین کی روایت بھی نقل کررہے ہیں۔ پھر اس کے خلاف عمل کررہے ہیں۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترکِ رفعِ یدین ہے۔ اس لئے رفعِ یدین کا عمل مسنون نہ ہوگا۔ بلکہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیراتِ انتقالیہ کے وقت رفعِ یدین کا حکم منسوخ ہے۔ اس وجہ سے صحابۂ کرام میں سے ایک بڑی جماعت رفعِ یدین نہیں فرماتی تھی۔ جن میں چاروں خلفاءِ راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہم رفعِ یدین نہیں فرماتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ رفعِ یدین کو مسنون نہیں

کہتے تھے۔ نیز اس مسئلہ پر علمائے امت نے بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں، جو قابلِ مطالعہ ہیں

سنتِ فجر کے بعد داہنی کروٹ لیٹنا

(اعتراض نمبر ۳۶ "صبح کی سنت نماز پڑھنے کے بعد داہنی کروٹ لیٹئے۔"
(بحوالہ ہدایہ ۱/۱۴۱ ۵، درمختار ۱/۳۱۶)

یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے۔ عین الہدایہ ۱/۱۴۱ ۵ میں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فجر کی سنت کے بعد داہنی کروٹ پر تھوڑی دیر کے لئے استراحت فرمالیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رات بھر عبادت کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ ہوجاتی تھی، اور فجر کی سنت سے فراغت کے بعد جماعت میں کچھ وقفہ ہوتا تھا، اس لئے اس دوران تکان دُور کرنے کے لئے استراحت فرمالیا کرتے تھے۔ تو اگر آج بھی کوئی شخص اس پر عمل کرتا ہے تو حنفیہ کی طرف سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ یہاں پر صرف اتنی بات ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم صرف داہنی کروٹ لیٹ جایا کرتے تھے۔ لیکن اس کا ذکر حدیث شریف میں نہیں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم گہری نیند سو بھی جایا کرتے تھے پھر بغیر وضو نماز پڑھا دیا کرتے تھے۔ اگر غیر مقلدین اس سے سونے کے بعد بغیر وضو نماز کو جائز کہنا چاہتے ہیں تو یہ غلط ہے۔ غیر مقلدین سے سوال ہے کہ یہ مسئلہ بطور اعتراض حنفیہ پر کیوں پیش کیا گیا؟ جبکہ حنفیہ اس کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ اس استراحت کو مشروع اور مسنون سمجھتے ہیں۔

ظہر کی چار رکعت سنت

(اعتراض ٣٧) "ظہر کی چار رکعت سنت دو سلام سے پڑھئے"
بحوالہ درمختار ١/٤٤٤)

مسئلہ اور حوالہ دونوں غلط ہیں۔ کہ ظہر کی چار رکعت دو سلام سے پڑھئے۔ ایسا درمختار میں کہیں نہیں ہے، نہ درمختار کے متن میں ہے اور نہ ہی درمختار کے ترجمہ غایۃ الاوطار میں بلکہ درمختار کے متن اور غایۃ الاوطار میں اس کی صراحت موجود ہے کہ ظہر کی چار رکعت اگر دو سلام سے پڑھی جائیں گی تو یہ چار رکعت ظہر سے پہلے کی چار سنت کے قائم مقام نہ ہونگی۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

وسنّ مؤكّدًا اربعٌ قبل الظهر واربعٌ قبل الجمعة واربعٌ بعدها بتسليمة فلو بتسليمتين لم تنب عن السّنة۔

(درمختار مع شامی کراچی ٢/١٢، شامی زکریا ٢/٤٥١، غایۃ الاوطار ١/٣١٢)

یعنی ظہر سے پہلے چار رکعت اور جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت ایک سلام کے ساتھ سنت مؤکدہ ہیں۔ لہٰذا اگر دو سلام کے ساتھ ہوں تو سنت کے قائم مقام نہ ہوں گی۔

ہاں البتہ درمختار کے متن اور اس کے ترجمہ غایۃ الاوطار دونوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مسنون ہے۔ اور ظہر کے بعد چار رکعت کتنے سلام سے پڑھے۔ اس سلسلہ میں درمختار کے ترجمہ غایۃ الاوطار میں یہ عبارت ہے۔ " اور اسی طرح ظہر کے بعد چاہے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھے، چاہے دو رکعت پڑھے۔ مگر ظہر کی چار سنت دو سلام سے پڑھنے سے متعلق کوئی عبارت پوری کتاب میں کہیں نہیں ہے۔ یہ غیر مقلدین کی طرف سے تلبیس ہے۔ جو مسلمانوں کو بلا وجہ فریب اور

شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش ہے۔نیز حدیثِ پاک سے بھی یہی واضح ہے کہ ظہر سے قبل چار سنت ایک سلام سے پڑھی جائیں:

عن اُمِّ حبیبۃ قالت قال رسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہِ وسلم من صلّی فی یومٍ ولیلۃٍ ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی بیتٌ فِی الجنّۃ اربعًا قبل الظھر ورکعتین بعدھا ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر صلٰوۃ الغداۃ۔حدیث عنبسۃ عن اُمِّ حبیبۃ فِی ھٰذا الباب حدیث حسن صحیح (ترمذی شریف ۱/۹۶)

یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص دن و رات میں بارہ رکعت سنت پڑھیگا اس کے لئے جنت میں ایک محل بنایا جائیگا. چار ظہر سے قبل، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد، دو فجر سے پہلے۔
سب کو اللہ پاک ہدایت عطاء فرمائے۔

تراویح بیس ۲۰ رکعات ہیں یا آٹھ

(اعتراض ۳۸) "تراویح آٹھ رکعت کی حدیث صحیح ہے"
(بحوالہ شرح وقایہ/۱۱۲)

آٹھ رکعت تراویح کی حدیث صحیح ہے۔اس طرح کے کوئی الفاظ شرح وقایہ میں نہیں ہیں اور نہ ہی شرح وقایہ کے متن میں ایسی کوئی عبارت ہے، اور نہ ہی اس کے حاشیہ میں اور نہ شرح وقایہ کے ترجمہ میں۔ اگر کسی نے شرحِ وقایہ کی عبارت کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے تو وہ ترجمہ غلط ہے۔ اس لئے کہ شرح وقایہ کے متن میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے جسکا ترجمہ یہ ہوسکے، جو غیر مقلد معترض نے پیش کیا ہے۔ دیکھئے شرح وقایہ کی عبارت:

سنّ التراویح عشرون رکعۃ بعد العشاء قبل الوتر وبعدہٗ خمس

ترویحاتٍ لکلِ ترویحۃٍ تسلیمتانِ وجلسۃ بعدھا قدر ترویحۃٍ والسنۃ فیھا الختم مرۃ ولا یترک لکسل القوم الخ (شرح وقایۃ ۱/۱۲۵)

ترجمہ: بیس رکعت تراویح مسنون ہے جو عشاء کے بعد وتر سے پہلے ہوتی ہیں۔ اور فوت ہونے کی صورت میں بعد وتر بھی مشروع ہے۔ اور وہ پانچ ترویحات ہوں۔ اور ہر ایک ترویحہ کے لئے دو دو سلام ہوں اور دو سلام کے بعد جلسۂ استراحت ہو جس کی مقدار ایک ترویحہ کے برابر ہو۔ اور تراویح میں ایک ختم قرآن کرنا مسنون ہے۔ اور لوگوں کی سستی کی وجہ سے ایک ختم کی مقدار کو ترک نہیں کیا جائیگا۔

شرح وقایہ کی عبارت پوری کی پوری آپ کے سامنے ہے، جو نماز تراویح سے متعلق ہے۔ اس عبارت میں معترض نے اعتراض میں جو اردو عبارت نقل فرمائی ہے وہ شرح وقایہ کی کسی عبارت کا ترجمہ نہیں ہے۔

غیر مقلد معترض نے بار بار یہ چیلنج کیا ہے کہ "جو کچھ بھی لکھا ہے وہ احناف کی مقدس کتابوں سے لکھا ہے۔ اگر ناگوار ہو تو یہ آپ ہی کی کتابوں کا قصور ہے۔ مجھ غریب سے دلشکنی نہ ہونی چاہیئے"۔

اب ہم معترض صاحب سے گذارش کرتے ہیں کہ احناف کی جن کتابوں کا نام اعتراض کے ساتھ درج کیا ہے، وہ کتابیں ضرور مقدس ہیں، لیکن ان میں وہ بات نہیں ہے جس کو معترض نے نقل فرمایا ہے۔ اور حنفیہ کا اعتماد اپنی جگہ ان کتابوں پر ہے۔ لیکن ان کتابوں کا ترجمہ یا اردو شرح کسی نے بھی لکھی ہو ان پر حنفیہ کے مذہب کا مدار نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ترجمہ کرنے والے مترجم سے ترجمہ میں لغزش بھی ہو جائے۔ اسی طرح شرح لکھنے والا اپنی شرح کے اندر اصل کتاب سے ہٹ کر بھی بہت سی باتیں لکھ سکتا ہے۔ جن پر مذہب کا مدار نہیں ہے۔ اس لئے اصل کتاب کا اعتبار ہے۔ اور اصل کتاب کی عبارت ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ غیر مقلد معترض جس نے یہ سارے اعتراضات مرتب فرمائے ہیں وہ عربی کتابوں کے سمجھنے پر بھی قادر نہیں ہے۔ اسی لئے اردو تراجم جن کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، ان کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔ اور وہاں سے بھی صحیح طریقہ سے نقل کر کے اعتراض نہیں کر سکا۔

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

ہم نے اعتراض ۱۲ کے جواب میں شریعت کے مسلّمہ اصول بیان کیے ہیں جن اصولوں پر اہلِ سنت والجماعت صحابہ اور سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے۔ انمیں بیان کیا گیا ہے کہ اصولِ شریعت تین ہیں جنکے اُوپر شریعتِ اسلامیہ کے سارے احکامات کا مدار ہے۔

(۱) کتاب اللہ: اللہ کی کتاب میں جو شریعت کے احکام موجود ہیں۔ ان پر عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ (۲) سنتِ رسول اللہ: جو احکامات آقائے نامدار علیہ السلام کے ارشادات میں مذکور ہیں اُن پر عمل کرنا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ (۳) اجماعِ صحابہ: خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ جس حکمِ شرعی پر اتفاق اور اجماع کرلیں اس پر عمل کرنا بھی تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ جو اس حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

علیکم بسُنّتی وسُنّۃِ الخلفاء الراشدِین المھدیّین (ابن ماجہ ۱/۵، مشکوٰۃ شریف ۳۰/)

ترجمہ: تم پر میرا طریقہ اور میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین جو ہدایت کیلئے مشعلِ راہ ہیں اُن کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا لازم ہے۔

قیاس کی حجیت

ان تینوں اصولوں کے علاوہ ایک چوتھا اصول بھی ہے" اور وہ ائمہ مجتہدین کا اجتہاد ہے" اس اصول کی ضرورت اسلئے پڑی کہ جب آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک مسئلہ کے متعلق دو قسم کی متضاد روایات مذکور ہوں تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کیلئے پوری شریعت پر عبور ہونا لازم ہے اور یہ کام فقہائے مجتہدین جو قرآن کی تمام آیات پر اور آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام ارشادات پر اور حضرات صحابہ کرام کے ان تمام اجماعی واتفاقی مسائل پر پورا عبور رکھتے ہوں جن پر حضراتِ صحابہؓ نے بلا اختلاف اتفاق کرلیا ہو تو ایسے مجتہدین کیلئے تمام نصوص پر غور کرکے متضاد روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا حق حاصل ہے۔ ہر کس وناکس کو اسکی اجازت نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی مسئلہ کے متعلق اصولِ ثلاثہ میں سے کسی میں کوئی حکمِ شرعی صراحت سے مذکور نہیں ہے تو ان تینوں اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس مسئلہ کا حکم مستنبط کرنیکا حق بھی انہیں فقہائے مجتہدین کو حاصل ہے۔ اسلئے اسکو بھی الگ سے ایک اصول قرار دیا گیا ہے، ورنہ یہ مستقل کوئی اصول نہیں ہے، بلکہ اوپر کے تینوں اصولوں کے تابع ہے۔

ان اصولوں کو جو ماننے والے ہیں ان کو اہلِ سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ اور جو لوگ ان میں سے ایک اصول کو بھی تسلیم نہیں کریں گے وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

آجکل ہندوستان میں بریلوی مکتبِ فکر کے لوگ اہلِ حدیث کیطرح اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتے ہیں لہٰذا احقر کی اس تحریر سے کوئی اہلِ سنت سے بریلوی حضرات کو نہ سمجھیں بلکہ اس سے ائمہ اربعہ کو ماننے والے مراد ہیں اور حنفی دیوبندی ان نصوص اور اصولوں کے زیادہ پابند ہیں۔ اسلئے انہیں کو اہلِ سنت کہنا زیادہ صحیح ہے۔

اب بیس رکعت تراویح کا ثبوت کہاں سے ہے وہ دیکھئے۔ یہ صحیح سندوں کیساتھ یہ بات حدیث کی کتابوں میں موجود ہے کہ بیس رکعت تراویح کے اہتمام کا سلسلہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا۔ اور اس کے اوپر تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہوا کسی بھی ایک صحابی نے اس عمل پر نکیر نہیں کی۔ اسی کو اجماع صحابہ کہا جاتا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور سے بیس رکعت تراویح پر اہتمام کا سلسلہ امت کے سوادِ اعظم میں ہمیشہ باقی رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے پورے دور میں اور پھر حضرت علیؓ کے زمانہ میں اور پھر صحابہؓ کے پورے دور اور پھر تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانوں میں سلسلہ در سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تراویح کا حکم شریعت کے اصول نمبر ۳۔ اجماعِ صحابہ سے حتمی طور پر ثابت ہوا ہے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ اور معجم کبیر طبرانی کی مرفوع روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اگرچہ اس حدیث شریف کی سند میں ابراہیم بن عثمان کو متکلم فیہ اور ضعیف قرار دیا گیا ہے، مگر اس کو مستقل طور پر دلیل نہ بنا کر اجماعِ صحابہ کی تائید میں پیش کرنے میں کوئی

اشکال نہیں۔ اس لئے کہ اس کو مستقل دلیل قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ مستقل دلیل صحابہ کا اجماع ہے اور یہ اسکی تائید میں ہے لہٰذا بیس رکعت تراویح سنتِ مؤکدہ ہوں گی۔

بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور جمہور صحابہ سے بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وِتر پر اجماع کا ثبوت ہے۔ اس کیلئے دس روایات بطور نظیر پیش کرتے ہیں۔

---

(۱) مالك عن يزيد بن رومان انهٗ قال كان الناس يقومون فِي زمان عمر ابن الخطابؓ فی رمضان بثلاث وعشرين ركعة۔ (مؤطا مالک /۴۰، السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶)

(۱) حضرت امام مالک یزید ابن رومانؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا اہتمام لوگ کرتے تھے۔

(۲) عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون علىٰ عهدِ عمر بن الخطابؓ فی شهرِ رمضان بعشرين ركعة قال و كانوا يقرؤن بالمئين وكانوا يتوكؤن علىٰ عصيهم فی عهدِ عثمانؓ بن عفان من شدةِ القيام۔ (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶)

(۲) حضرت سائب ابن یزیدؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت میں رمضان کے اندر بیس رکعت تراویح کا اہتمام تمام صحابہ کرتے تھے اور سَو سَو آیت والی سورتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں شدتِ قیام اور طولِ قیام کیوجہ سے لوگ اپنی لاٹھیوں کو سہارا بھی بنالیا کرتے تھے۔

(۳) عن شتير بن شكل وكان من اصحاب عليؓ انهٗ كان يؤمهم فی شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث۔ (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۳) حضرت شُتیر ابن شکل سے مروی ہے اور یہ حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے تھے وہ رمضان کے اندر بیس رکعت تراویح میں لوگوں کی امامت فرمایا کرتے تھے۔ اور تین رکعت وِتر بھی پڑھایا کرتے تھے۔

(۴) عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علیؓ قال دعا القراء فی رمضان فأمر منہم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علیؓ یوتر بہم۔ (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶)

(۴) حضرت علیؓ رمضان کے اندر قاریوں کو بلاتے تھے۔ پھر ان میں سے ایک کو بیس رکعت تراویح کیلئے لوگوں کی امامت کا حکم فرماتے۔ اور حضرت علیؓ لوگوں کو وتر پڑھادیا کرتے تھے۔

(۵) عن ابی الحسناء عن علی بن ابی طالب أمر رجلاً ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۵) حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پانچ ترویحات کے ساتھ پڑھادیا کریں۔

(۶) عن حسن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعبؓ یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۶) عبد العزیز ابن رفیع فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ مدینۃ المنورہ میں رمضان کے اندر بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر لوگوں کو پڑھادیا کرتے تھے۔

(۷) عن الحارث انہ کان یؤم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۷) حضرت حارث رمضان کی راتوں میں بیس رکعت تراویح میں لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(۸) عن عطاء قال ادرکت الناس وہم یصلون ثلاثۃ وعشرین رکعۃ بالوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۸) حضرت عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کو اس حالت میں پایا ہے کہ وہ رمضان میں تیئس رکعت پڑھتے تھے بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر۔

(۹) عن سعید بن عبید ان علی

(۹) حضرت سعید بن عبید فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ربیعہ

ابن ربیعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

رمضان کے اندر لوگوں کو پانچ ترویحات اور تین رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے۔

(۱۰) عن يحيى بن سعيد ان عمر ابن الخطابؓ امر رجلاً يصلي بهم عشرين ركعة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

حضرت یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو مکلف بنا رکھا تھا کہ وہ لوگوں کو بیسؒ رکعت تراویح پڑھا دیا کرے۔

بیسؒ رکعت تراویح کے بارے میں خلفاءِ راشدین اور جمہور صحابہ کا اجماعی عمل آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اب کس کی ہمت ہے کہ خلفاءِ راشدین اور اجلّہ صحابہ کی مخالفت کرکے یوں کہے کہ بیسؒ رکعت تراویح کا ثبوت نہیں ہے۔ اب آپ کے سامنے حضورؐ کے منشاءِ نبوت کو سمجھنے والے صحابہ اور سوادِ اعظم کا عمل واضح ہوچکا ہے۔ جب تمام صحابہ اور سوادِ اعظم کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے تو ائمہ اربعہ اور خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ پر بیس رکعت تراویح کے بارمیں اس طرح الزام قائم کرنے کی کیسے ہمت پیدا ہوئی کہ اسکا ثبوت حدیث میں نہیں ہے۔ اور جو حدیث میں نہیں ہے اس پر عمل کی ضرورت نہیں۔ ایسی باتیں وہی کرسکتا ہے جس میں خدا اور رسُول کا خوف نہ ہو۔

بیسؒ رکعت تراویح پر بعض مرفوع روایات

بیسؒ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر مرفوع روایت سے ثابت ہیں۔ اگرچہ مرفوع روایت کی سند میں تھوڑا سا کلام ہے۔ لیکن اجماع کی تائید میں پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو مصنف ابن ابی شیبہ اور معجم طبرانی میں موجود ہے۔

(۱) عن ابن عباسؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلی في رمضان عشرین رکعة والوتر۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور الگ سے وتر پڑھتے تھے ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۹۴، معجم طبرانی ۱۱/۳۱۱، حدیث ۱۲۱۰۲)

اس حدیث شریف کو اگرچہ صحیح کا درجہ حاصل نہیں ہے لیکن موضوع بھی نہیں ہے۔ اس کو اجماعِ صحابہؓ کی تائید کیلئے لانے میں کوئی اشکال نہیں ۔

بیس رکعت تراویح پر علامہ ابنِ تیمیہؒ کی تائید

شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کے تفردات کو غیر مقلدین اپنے لئے فخر کی چیز سمجھتے ہیں۔ دیکھئے حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پر تائید ۔

۲ فلما کان ذلك یشق علی الناس قام بهم أبی بن کعب في زمن عمر بن الخطابؓ عشرین رکعة ویوتر بعدها ویخفف فیها القیام الخ

(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۳/۱۲۰)

(۲) علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کو طولِ قیام دشوار ہوا تو حضرت ابی بن کعبؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کے لئے کھڑے ہوگئے اور اسکے بعد الگ سے وتر بھی پڑھاتے تھے اور اسمیں مختصر قیام فرماتے تھے ۔

۳ والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین فان کان فیهم احتمال لطول القیام فالقیام بعشر رکعات و ثلاث بعدها کما کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی لنفسه في رمضان وغیره هو الافضل وان کانوا لا

(۳) افضلیت لوگوں کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے اگر لوگوں میں طولِ قیام کی وجہ سے مشقت کا احتمال ہے تو دس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھے جیسا کہ حضورؐ رمضان اور غیر رمضان میں اپنے طور پر کیا کرتے تھے جو کہ ایک افضل عمل ہے۔ اور اگر لوگوں میں طولِ قیام کی دشواری کا احتمال

يَحْتَمِلُوْنَهٗ فالقيامُ بعشرينَ هُوَ الافضلُ وَهُوالّذی يَعْمَلُ بِهٖ اکثرُ المُسْلِمين فانهٗ وَسط بَيْنَ الْعَشْرِوَ بَيْنَ الاَرْبَعِيْنَ۔

نہ ہو تو بیس رکعت تراویح ہی زیادہ افضل ہے۔ اور یہ وہی عمل ہے جس پر اکثر مسلمانوں نے عمل کیا ہے اسلئے کہ یہ عمل دس اور چالیس کے درمیان میں ہے جسکو خیرالامُوْرِاَوْسَاطُھا کہا جا سکتا ہے۔

(فتاوٰی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۲/ ۲۷۲)

آٹھ رکعت تراویح سلف سے ثابت نہیں

غیر مقلدین سے یہ سوال ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد صحابہ کرام اور سلف صالحین میں سے کن کن حضرات نے آٹھ رکعت تراویح باجماعت مسجد میں ادا کیں کس سن میں کس شہر میں ذرا ثابت کریں؟ نیز بیس رکعت تراویح پر سلفِ صالحین میں سے کس نے نکیر فرمائی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ غیر مقلدین جو اپنے آپ کو حجازِ مقدس میں جھوٹ بول کر سلفی ثابت کرنیکی کوشش کر رہے ہیں وہ کس ہمت اور جرأت کی بنا پر اجماعِ صحابہ اور خلفائے راشدین اور سلفِ صالحین کے خلاف آواز اُٹھا رہے ہیں؟

منبر پر خطیب کا سلام

(اعتراض ۳۹) "خطیب جب منبر پر بیٹھے تو سلام کرے۔"
(بحوالہ درمختار ۱/۳۷۴)

غیر مقلدین نے یہ مسئلہ غلط نقل کیا ہے، درمختار کا ترجمہ غایۃ الاوطار جہاں سے معترض نے اعتراض نقل کیا ہے وہاں پر سلام کو منع لکھا ہے۔ ہاں البتہ درمختار میں امام شافعیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ اس کو غلط انداز سے نقل کر کے لوگوں کو دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا حنفیہ کی کتابوں میں دیگر ائمہ کے مذاہب اور مسلک کا بیان ناجائز اور حرام ہے؟

ایسا ہرگز نہیں۔ امام نوویؒ اور علامہ شوکانی اور عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ وغیرہم کی کتابوں کو دیکھئے کہ ہر مذہب اور ہر مسلک کے اقوال انہیں آپ کو ملیں گے، اس مسئلہ میں درمختار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ درمختار ۲/۲۳ مطبع زکریا ۲/۱۵۰ مطبع کراچی میں عبارت یوں ہے۔ "وَقَالَ الشافعی إِذَا استوىٰ علىٰ المنبر سَلّم" درمختار میں امام شافعیؒ کا مسلک بیان کیا گیا ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو لوگوں کو سلام کرے، یہ حنفیہ کا مسلک نہیں ہے بلکہ شافعیہ کا مسلک ہے۔ ہمیں غیر مقلدین سے یہ شکوہ ہے کہ انہوں نے امام شافعیؒ کا مسلک درمختار کے حوالہ سے حنفیہ کی جانب کیوں منسوب کیا۔ البتہ حنفیہ کے یہاں اس مسئلہ کا حکم کیا ہے یہ الگ بات ہے۔

حنفیہ کا موقف

اس مسئلہ میں حنفیہ کا موقف کیا ہے تو اس سلسلے میں کتب احناف میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں بعض روایات میں ترک سلام کو افضل کہا اور بعض روایات میں مُباح کہا ہے۔ اور بعض روایات میں مستحب لکھا ہے۔ یہ اختلافات حدیث شریف کے مختلف ہونے کی وجہ سے پیش آئے ہیں کہ اس سلسلہ کی بعض حدیث شریف نہایت ضعیف اور متکلم فیہ ہیں اور بعض اس سے کچھ اُوپر کے درجہ کی ہیں جس کی تفصیل انشاء اللہ ہم ابھی آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ لیکن اس مسئلہ میں حنفیہ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختیاری ہے، اگر کوئی خطیب سلام کرے تو اسکی بھی اجازت ہے بلکہ بعض فقہاء مستحب کہتے ہیں۔ اسلئے حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے بہشتی زیور ۱۱/۸۲ میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سب لوگ جمع ہو جاتے اس وقت آپؐ تشریف لاتے اور حاضرین کو سلام کرتے۔ اور حضرت بلالؓ اذان کہتے اور اگر کوئی سلام نہ کرے تو اس پر بھی کوئی ملامت نہیں۔ اسلئے کہ حدیث شریف متکلم فیہ ہے:

مَافی السّراج انه، یستحبّ للامام اذا — کتاب سراج کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ امام کیلئے مستحب یہ

صعد المنبر و اقبل علی الناس ان یسلم علیہم لانہ استدبرھم فی صعودہ۔ وقولہ فی الجوھرۃ : ویروی انہ لاباس بہ لانہ استدبرھم فی صعودہ۔
(شامی زکریا ۳/ ۲۳
البحر الرائق ۲/ ۱۴۸ - ۱۵۵)

ہے کہ جب منبر پر چڑھ کر لوگوں کیطرف متوجہ ہوجائے تو لوگوں کو سلام کرے۔ اور جوہرہ میں ہے کہ فقہاء سے یہ بات مروی ہے کہ امام کیلئے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ امام لوگوں کو سلام کرے۔ اسلئے کہ امام نے منبر پر چڑھتے وقت اپنی پیٹھ لوگوں کیطرف کی۔ اس کے بعد لوگوں کیطرف متوجہ ہوا ہے۔

منبر پر خطیب کے سلام کی روایات

منبر پر چڑھنے کے بعد خطیب کے لوگوں کو سلام کرنے سے متعلق کتب حدیث میں روایات ملتی ہیں

(۱) عن محمد بن یحییٰ حدثنا عمرو بن خالد ثنا ابن لھیعۃ عن محمد بن زید ابن مھاجر عن محمد بن المنکدر عن جابر ابن عبداللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صعد المنبر سلم۔ (سنن ابن ماجہ ۱/ ۷۸،
نصب الرایہ ۲/ ۲۰۵، اعلاء السنن ۸/ ۸۳)

(۱) حضرت عمرو ابن خالد عبداللہ ابن لہیعہ کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر چڑھتے تو لوگوں کو سلام کرتے۔

(۲) حدثنا محمد بن الحسن حدثنا محمد بن ابی السری حدثنا الولید بن مسلم حدثنا عیسیٰ بن عبداللہ الانصاری عن نافع عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا دخل المسجد یوم الجمعۃ سلم علی من عند منبرہ من الجلوس فاذا

(۲) عیسیٰ ابن عبداللہ انصاری کے طریق سے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لاتے تو جو لوگ منبر کے قریب بیٹھے ہوئے ہوتے ان کو سلام فرماتے

صعد المنبر توجّه الی الناسِ فسلم علیہم (المعجم الاوسط للطبرانی ۷/۳۴۹) وفیہ عیسٰی بن عبداللہ الانصاری وھو ضعیف وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ (مجمع الزوائد ۲/۱۸۴، اعلاء السنن ۸/۸۳، نصب الرایہ ۲/۲۰۵)

اور پھر جب منبر پر چڑھ جاتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر ان کو سلام فرماتے۔

(۳) حدثنا ابوبکر حدثنا ابو اُسامة حدثنا مجالد عن الشعبی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعة استقبل الناس بوجھہٖ فقال السّلام عَلیکم وکان ابوبکر و عمر وعثمان یفعلونہٗ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۴، نصب الرایہ ۲/۸۶، اعلاء السنن ۸/۸۴)

(۳) امام عامر شعبی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن منبر پر چڑھتے تو لوگوں کیطرف متوجہ ہوکر السّلامُ عَلیکم فرماتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی ایسی ہی کیا کرتے تھے۔

(۴) اخبرنا ابن جریج عن عطاء قال کان النبی صَلی اللہ علیہ وسَلم اذا صعد المنبر یوم الجمعة استقبل بوجھہٖ فقال السلام علیکم (اعلاء السنن ۸/۸۴، نصب الرایہ ۲/ ۲۰۶)

(۴) حضرت عطاء ابن ابی رَباح فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تو السّلامُ عَلیکُمْ فرماتے۔

روایات کا جائزہ

منبر پر خطیب کے سلام سے متعلق یہ کل چار روایات آپ کے سامنے پیش کی جاچکیں۔ مگر ان روایات کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے۔ اس پر واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ پہلی روایت جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ اس روایت کی سند میں دو راویوں پر محدثین نے کلام فرمایا ہے (۱) عبداللہ ابن لہیعہ۔ ان کی کتابیں جل جانے کے بعد انکا حافظہ متاثر

ہو چکا تھا اسلئے محدثین نے عبداللہ بن لہیعہ کو ضعیف اور کمزور راوی قرار دیا۔ (۲) عمرو ابن خالد ابن فروخ التمیمی الحرانی ان کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے دسویں طبقہ کے محدثین میں شمار فرمایا اور ثقہ کہا ہے لیکن عبداللہ ابن لہیعہ اور ان کی وفات کے درمیان میں ۵۵ سال کا فاصلہ ہے اسلئے کہ ابن لہیعہ کی وفات ۱۷۴ھ میں ہے اور عمرو ابن خالد تمیمی کی وفات ۲۲۹ھ میں ہے۔ اسلئے اس حدیث شریف کی سند کو کسی حد تک اگر مان بھی لیا جائے تو منقطع شمار ہوگی اور منقطع حدیث شریف غیر مقلدین کے یہاں معتبر نہیں۔ نیز ابن ابی حاتم وغیرہ نے اس حدیث شریف کو موضوع قرار دیا ہے۔ نصب الرایہ اور ابن ماجہ شریف کے حاشیہ میں اس کی تفصیلی بحث موجود ہے۔ اور اگر عمرو ابن خالد قریشی مراد ہے تو اس کو امام وکیع وغیرہ نے متہم بالکذب قرار دیا ہے۔ اسلئے یہ روایت متکلم فیہ ہے۔

اور دوسری روایت میں عیسٰی ابن عبداللہ انصاری ہے اس کو امام ابو بکر ہیثمی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور امام یحیٰی ابن سعید قطان نے ان کو منکر الحدیث فرمایا ہے۔ اسلئے اس حدیث شریف کو بھی ضعیف کہا گیا ہے۔

اور تیسری روایت امام عامر شعبی کی مرسل روایت ہے اور مرسل روایت غیر مقلدین کے یہاں ان کے اصول کے مطابق قابل استدلال نہیں ہوتی۔

اسی طرح چوتھی روایت امام عطاء ابن ابی رباح کی مرسل روایت ہے۔ اور یہ بھی ان کے یہاں معتبر نہیں۔ اب ثابت ہوا کہ مذکورہ چاروں روایات یا تو ضعیف ہیں یا مرسل ہیں بہرحال چاروں روایات متکلم فیہ ہیں۔ اور ایسی روایات احناف کے یہاں تو آداب اور مستحبات میں مستدل بن سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور میں از قبیل آداب تحریر فرمایا ہے۔ اور کتاب سراج کے اندر مستحب نقل فرمایا ہے جیسا کہ ماقبل میں آپ کے سامنے اس کی تفصیل آچکی۔

لیکن غیر مقلدین جو اپنے آپ کو بتکلف سلفی کہتے ہیں ان کے یہاں اس قسم کی روایات

مستدل نہیں بن سکتی۔ بلکہ ان کے یہاں مستدل جب ہی بن سکتی ہے کہ جب حدیث شریف مرفوع ہو متصل السند بھی ہو اور سند کے تمام رجال ثقہ اور معتبر ہوں اور کوئی راوی متکلم فیہ نہ ہو۔ اور مذکورہ روایات میں سے کسی میں یہ تمام شرائط موجود نہیں ہیں تو ہماری طرف سے سوال ہے کہ یہ احادیث ان کی شرائط کے مطابق نہ ہونیکے باوجود وہ لوگ منبر پہ سلام کا التزام کیوں کرتے ہیں؟ اور حنفیہ کے اُوپر اعتراض و الزام بھی قائم کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حنفیہ کے یہاں اس قسم کی روایات پر عمل کرنے میں اختیار ہے۔ اگر کوئی عمل کرتا ہے تو اسکی بھی اجازت ہے۔ اور اگر کوئی عمل نہیں کرتا ہے تو اس پر بھی کوئی ملامت نہیں۔

ہر زبان میں خطبہ کا مسئلہ

(اعتراض نمبر ۴۳) "خطبہ ہر زبان میں جائز ہے۔"
(بحوالہ درمختار ۱/۴۰۳)

اس مسئلہ میں درمختار کا حوالہ غلط ہے۔ درمختار میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں ہے۔ بلکہ علامہ شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف نقل فرمایا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک غیر عربی میں بھی خطبہ کی گنجائش ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ مشروع نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اس لئے کہ خطبہ میں اصلاً ذکر اللہ مقصود ہے۔ اور ذکر اللہ میں مطلب کا سمجھنا لازم نہیں۔ اور جمعہ کے خطبہ کو نماز کی قرارت کیساتھ زیادہ مشابہت ہے۔ لہٰذا جسطرح قرارت کا سمجھنا مقتدیوں پر ضروری نہیں بلکہ کان لگاکر سننا ضروری ہے۔ اسی طرح جمعہ کے خطبہ کا بھی مسئلہ ہے۔ کہ اسکا بھی کان لگاکر سننا ضروری ہے یہی حنفیہ کا مفتی بہ اور راجح قول ہے۔ (امداد الاحکام ۲/۱۹۴، ۲۴۵، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۵/۴۳، ۵۲، ۱۲۹، امداد الفتاویٰ ۱/۶۴۶، ۶۵۶، عزیز الفتاوی ۵/ ۲۷، امداد المفتیین ۲/۲۸۲)

لا شك فی ان الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی الله علیه وسلم والصحابة فیکون مکروها تحریما۔

(شرح وقایہ ۱/۲۰۰ حاشیہ ۲، شامی زکریا ۳/۱۹)

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر عربی میں خطبہ دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی اس سنت کے خلاف ہے جو ہم تک متواتر و توارث کے ساتھ آئی ہے لہٰذا یہ مکروہ تحریمی ہو۔

غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں حنفیہ کے اختلاف کو دیکھ کر موقع کو غنیمت سمجھا کہ ایک قول انکا ہے ہی اس کو ظاہر کیا اور اصل مسلک کو چھپا رکھا، اور درمختار کو بھی براہِ راست نہیں دیکھا۔ اسلئے کہ درمختار میں ایسا مسئلہ ہے ہی نہیں۔

شوہر کی نعش کو نہلانا

(اعتراض ۴۱) "بیوی اپنے شوہر کی نعش کو نہلاوے"۔
(بحوالہ درمختار ۱/۴۰۳)

یہ مسئلہ بحوالہ درمختار بالکل صحیح ہے۔ حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہی ہے کہ اگر شوہر کو نہلانے کیلئے مرد نہ ہوں تو بیوی شوہر کو نہلا سکتی ہے۔ کتب احناف میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

وهی لاتمنع من ذٰلك (درمختار) وفی الشامیة: ای من تغسیل زوجها دخل بها اولا ومثله فی البحر وفی البدائع: المرأة تغسل زوجها لان اباحة الغسل مستفادة بالنکاح فتبقی مابقی النکاح والنکاح بعد الموت باقی الی ان تنقضی العدة۔

(شامی زکریا ۳/۹۰-۹۱، البحر الرائق ۲/۱۷۴، بدائع الصنائع کراچی ۱/۳۰۴)

اور عورت کو اس سے نہیں روکا جائیگا یعنی اپنے شوہر کو غسل دینے سے نہیں روکا جائیگا ہمبستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور ایسا ہی البحر الرائق اور بدائع میں ہے کہ عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اس لئے کہ غسل کی اباحت نکاح سے مستفاد ہے۔ لہٰذا یہ اباحت باقی رہیگی جب تک نکاح باقی رہیگا۔ اور نکاح موت کے بعد عدت گذرنے تک باقی رہتا ہے۔

غیر مقلدین نے اس مسئلہ سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنیکا ارادہ کیا ہے؟ جبکہ کتبِ حنفیہ میں یہ مسئلہ ثابت ہے۔ اور مسلکِ حنفی کے کسی معتبر عالم نے اسکا انکار نہیں کیا تو اس کو موضوعِ بحث بنانیکا کیا مقصد ہے؟ محض خالی الذہن مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کیلئے یہ ناپاک حرکت کی ہے۔ اللہ پاک ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

نمازِ جنازہ میں رفعِ یدین

(اعتراض ۴۲) "تکبیراتِ جنازہ میں رفعِ یدین جائز ہے" (بحوالہ درمختار ۱/۴۱۰)

درمختار کے حوالے سے غیر مقلدین نے یہ مسئلہ غلط نقل کیا ہے۔ مسئلہ ایسا نہیں ہے بلکہ درمختار میں مسئلہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر یعنی تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ اور بقیہ تکبیروں میں ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ ہاں البتہ ائمہ بلخ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تمام تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے جو احناف کا مسلک نہیں ہے تو غیر احناف کے مسلک کو نقل کرنا کیا ناجائز ہے؟ ایسا ہرگز نہیں۔

وهی اربع تکبیرات۔ یرفع یدیه فی الاولیٰ فقط وقال ائمة بلخ فی کلها (درمختار) وفی الشامیة: وهو قول الائمة الثلاثة ورواية عن ابی حنیفة کما فی شرح درر البحار والاول ظاهر الرواية (شامی زکریا ۳/۱۰۹) لاترفع الایدی فی صلوٰة الجنازة سوی تکبیرة الافتتاح وهو ظاهر الرواية۔

نمازِ جنازہ چار تکبیرات کا نام ہے صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائیں اور ائمہ بلخؒ اور امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ تمام تکبیروں میں ہاتھ اٹھائیں اور امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت بھی ہے جیسا کہ درر البحار میں ہے اور ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے جائیں اور بحر کی عبارت میں ہے کہ نمازِ جنازہ میں شروع کی تکبیر کے علاوہ کسی

(البحر الرائق ۲/۱۸۲) اور میں ہاتھ نہ اٹھائے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے

مُسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کیلئے دوسرے ائمہ کے مسلک کو اس طرح نقل کر دیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہی حنفیہ کا مسلک اور مذہب ہے۔ یہ نہایت غلط بات ہے۔ یا اعتراضات کی کثرت دکھانے کیلئے یہ حرکت کی ہے۔ اللہ پاک ہدایت عطا فرمائے۔

تیجہ، دسواں، چالیسواں

(اعتراض ۴۳) "تیجہ، دسواں، چالیسواں نہایت مذموم بدعت ہے۔"
(بحوالہ بہشتی زیور)

یہ مسئلہ بحوالہ بہشتی زیور اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ (بہشتی زیور ۱/۱۴۱) اور شامی میں بھی۔ یہ مسئلہ وضاحت سے موجود ہے کہ اگر کوئی تیجہ، دسواں، چالیسواں کرتا ہے تو مذموم ترین بدعت کا ارتکاب کرتا ہے یہی حنفیہ کا مسلک ہے اور حنفیہ کی کتابوں میں ان رسُومات کے جواز کا کہیں ذکر نہیں بلکہ ہندوستان میں ہندوؤں کی یہی رسم ہے اگر کوئی مسلمان جہالت کی وجہ سے ان رسومات کا ارتکاب کرتا ہے تو مسلکِ حنفی اس کا ذمہ دار نہیں۔ ان بُری رسومات کے ذمّہ دار خود ان کے مرتکب ہیں حنفیہ کے یہاں یہ چیزیں جائز نہیں۔ لہٰذا حنفیہ پر اسکا کیا الزام ہے؟ دیکھئے احناف کی کتابوں میں کیا لکھا ہے؟

ویکرہ اتخاذ الضیافۃِ من الطعامِ من اَھلِ المیتِ لانہ شرع فی السّرورِ لا فی الشرورِ۔ | اور میّت کے گھر والوں کیطرف سے ضیافت کے کھانوں کا انتظام کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ ضیافت کے کھانے کا انتظام کرنا خوشی کے موقع پر مشروع ہے پریشانی

وھی بدعۃ مستقبحۃ وفی البزازیۃِ ویکرہ اتّخاذ الطّعامِ فی الیوم الاوّلِ والثالثِ وبعد الاسبوع۔ | اور بُرے موقع پر مشروع نہیں ہے اور وہ بد ترین بدعت ہے۔ اور پہلے دن میں کھانا کھلانا تیجہ کرنا اور ساتواں کرنا مکروہ ہے اور بعد الاسبوع

(شامی زکریا ۳/۱۴۸، بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۹، طحطاوی علی المراقی/۳۳۹، البحر الرائق ۲/۹۴) میں دسواں، بیسواں سب شامل ہیں جو شرعاً ناجائز ہے۔

قبروں پر عمارت بنانا، چراغ جلانا

(اعتراض ۴۴) "ولی کی قبر پر بلند مکان بنانا، چراغ جلانا بدعت ہے"۔
(بحوالہ درمختار ۴/۲۴۳)

حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ قبروں پر عمارت بنانا اور بڑے بڑے گنبد تعمیر کرنا اور پھر قبروں پر چادر پھول چڑھانا، یہ تمام امور ناجائز اور بدعت قبیحہ ہیں۔ یہی حنفیہ کا اصل مسلک ہے اور اگر کہیں ان امور کا جواز لکھا ہے تو ان پر حنفی مسلک کا اعتماد نہیں نہ ہی ان کے جواز پر قرآن و حدیث میں کوئی دلیل ہے بلکہ احادیث شریفہ میں ان چیزوں کی ممانعت کا تاکیدی حکم موجود ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۱) نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبور وان يبنى عليها وان يقعد عليها (مسلم شریف ۱/۳۱۲، ترمذی شریف ۱/۲۰۳)

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ پختہ قبر بناکر اس کو پلاسٹر کیا جائے یا اس کے اوپر عمارت بنائی جائے یا اس کے اوپر بیٹھا جائے یا اس کو روندا جائے۔

ولا يجصص للنهي عنه ولا يطين ولا يرفع عليه بناء (درمختار) وفي الشامية: اى يحرم لو للزينة ويكره لو للاحكام بعد الدفن. (شامی زکریا ۳/۱۴۴، البحر الرائق ۲/۱۹۴، طحطاوی علی المراقی/۳۳۵، فتح القدیر ۲/۱۰۰)

اور درمختار میں ہے کہ قبر کے اوپر پلاسٹر نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کو پختہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے اوپر عمارت بنائی جائے۔ اور شامی میں ہے کہ قبروں کو پختہ کرنا اگر زینت کیلئے ہے تو حرام ہے اور اگر دفن کے بعد مضبوطی کیلئے ہے تو مکروہ ہے۔

ہمارے ہندوستان میں حنفی مسلک کے ماننے والے لوگ عقیدہ کے اعتبار سے دو قسم پر ہیں۔

(۱) **دیوبندی مکتبِ فکر:** ان کے نزدیک قبروں پر عمارت، گنبد بنانا اسی طرح قبروں کو پختہ بنانا اور قبروں پر پھول چادر چڑھانا، چراغ جلانا یہ تمام امور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ناجائز اور حرام ہیں۔

(۲) حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قبروں کی

(۲) لعن اللہ زائرات القبور و المتخذین علیها المساجد والسرج۔ الحدیث (ترمذی شریف ۱/۲۰۳، نسائی شریف ۱/۲۲۲ ابوداؤد شریف ۲/۶۱)

زیارت کرنیوالی عورتوں پر لعنت کرتا ہے۔ اور ان لوگوں پر لعنت کرتا ہے جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور قبروں پر چراغ جلاتے ہیں۔

اور یہی حنفیہ کا صحیح مسلک ہے۔

(۲) **بریلوی مکتبِ فکر:** ان کے علماء و عوام میں بہت سے مسائل میں نرمی اور بدعاتِ ممنوعہ دیکھنے میں آتے ہیں — اسی قسم کے مسائل کی وجہ سے دیوبندی مکتبِ فکر اور بریلوی مکتبِ فکر کے درمیان زبردست اختلاف ہے حتیٰ کہ ایک دوسرے سے سلام مصافحہ بھی گوارہ نہیں کرتے، چنانچہ دیوبندی مکتبِ فکر کے علماء و مشائخ کی قبروں پر ایسا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور بریلوی مکتبِ فکر کے علمائے درمیان اس طرح کی بدعاتِ ممنوعہ کا عمل دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔ چنانچہ ان کی مشہور کتاب بہارِ شریعت ۱۶/۲۴۳ میں لکھا ہے کہ بزرگانِ دین اولیاء اللہ کی قبروں پر غلاف وغیرہ ڈالنا جائز ہے۔ ہم دیوبندی مکتبِ فکر کے لوگ اس کو قطعاً ناجائز سمجھتے ہیں۔

لہٰذا بریلوی مکتبِ فکر کے اعمالِ مبتدعہ کا الزام ہم دیوبندی مکتبِ فکر کے لوگوں پر عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم ان جملہ امور کو قطعاً ناجائز سمجھتے ہیں۔

نیز ہم نے سببِ تالیف کے تحت کتاب کے مقدمہ میں لکھدیا ہے کہ یہ جوابات دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے دیئے جا رہے ہیں۔ اور بریلوی مکتبِ فکر کے ہم ذمہ دار نہیں۔

قبروں کو بوسہ دینا نصارٰی کی عادت

(اعتراض ۴۵) "قبروں کا بوسہ دینا جائز نہیں کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔" (بحوالہ درمختار ۴/۲۴۲)

یہ مسئلہ صاحب غایۃ الاوطار نے ہندیہ کے حوالہ سے درمختار کے ترجمہ کے بعد نقل فرمایا ہے۔ درمختار میں ایسا مسئلہ کہیں نہیں ہے۔ ہاں البتہ قبروں کو بوسہ دینا نصارٰی کی عادت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں یہ مسئلہ موجود ہے اور یہی حنفیہ میں سے دیوبندی مکتبِ فکر کا مسلک ہے کہ قبروں کو بوسہ دینا ناجائز اور بدعتِ شنیعہ ہے۔

لا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلك من عادۃ النصارٰی۔ (عالمگیری ۵/۳۵۱، طحطاوی علی المراقی / ۳۴۱، مرقاۃ ۴/۱۱۵، مالابدمنہ)

یعنی نہ قبر پر ہاتھ پھیرا جائے اور نہ ہی اس کو بوسہ دے اس لئے کہ یہ نصارٰی کی عادت ہے۔

اگر کسی حنفی کا عمل اسطرح دیکھنے میں آیا ہے تو وہ اسکا ذاتی عمل ہے مسلک حنفی پر اس کا کوئی اِلزام نہیں بلکہ اس عمل کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

انبیاء و اولیاء کی قبروں کا سجدہ وطواف حرام

(اعتراض ۴۶) "انبیاء و اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا، طواف کرنا، نذر چڑھانا حرام و کفر ہے۔" (بحوالہ مالابدمنہ ۵۲)

مسئلہ صحیح ہے اور قبروں پر سجدہ اور طواف کو حنفی دیوبندی صرف حرام نہیں سمجھتے بلکہ کفر اور شرک سمجھتے ہیں اور حنفی دیوبندی مکتبِ فکر کے عوام بھی اس کو شرک سمجھتے ہیں۔ اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے اور جو شخص اولیاء اللہ کی قبروں پر ان اُمورِ شنیعہ کا ارتکاب کریگا

تو مسلک حنفی اسکا ذمہ دار نہیں ہے۔ (مالابدمنہ ۷۲، عزیز الفتاویٰ ۸۸)

قال شمس الائمۃ السرخسی ان کان بغیر اللہ تعالیٰ علیٰ وجہ التعظیم کفر قال القهستانی وفی الظهیریۃ یکفر بالسجدۃ مطلقاً۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ اگر غیر اللہ کا سجدہ تعظیم کیلئے ہے تو کفر ہے اور قہستانی اور ظہیریہ میں ہے کہ سجدہ ہر حال میں موجب کفر ہے۔

(شامی زکریا ۹/ ۵۹۱، اشعۃ اللمعات للمحقق الامام الشیخ عبدالحق الدہلوی ۱/ ۱۶۷)

اگر کسی بدعمل و بددین کا شرکیہ عمل دیکھنے میں آیا ہے تو اسکا الزام حنفیہ پر کیوں عائد کیا جا رہا ہے؟ کیا غیر مقلدین خالی الذہن مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ قبروں کو سجدہ کرنا یا طواف کرنا حنفیہ کا عمل ہے؟ یہ قطعاً غلط اور جھوٹا الزام ہے نہ حنفیہ کی کتابوں میں اسکا جواز ملیگا اور نہ ہی ذمہ دار علماء اس کو جائز کہہ سکتے ہیں۔ جو لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں ان کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ حنفیہ پر اسکا کوئی الزام نہیں۔

اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت

(اعتراض ۴۷) "جو ولی کی قبر کے واسطے مسافت طے کرے وہ جاہل و کافر ہے۔ (بحوالہ درمختار/۵۲۹)

یہ غایۃ الاوطار کا حوالہ ہے۔ حوالہ اپنی جگہ درست ہے۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ومن لولی قال طی مسافۃ یجوز جھول ثم بعض یکفر۔ (درمختار مع شامی زکریا ۶/ ۴۰۹، کراچی ۴/ ۲۰۶، مصری ۳/ ۳۳۵)

اور جو شخص کسی ولی کے مزار کیلئے مسافت طے کرنے کو جائز کہتا ہے یہ اس کی جہالت ہے اور بعض نے وہاں سجدہ وغیرہ کیوجہ سے باعث کفر کہا ہے۔

اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کیلئے سفر کرنا دو طرح سے ہوتا ہے۔

(۱) وہاں پہونچنے سے مرادیں پوری ہوجائیں گی یا یہ خیال کرنا کہ اولیاء اللہ کے توسل

سے اللہ سے مانگنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ انکی قبروں کے پاس جاکر اللہ سے مانگا جائے تو اس طرح کا سفر جہالت ہے۔ شامی میں زعفرانی کے قول کا یہی مقصد ہے۔

ومن قال طی مسافة یجوز للولی جهول وهذا قول الزعفرانی

(شامی زکریا ۶/۹۰۴، کراچی ۴/۲۶۰، مصری ۳/۳۳۵)

اور اگر یہ سوچ کر سفر کیا جائے کہ صاحبِ قبر سے مُراد مانگیں گے وہ مُرادیں پوری کر سکتا ہے تو یہ سفر باعثِ کفر ہوگا اور ابن مقاتل و محمد بن یوسف کے قول کا یہی مطلب و مقصد ہے۔

والقائل بکفره هو ابن مقاتل و محمد بن یوسف　(شامی زکریا ۶/۹۰۴)

(۲) اولیاء کے مزارات کی زیارت کے واسطے جو سفر کیا جارہا ہے وہ اسلئے ہرگز نہیں کیا جارہا ہے کہ ان سے مُرادیں مانگیں جائیں گی یا اولیاء کا توسل وہیں جاکر کے ہو سکتا ہے بلکہ اس لئے سفر کر رہا ہے کہ ان کی قبر پر کھڑے ہو کر عبرت حاصل کی جائے گی اور آخرت کی یاد خوب اچھی طرح ہو سکتی ہے لہٰذا اس طرح یادِ آخرت و عبرت کی نیت سے سفر کرنا جائز اور درست ہے۔ حدیث صحیح کی روشنی میں اسکا جواز ثابت ہے۔

عن بریدة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد کنت نهیتکم عن زیارة القبور فقد اذن لمحمد فی زیارة قبر امه فزوروها فانها تذکر الآخرة. قال ابو عیسی حدیث بریدة حدیث حسن صحیح والعمل علی هذا عند اهل العلم لا یرون بزیارة القبور باسا وهو قول ابن المبارک والشافعی واحمد واسحق۔ (ترمذی شریف ۱/۲۰۳)

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب اللہ نے محمدؐ کو اپنی والدہ کی قبر مبارک کی زیارت کی اجازت دیدی ہے لہٰذا اب تم قبروں کی زیارت کو جاسکتے ہو اسلئے کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے اور اسی پر علماء امت کا عمل ہے وہ اسمیں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں اور امام عبداللہ بن مبارکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰق بن راہویہ کا یہی قول ہے۔

حدیث شریف کی اس عبارت پر غور فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کی اجازت کے ساتھ ساتھ دو باتیں ارشاد فرمائیں۔

۱۔ زیارت قبور سے آخرت کی یاد آجاتی ہے، اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی ہے، اور والدہ محترمہ کی قبر شریف مقام ابواء میں ہے جو مدینۃ المنورہ سے ۵۰ کیلومیٹر سے کم نہیں۔ لازمی بات ہے کہ والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کیلئے ایک لمبی مسافت طے کرنا پڑے گی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص عبرت کیلئے مسافت طے کر کے جاتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مذکورہ حدیث سے اسکا جواز ثابت ہے۔ یہ سفر حصولِ عبرت اور یادِ آخرت کیلئے ہے جو فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ سے واضح ہے۔ اب ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ درمختار کے حوالہ سے اس اعتراض کا کیا مقصد ہے جبکہ حنفیہ کا وہی عقیدہ اور مسلک ہے۔ جو حدیث صحیح کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اگر کسی کو اس حدیث شریف پر اشکال ہے تو وہ بتلائے کیوں اشکال ہے؟ کیا اس حدیث میں کوئی کمی نظر آرہی ہے تو بتلایئے کیا کمی ہے یا اپنے مطلب کے موافق نہ ہونا یہی کمی ہے۔ اگر اپنے مطلب کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے ہے تو اس سے بڑا بددین کوئی نہ ہوگا۔ حنفیہ تو حدیث کی روشنی میں جہاں تک جائز ہے وہاں تک جائز کہتے ہیں۔ اس سے آگے حنفیہ جائز نہیں کہتے تو پھر کس بنا پر اشکال ہے؟

غیر اللہ کی منت ماننا

(اعتراض ۴۸) "غیر اللہ کی منت ماننا شرک ہے، اسکا کھانا حرام ہے"۔ (بحوالہ بہشتی زیور ۶۵)

مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ غیر اللہ کی منت ماننا حرام اور شرک ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ غیر مقلدین اسکے ذریعہ حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ جب کہ وہ بھی اسی کے

قائل ہیں۔ اور ہم حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں تو پھر اختلاف و الزام کی کیا وجہ ہے۔ یہ مسئلہ بہشتی زیور ۱/۴۳ پر ہے) شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اهل بہ لغیر اللہ۔ (شامی زکریا ۹/۴۴۹، کراچی ۶/۳۰۹، مصری ۵/۲۶۹)

کسی امیر کو کھلانے کی غرض سے نہیں بلکہ اس کی عظمت کیلئے ذبح کیا جائے تو جانور حرام ہوجاتا ہے۔ اسلئے کروہ مَا اُهِلَّ بِہٖ لِغیرِ اللہ میں داخل ہوگیا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ کثرتِ اشکال کے ذریعہ خالی الذہن مسلمانوں میں شکوک و شبہات پیدا کرکے رعب جمانا چاہتے ہیں۔ اور اگر غیر مقلدین نے کسی جاہل و ناواقف کو غیر اللہ کی منت مانتے ہوئے دیکھا ہے تو حنفی مسلک کی رُو سے یہ شرک اور حرام ہے۔ جیسا کہ بہشتی زیور میں مذکور ہے۔ اس فعلِ حرام کا ذمہ دار وہ جاہل و ناواقف خود ہے۔ مسلک حنفی پر اس کا کوئی الزام نہیں۔

مَا اُهِلَّ بِہٖ لِغیرِ اللہ کی حُرمت

(اعتراض ۴۹) "جس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہا ہو تو ذبیحہ حرام ہے۔ (بحوالہ درمختار ۴/۲۷۰-۲۷۹)

مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے یہی حنفیہ کا مسلک ہے اور درمختار میں یہ مسئلہ موجود ہے تو ہم غیر مقلدین سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا غیر مقلدین نے کہیں یہ دیکھا ہے کہ حنفیہ نے ایسے جانور کو حلال کہا ہو؟ تو پھر غیر مقلدین اس مسئلہ کے ذریعہ سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

ذُبح لقدومِ الامیرِ ونحوہ کواحدٍ مّن العُظماء یَحرُمُ لانہ اُهِلَّ بہٖ لِغیرِ اللہ ولَوذکرَ اسمُ اللہِ تعَالیٰ۔ (شامی زکریا ۹/۴۴۹، کراچی ۶/۳۰۹، مصری ۵/۲۶۹)

کیا غیر مقلّدین نے یہ کہیں دیکھا ہے کہ حنفیہ نے مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہِ کو حلال کہا ہو ایسا ہرگز نہیں بلکہ مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہِ حرام ہے۔ پھر حنفیہ پر کیا الزام ہے؟ مگر یاد رکھیں کہ مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہِ۔ اور سَائبہ میں فرق ہے کہ مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ اسی وقت حرام ہو چکا جس وقت عمل ہوا ہے۔ بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ان کو کوئی حیثیت نہیں دی ہے۔ چاہے تم طاغوت اور اپنے معبودوں کے لئے نذر مان کر چھوڑ دو۔ مگر اس نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا وہ مالک کی ملکیت سے نہیں نکلیں گے۔ اسلئے اللہ نے فرمایا: مَا جَعَلَ اللہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ۔ اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کو کوئی حیثیت نہیں دی ہے۔ لہٰذا اس نذر کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور وہ جانور مالک کی ملکیت سے نہیں نکلیگا۔ جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں سانڈ ہے۔ یہ بھی مالک کی ملکیت سے نہیں نکلیگا۔ لہٰذا مالک سے خرید کر یا مالک کی اجازت سے کوئی مسلمان اسلامی طریقہ سے ذبح کر دیگا تو وہ حلال ہوگا۔

مفسرین کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

ومن ھٰھنا عُلِمَ ان البقرۃ المنذورۃ لِلاَولِیاء کما ھو الرّسمُ فی زمانِنا حَلالٌ طیبٌ لانّہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقتَ الذبح وان کانوا ینذرونہا لہ۔ (تفسیرات احمدیہ ص۴۳ سورۃ بقرہ آیت ۱۷۳)

امداد الفتاوی ۴/۱۰۰)

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ گائے بیل اولیاء کے لئے نذر کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے وہ حلال ہیں پاک ہیں۔ اسلئے کہ ذبح کے وقت ان پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ اگرچہ غیر اللہ ہی کے لئے نذر کی گئی ہو۔

مسئلۂ توسّل، حق اور وسیلہ کا فرق

(اعتراض نمبر ۵۰) "دعا بحق نبی و ولی (بطور وسیلہ) مانگنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کا کچھ حق اللہ پر نہیں ہے"۔ (بحوالہ درمختار ۴/۲۳۰، ہدایہ ۴/۳۲۶)

یہ غیر مقلدین کی طرف سے پچاسواں اعتراض ہے۔ جو درمختار اور ہدایہ کے حوالہ سے پیش کیا گیا ہے۔ حوالہ اور مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔ لیکن بحق نبی و ولی کا مفہوم غیر مقلدین نے بطور وسیلہ کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا کر زیادہ کیا ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ بحق نبی اور بتوسل نبی دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دونوں چیزیں بالکل الگ الگ ہیں۔ حق کا معنی اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اور توسّل کے معنی اس سے ہٹ کر ایک جُداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ ہم دونوں کو الگ الگ طور پر واضح کرتے ہیں۔ تاکہ مسلمان خلط بیانی کے دھوکہ سے محفوظ ہو جائیں۔

ا ــــ دُعا، بحقِ نبی و وَلی

حق کے دو معنی ہیں (۱) حق بمعنی وجوب و لزوم۔ (۲) حق بمعنی حرمت وعظمت پہلا معنی حقیقی اور دوسرا معنی مجازی ہے۔ اور پہلے معنی کے اعتبار سے بحقِ نبی اور بحقِ ولی کے الفاظ سے دُعا مانگنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ کسی نبی اور ولی کی طرف سے اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں کی جا سکتی۔ درمختار و ہدایہ کی عبارت کا یہی مطلب ہے۔ لیکن اس میں غیر مقلدین نے اپنی طرف سے تصرف کر کے بحق نبی و وَلی کو بتوسل ولی و نبی کے معنی میں لا کر ناجائز ہونے کا فیصلہ کیا، اور پھر اس فیصلہ کو درمختار و ہدایہ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ حالانکہ درمختار و ہدایہ میں ایسا نہیں ہے۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

①

کرہ قولہٗ بحقِّ رُسلِك وانبیائك و اَوْلیائك اوبحقِّ البیتِ لانّہٗ لاحقّ للخلقِ علی الخالقِ تعالیٰ۔

(۱) مکروہ ہے آدمی کا کہنا تیرے رسُول کے اور تیرے انبیاء و اولیاء کے حق یا تیرے بیت اللہ کے حق سے اسلئے کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔

(درمختار مع الشامی زکریا ۹/ ۵۶۹، کراچی ۶/ ۳۹۷، مصری ۵/ ۳۴۹، ہدایہ پیشور ۴/ ۴۵۹)

② دوسرا معنی یعنی حق بمعنی حرمت اور عظمت کے ہو تو یہ بابِ وسیلہ میں سے ہوگا۔ اور انبیاء اور اولیاء کے توسل سے دُعاء مانگنا جائز اور درست ہے۔ جو ہم انشاء اللہ ابھی آپ کے سامنے نصوص کے ذریعہ سے ثابت کریں گے۔

لکنّ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جَعل لہم حقًّا من فضلہٖ او یُراد بالحقِ الحُرمۃ والعظمۃ فیکون من بابِ الوسِیلۃِ۔

(۲) لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے خاص بندوں کیلئے اپنے فضل سے کچھ حق مقرر فرماتا ہے یا حق سے حرمت وعظمت مُراد ہے جو وسیلہ کے قبیل سے ہے۔

(شامی زکریا ۹/ ۵۶۹، کراچی ۶/ ۳۹۷، مصری ۵/ ۳۵۰)

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی طرف سے کسی کے لئے اگر کوئی حق دینا چاہے تو اللہ کو اس کا اختیار ہے. چاہے حق بمعنی وجوب لزوم کے ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حدیث صحیح کے اندر اس کا ذکر موجود ہے وہ یہ ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ انّ رَسُوْلَ اللہِ صلے اللہ علیہ وسَلم قال ثلٰثۃ حق علی اللہِ عز وجَل عونہم المکاتب الّذی یُرید الاداء والنّاکح الذی یُرید العفاف والمجاھد فی سبیل اللہ۔ الحدیث

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ان کی مدد لازم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے (۱) وہ مکاتب جو بدلِ کتابت ادا کرنیکا ارادہ کرتا ہے۔ (۲) وہ نکاح کرنیوالا جو عفت وپاکدامنی کا ارادہ رکھتا ہے (۳) مجاھد فی سبیل اللہ۔

(نسائی شریف ۲/ ۶۹، ۲/ ۵۵، ابن ماجہ شریف ۱/ ۱۸۴)

حالانکہ اللہ کے اُوپر نہ کوئی چیز واجب ہوسکتی ہے اور نہ کسی کا حق اللہ پر لازم ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر اللہ نے اپنی طرف سے کسی کے لئے کوئی حق اپنے اُوپر لازم کیا ہے تو اس پر کسی کو اللہ پر اعتراض کا حق نہیں۔ جیسا کہ حدیثِ مذکور سے اس کا ثبوت واضح ہے۔ اور شامی کی عبارت بھی اسی کے موافق ہے۔

لکن الله سُبحَانَہٗ وتعالیٰ جعل لهم حقاً من فضله۔ (شامی زکریا ۹/۵۶۹، کراچی ۶/۳۹۷، مصری ۵/۲۴۵)

۲۔۔۔ مسئلہ توسّل

توسّل کے معنی یہ ہیں کہ دُعا، اللہ سے مانگی جائے اور نبی یا ولی کو صرف وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ اور نبی و ولی کے توسّل سے دُعا، مانگنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ نبی و ولی کی طرف سے اللہ پر کوئی چیز لازم کی جارہی ہے۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے فضل سے اپنی طرف سے ایک عظیم ترین حرمت وعظمت عطا، فرمائی ہے۔ اور یہ حُرمت وعظمت انبیاءؑ کی زندگی میں بھی باقی رہی اور وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ اور وفات کی وجہ سے یہ حرمت وعظمت ختم نہیں ہوئی۔ لہٰذا جس طریقہ سے نبی کی زندگی میں نبی کا احترام لازم تھا، اور بے حرمتی واہانت موجبِ کفر تھی، اسی طریقہ سے نبی کی وفات کے بعد بھی بدستور باقی ہے۔ لہٰذا وفات کے بعد اگر کوئی شخص نبی کی بے حرمتی واہانت کریگا تو وہ اسلام سے خارج ہوجائیگا۔ جیسا کہ پوری امت اس بات پر متفق ہے۔ سلمان رُشدی کا کیا حال ہورہا ہے، دیکھتے نہیں؟ کہ دنیا میں چھپے چھپے پھر رہا ہے۔

اب اگر اس حُرمت وعظمت کا وسیلہ دیکر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دُعا، مانگتا ہے چاہے نبی کی زندگی میں واسطہ دیکر دُعا، مانگی جارہی ہو یا نبی کی وفات کے بعد، دونوں

صورتوں میں بلا تردد جائز ہے۔ اور دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

غیر مقلدین کا عمل

غیر مقلدین جو اپنے آپ کو نام کے سلفی کہلواتے ہیں ان پر افسوس اور حیرت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں تو جائز ہے مگر وفات کے بعد جائز نہیں۔ اور اس کہنے کے بعد پھر ان کا عمل اُلٹا ہے کہ نبی کی وفات کے بعد غیر مقلدین کے سب سے بڑے پیشوا حضرت مولانا نذیر حسین دہلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ وہ اپنی معروف ترین علمی کتاب معیار الحق کے اخیر میں لکھتے ہیں:

هٰذا آخر ما الهم الله خالق الثقلين عبده العاجز محمد نذير حسين عافاه الله في الدارين بجاه سيد الثقلين صلى الله عليه وسلم۔	یہ ان چیزوں کا آخر ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ انسان وجنات کے خالق نے اپنے عاجز بندہ محمد نذیر حسین پر الہام فرمایا ہے۔ اللہ ان کو دارین کی عافیت عطا فرمائے انسان وجنات کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور مرتبہ کے توسل سے۔
(معیار حق / ۳۱۹ مکتبہ نذیریہ)	

اگر غیر مقلدین کے پیشوا مولانا نذیر حسین دہلوی ۱۳۲۰ھ کا یہ عمل جائز ہے تو صرف حنفیہ پر کیوں اعتراض ہے؟ اپنے اُوپر کیوں نہیں۔ اگر وفات کے بعد بجاہِ نبی کے الفاظ سے دعاء مانگنا وہ لوگ جائز سمجھتے ہیں تو حنفیہ اور ان کے درمیان میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیئے۔ جب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں رہا تو ہم سب کو چاہیئے کہ نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں بعد الوفات اور قبل الوفات توسّل کی حقیقت سمجھیں۔ آیئے دیکھیئے:

توسّل کے جواز پر دلائل

اب نبی اور ولی کے وسیلہ سے دعاء کے جواز پر دلائل ملاحظہ فرمایئے۔ اس سلسلہ میں بہت سے دلائل ہیں ہم ان میں سے تین قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی قسم کے دلائل

وہ روایات جو آقائے نامدار علیہ السلام کے ارشادات یا حضرات صحابۂ کرام کے ارشادات یا صحابہ کے عمل سے ثابت ہیں ان کا ایک ذخیرہ احادیث شریفہ میں موجود ہے ان میں سے تین روایات ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

① عن عثمان بن حنیف انّ رجُلًا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادعوا اللہ ان یعافینی قال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فھو خیرٌ لک قال فادعہ قال فامرہٗ ان یتوضأ فیحسن وضوءہٗ ویدعوا بھذا الدعاء اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجھت بک الیٰ ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فیّ ھذا حدیث حسن صحیح (ترمذی شریف ۲/۱۹۸، معجم کبیر ۹/۳۱ حدیث ۸۳۱۱ مسند امام احمد بن حنبل ۴/۱۳۸ عمل الیوم واللیلۃ ۱/۵۱۸ حدیث ۶۲۸) المستدرک للحاکم ۱/۷۰۱ حدیث ۱۹۰۹ - ۱/۷۰۷ حدیث ۱۹۲۹۔

(۱) حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک شخص جو آنکھوں سے کمزور تھے حضورؐ کی خدمت میں آکر اللہ سے دعاء کی گذارش فرمائی کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو دُعاء کر دوں اگر چاہو تو صبر کرو۔ اور صبر ہی تمہارے لئے بہتر ہوگا اس شخص نے حضورؐ سے دعاء کیلئے اصرار فرمایا! فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اس نابینا آدمی کو حکم فرمایا کہ اچھی طرح وضو کریں اور اس دُعاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگیں کہ اے اللہ بیشک میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ اور تیرے نبی محمدؐ جو نبیٔ رحمت ہیں ان کا واسطہ اور ان کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں بے شک میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی اس ضرورت کے سلسلہ میں تاکہ تو میری ضرورت پوری کر دے اے اللہ میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول کیجئے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اس حدیث شریف کو صحیح کہا ہے۔ اور امام ابوبکر الدینوری شافعی نے فرمایا کہ یہ حدیث علیٰ شرط البخاری ہے۔ پھر بھی معاندین نے اپنی مرضی کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو مجروح قرار دینے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کی ہیں۔ جو نہایت بے انصافی کی بات ہے۔ جب صحیح حدیث شریف ہے تو اس کو مان لینا چاہیئے۔ نیز اس حدیث شریف کے اصل مضمون پر غور فرمائیں کہ ضریر البصر آدمی نے آپ سے دعاء کی گذارش کی، مگر آپ نے خود دعاء نہیں فرمائی، بلکہ اس سے کہا کہ اس طریقہ سے وسیلہ اور توسل کے الفاظ کے ساتھ دعاء کرو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اس نابینا آدمی کے لئے خود کیوں دعاء نہیں فرمائی اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو بات صاف ہو جائیگی۔ خود حدیث شریف کا مضمون یہ بتارہا ہے کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ہر وقت ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے جو آپ سے دعاء کرانے کے لئے خواہش رکھتے ہوں۔ لہٰذا آپ نے اس حدیث شریف کے ذریعہ سے ساری امت کے لئے ایک لائحہ عمل بتلادیا ہے۔ کہ اس طرح کے الفاظ کے ساتھ اور اسی طریقہ سے آپ کی نبوت کی عظمت وحرمت کے توسل سے لوگ دعاء مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیگا جو آپ کے فرمان میں اللّٰھم انّی اسئلکَ واتوجّہ الیک بنبیّک محمّد نبیّ الرّحمۃ کے الفاظ سے صاف واضح ہوتا ہے۔

(۲) قال ابو بکر: علّمنی رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ علیہِ وَسَلم ھٰذا الدُّعاء فقال قل اللّٰھمّ اِنّی اسئلك بمحمّدٍ نبیّك وبابراھیم خلیلك وبموسیٰ نجیّك وعیسیٰ روحك وكلمتك وبتوریت

(۲) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعاء سکھائی اور فرمایا کہ ان الفاظ سے دعا کیا کرو کہ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے نبی محمدؐ اور تیرے خلیل ابراہیمؑ کے وسیلے سے اور تیرے نجی موسیٰؑ کے توسل سے اور تیری روح اور

موسٰی و انجیل عیسٰی و زبور داؤد و فرقان محمّد و کل وحی اوحیته وقضاء قضیته واسئلك بكل اسم هو لك انزلته فی کتابك واستأثرت به فی غیبك واسئلك باسمك الطهر الطاهر بالاحد الصّمد الوتر وبعظمتك وکبریائك وبنور وجهك ان ترزقنی القرآن والعلم وان تخلطه بلحمی ودمی وسمعی وبصری وتستعمل جسدی بحولك وقوتك فانه لاحول ولا قوة الا بك۔

(مجمع الفوائد ۲/۲۶۴)

تیرے کلمہ حضرت عیسٰی کے توسل سے اور موسٰی ع کی تورات اور عیسٰی کی انجیل اور داؤدؑ کی زبور اور محمدؐ کی فرقان کے توسل سے اور ہر اس وحی کے وسیلے سے جو تونے کسی نبی کو وحی کیا ہے اور ہر اس فیصلہ کے توسل سے جو تو کرتا ہے اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے ہر اس نام کے وسیلے سے جسکو تونے اپنی کتاب میں نازل فرمایا اور میں اسکو ترجیح دیتا ہوں تیرے غیب میں اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے اس نام سے جو پاک اور ظاہر ہے۔ احد اور صمد کے توسل سے اور تیری عظمت اور تیری کبریائی کے واسطے سے اور تیرے نور کے واسطے سے میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو مجھ کو قرآن اور علم عطا فرما۔ اور میں تجھ سے یہ بھی مانگتا ہوں کہ تو اسکو میرے گوشت میں میرے خون میں میرے کان میں میری آنکھوں میں رسا بسا دے اور تو میرے جسم کو اپنی طاقت اور اپنی مدد سے معمور فرمادے اسلئے کہ گناہوں سے حفاظت اور نیکی کی قوت تیرے بغیر نہیں ہوسکتی۔

حضرت عثمان بن حنیف کی روایت معجم کبیر طبرانی میں تقریباً ایک صفحہ پر لمبی چوڑی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان کے پاس اپنی کسی ضرورت کے لئے آتا جاتا رہا۔ آخر اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت فرمائی تو حضرت عثمان ابن حنیف نے ذیل میں آنیوالے الفاظ کے ساتھ حضورؐ کے توسّل سے دعاء کا طریقہ بیان فرمایا اس کو

ملاحظہ فرمایئے۔

(۳) عثمان بن حنیف: رفعہ: (۳) حضرت عثمان ابن حنیف نے اس آدمی سے کہا کہ وضو

ایت المیضاۃ نتوضأ ثم صلی رکعتین ثم ادع بھٰذہ الدعوات اللّٰھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبینا محمد صلی اللّٰه علیه وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الی ربی فیقضی لی حاجتی
(جمع الفوائد ۱/۱۱۵، معجم کبیر ۹/۳۰ حدیث ۸۳۱۱ بسند جید المستدرک ۱/۷۰۷)

کا پانی لاکر وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر ان الفاظ کے ساتھ دعاء کرو۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف ہمارے نبی محمدؐ جو کہ رحمت کے نبی ہیں ان کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمدؐ میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کردے۔

یہ طبرانی شریف کی لمبی روایت کا ایک چھوٹا سا حصّہ ہے۔ جو ہم نے ابھی آپکے سامنے پیش کیا ہے۔ اور اس روایت کے اندر حضرت عثمان بن حنیف نے ترمذی شریف کی اس صحیح روایت کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں حضورؐ نے نابینا آدمی کو وسیلہ کے ساتھ دعاء سکھائی تھی۔ اور اس حدیث شریف پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف نے حضور کی وفات کے بعد حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں یہ دعاء سکھائی ہے۔ اور صحابہ نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعاء مانگی ہے۔

(نوٹ) اس میں یا محمد کا خطاب شاید اسلئے ہے کہ یہ دعاء آپ کی قبر اطہر کے پاس ہی مانگی گئی تھی۔ یا ایسا ہے جیسا کہ التحیات میں السلام علیک ایھا النبی ہے۔

۲ ــــــ دوسری قسم کے دلائل

وہ روایات ہیں جن کے اندر اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ بخاری ومسلم کی صحیح روایات میں اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنا کر دعاء مانگنے کا ذکر موجود ہے۔ اس موضوع

کی روایات بخاری شریف میں پانچ مقامات پر موجود ہیں کہ تین آدمی کہیں جارہے تھے ، راستہ میں سخت بارش کی وجہ سے انہوں نے ایک غار میں پناہ لی کہ اسی اثنار میں پہاڑ کے اوپر سے ایک بڑی چٹان نے آکر غار کے منہ کو ڈھک دیا تو ان تینوں آدمیوں نے اپنے اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعار مانگی ۔ ایک نے یہ دعار مانگی کہ اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے کمزور تھے اور میری بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے ، ان کے گذارے کے لئے میں بکریاں چرایا کرتا تھا ۔ اور ان کا دودھ پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا تھا ، اسکے بعد اپنے چھوٹے بچوں کو اور پھر اپنی بیوی کو ۔ ایک رات ایسا ہوا کہ جب میں دودھ دوہکر لایا تو میرے ماں باپ سو چکے تھے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ ماں باپ کو بیدار کروں ۔ لہٰذا میں دودھ کا پیالہ لیکر ان کے بستر کے سامنے اس انتظار میں کھڑا رہا کہ جب بھی بیدار ہوں گے میں دودھ پلادونگا رات کا کافی حصہ گزر گیا میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے میرے پیروں کے پاس بلبلاتے رہے اور روتے رہے لیکن میں نے اپنے ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلانا گوارا نہیں کیا ، اسی طرح کھڑے کھڑے مجھ کو صبح ہوگئی ۔ اگر میں نے یہ کام تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تو اس پتھر اور چٹان کو اتنا ہٹادے کہ آسمان نظر آنے لگے ، نانچہ پتھر اپنی جگہ سے تھوڑا سا ہٹا ۔

دوسرے نے اس طرح دعار کی کہ اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں اپنے خاندان کی ے عورت سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا ، اور میں اس کے ساتھ اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ا مگر اس عورت نے یہ شرط لگائی کہ سَو دینار دوگے تو خواہش پوری ہوگی ۔ میں نے ی محنت و مشقت سے سَو دینار کمائے پھر وہ اُسے لاکر دیئے ۔ جب میں خواہش پوری نے کے لئے اس کے اوپر بیٹھنے لگا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر ۔ تو اس پر میں فوراً ہٹ گیا . ہام میں نے صرف تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تھا ، لہٰذا اس عمل کی برکت سے اس

چٹان کو ہم سے اتنا ہٹادے کہ جس سے یہ غار دو ثلث کھل جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چٹان کو اتنا اور ہٹا دیا۔

اس کے بعد تیسرے نے اس طرح دعا مانگی کہ اے اللہ تجھے خوب معلوم ہے کہ میں نے ایک آدمی کو اپنے یہاں چند صاع غلّہ کے عوض مزدوری پر رکھا تھا، جب میں نے اس کی مزدوری دینی چاہی تو اس نے انکار کردیا تھا۔ میں نے اس کے غلّہ کو زمین میں بویا، پھر اُسے بڑھایا، اور بڑھاتے بڑھاتے اس سے جانور خریدنا شروع کردیا، جس کے نتیجہ میں جانوروں کی ایک بھاری تعداد ہوگئی۔ ان کا ایک چرواہا بھی ہوا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد وہ شخص آیا اور اپنی مزدوری طلب کی۔ میں نے تمام جانور مع چرواہے کے اس کے حوالہ کردیئے تو اسکو یقین نہیں آیا اور کہنے لگا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں۔ میں نے کہا مذاق کی بات نہیں۔ یہ سب آپ ہی کے ہیں۔ اگر میں نے یہ کام تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس چٹان کو غار کے منہ سے بالکل ہٹادے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور چٹان غار کے منہ سے بالکل ہٹ گئی۔ تینوں آدمی غار کے منہ سے باہر نکل آئے۔

اب حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: خرج ثلاثة نفر یمشون فاصابھم المطر فدخلوا فی غار فی جبل فانحطت علیہم صخرة قال فقال بعضہم لبعض ادعوا اللہ بافضل عمل عملتموہ فقال احدھم اللّٰھمّ انّی کان لی ابوان شیخان کبیران وکنت اخرج فارعی ثم اجیٔ فاحلب فاجیٔ بالحلاب فاتی بہ ابویّ فیشربان ثم اسقی الصّبیة واھلی وامرأتی فاحتبست لیلة۔ فجئت فاذا ھُمَا نائمانِ قال فکرھتُ ان اوقظھما والصّبیة یتضاغون عند رجلی فلم یزل ذلک دأبی ودأبھما حتی طلع الفجر اللّٰھمّ ان کنت تعلم انی فعلت ذلک ابتغاء وجھک فافرج عنّا فرجة۔ نری منھا السماء قال ففرج عنہم فقال الآخر اللّٰھمّ ان کنت تعلمُ انی

كنت احبّ امرأة من بنات عمى كاشد ما يحبّ الرّجل النساء، فقالت لاتنال ذلك منها حتى تعطيها مائة دينار فسعيتُ فيها حتى جمعتها فلما قعدتُ بين رجليها قالت اتق الله ولاتفض الخاتم الّا بحقه فقمت وتركتها فان كنت تعلم انى فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج عنها فرجة قال ففرج عنهم الثلثين: وقال الأخر اللّهمّ ان كنت تعلم انى استاجرتُ اجيرًا بفرق من ذرة فاعطيته فابیٰ ذلك ان ياخذ فعمدت الیٰ ذلك الفرق فزرعته حتیٰ اشتريته منه بقرًا وراعيها ثم جاء فقال ياعبد الله اعطنى حقى فقلت انطلق الیٰ تلك البقر وراعيها فقال اتستهزئ بى، قال قلت ما استهزئ بك ولكنها لك اللّهمّ ان كنت تعلم انى فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج عنا فكشف عنهم۔ الحديث۔ (بخاری شریف ۱/۲۹۴، حدیث ۲۱۶۴، ۱/۳۰۳ حدیث ۲۲۱۷، ۱/۳۱۳ حدیث ۲۲۷۵، ۱/۴۹۳ حدیث ۳۴۶۳، ۲/۸۸۳ حدیث ۵۷۴۴ مسلم شریف ۲/۳۵۲)

مذکورہ حدیث شریف سے یہ ثابت ہوا کہ اعمالِ صالحہ کے توسّل سے دُعا مانگنا جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دُعا قبول بھی فرماتا ہے۔ جیسا کہ بخاری مسلم کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوا۔ اس روایت کا ترجمہ اس لئے نہیں کیا کہ اُوپر جو عربی عبارت سے پہلے وضاحت ہے وہی ترجمہ کے لئے کافی ہے۔

۳ـــــ تیسری قسم کے دلائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضورؐ کے توسّل سے اور حضورؐ کی وفات کے بعد آپ کی نبوت کی عظمتِ شان کے توسّل سے دُعا مانگنا اُوپر کی دونوں قسم کی احادیث سے

ثابت ہوا۔ اسی طرح غیر نبی جو کہ مقبولِ بارگاہ ہو یا رسول اللہ کی خاندانی قرابت کی عظمت ان کو حاصل ہو اُن کے توسّل سے بھی دُعاء مانگنا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بخاری میں حضرت عباسؓ کے توسّل سے دُعاء مانگنا ثابت ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

حدثنا الحسن بن محمّد قال حدّثنا محمّد بن عبد الله الانصاری قال حدثنی ابی عبد الله المثنیٰ عن ثمامة ابن عبد الله بن انس عن انس بن مالك ان عمر بن الخطابؓ کان اذا قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبد المطلب فقال اللّٰهمّ اِنا کنّا نتوسّل الیك بنبیّنا صلی الله علیه وسلم فتسقینا وانا نتوسّل الیك بعم نبیّنا فاسقنا قال فیسقون۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوگئے تو حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دُعاء مانگی تو اس میں کہا کہ اے اللہ ہم اپنے نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تجھ سے دُعاء کیا کرتے تھے تو ہمارے اُوپر بارش برساتا تھا اور بے شک ہم اپنے نبی کے چچا کے توسّل سے تجھ سے دُعاء مانگتے ہیں۔ لہٰذا تو ہم پر بارش برسا۔ لوگ بارش کے پانی سے سیراب ہو جاتے تھے۔

(بخاری شریف ۱/۱۳۷ حدیث ۱۰۰۰)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبّاسؓ کے توسّل سے جو دُعاء مانگی گئی ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ زندہ آدمی کے توسّل سے دُعاء مانگنا جائز ہے۔ اور وفات کے بعد نبی کے توسّل سے بھی دُعاء جائز نہیں ہے۔ اگر جائز ہوتی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ کو وسیلہ نہ بنایا جاتا، بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات کو وسیلہ بنایا جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حدیث فہمی کے انداز میں فرق ہوا ہے۔ حدیث شریف کا

یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے توسل سے دُعاء مانگنا جائز نہیں۔ بلکہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر نبی کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے۔ حدیث شریف کا یہی مطلب راجح ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں تمام روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔ کسی طرح کا کوئی تعارض واختلاف باقی نہیں رہتا۔ اور جو لوگ یہ مطلب لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ زندگی میں وسیلہ جائز اور وفات کے بعد جائز نہیں۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ وفات کے بعد آپ کے وسیلہ سے دُعاء مانگنا شرک ہے۔ ووسیلة الی الشرك (حاشیہ فتح الباری تحت حدیث ۱۰۱۰، ۲/۵۷۵)

حیرت کی بات یہ ہے کہ کس حدیث کے ذریعہ سے یہ لوگ اس کو وسیلة الی الشرک کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دلیل صریح کے بغیر شرک کا الزام لگانا کتنا آسان سمجھ بیٹھے۔ معجم کبیر کے حاشیہ میں وسیلہ کی حدیث شریف کو صحیح کہہ کر پھر توسل کو بدعت کہا ہے۔

قلت لاشك فی صحة الحدیث المرفوع انما الشك فی هٰذِه القصّة التی یستدل بها علی التوسّل المبتدع بها۔ (حاشیہ طبرانی ۹/۳۰)

یہ افسوس کی بات ہے کہ جو حدیث ان کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے اس کو ہر اعتبار سے قوی کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو حدیث ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو یا صرف مسلکِ حنفی کے مطابق ہو تو اس کو کسی نہ کسی طریقہ سے ضعیف قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ اس طرح مجبوراً ان لوگوں کو بلاوجہ ان تمام روایات کو غلط کہنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ جن میں نبی کی وفات کے بعد نبی کے توسل سے دُعاء کا جواز ثابت ہے۔ حالانکہ وہ روایات بھی صحیح سند سے ثابت ہیں۔ جیسا کہ حضرت سہل بن حنیف اور حضرت عثمان بن حنیف کی روایت ہے۔ اس لئے حدیث شریف کا مطلب وہ نہیں ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ حدیث کا مطلب غیر نبی کے توسل سے دعاء کے جواز پر ہے۔ جس میں کوئی تعارض واختلاف باقی نہیں رہتا۔ بلکہ تمام

احادیث میں تطبیق ہوجاتی ہے۔ اب بعد الوفات توسّل کے جواز پر حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے۔

بعد الوفات توسّل کی حدیث

① حدثنا طاهر بن عيسىٰ بن قيرس المقرى المصرى التميمى حدثنا اصبغ بن الفرج حدثنا عبد الله بن وهب ان شبيب ابن سعيد المكى عن روح بن القاسم عن ابى جعفر الخيطمى المدنى عن ابى امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف انّ رجلًا كان يختلف الىٰ عثمان بن عفانؓ فى حاجة له فكان عثمان لا يلتفت اليه ولا ينظر فى حاجته فلقى عثمان فصل فيه ركعتين ثم قل انّى اسئلك و اتوجّه اليك بنبيّنا محمد صلى الله عليه وسلم نبى الرّحمة يا محمّد انى اتوجّه بك الىٰ ربى فتقضى لحاجتى۔ الحديث۔

(المعجم الصغير للطبرانى ۱۰۳/۲ وبمعناه فى المعجم الكبير للطبرانى ۳۱/۹ حديث ۸۳۱۱)

حضرت ابوامامہ ابن سہل ابن حنیفؓ اپنے چچا حضرت عثمان ابن حنیفؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کسی ضرورت کیلئے ان کے پاس بار بار آتا جاتا رہا حضرت عثمانؓ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کی ضرورت پر غور فرمایا۔ تو آخر اس آدمی نے حضرت عثمان ابن حنیفؓ سے ملاقات کی تو حضرت عثمان ابن حنیف نے ان سے فرمایا کہ اس سلسلے میں دو رکعت نماز پڑھو۔ اور پھر ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو: اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہونے میں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتا ہوں جو رحمت کے نبی ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں آپ کو اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے میں وسیلہ بناتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کرے

(نوٹ) یا محمّد کے لفظ کے ساتھ خطاب اسلئے کیا گیا ہے کہ یہ دعا، آپ کی قبر اطہر کے پاس مسجد نبوی میں کی گئی تھی جہاں سے آپ کو خطاب کیا جا سکتا ہے۔ یا یہ ایسا ہے جیسا کہ التحیات میں السلام علیک ایہا النبی ہے۔

یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہے۔ بلاوجہ قبل الوفات وبعد الوفات میں فرق ثابت کرکے اس حدیث کے متن کو زبردستی غلط کہہ کر بعد الوفات وسیلہ کو شرک کہنا خود غلط اور نہایت بے انصافی کی بات ہے۔ کیا وفات کے بعد آپؐ کے نبی الرحمۃ کے درجہ اور آپؐ کی عظمتِ شان میں کوئی فرق آچکا ہے۔؟ اگر فرق آیا ہے تو غیر مقلدین قرآن وحدیث سے ثابت کردیں، ورنہ خود اپنے ایمان اور عقیدہ کی حفاظت کریں۔ اور اگر فرق نہیں آیا جیسا کہ ہم احناف کہتے ہیں تو وفات سے قبل اور وفات کے بعد دونوں حالتوں میں توسّل کا حکم یکساں ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ اور غیر مقلدین کے سربراہ حضرات کے اعمال یہی ثابت کر رہے ہیں کہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے کوئی فرق نہیں۔ تو پھر وفات کے بعد پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) رواہ ابن ابی شیبۃ باسنادٍ صحیح (۲) ابن ابی شیبہ نے ابو صالح سمان عن مالک الداری

من روایۃ ابی صالح السّمان عن مالك الدّارِی وکان خازن عمرؓ وقال اصاب النّاسَ قحط فی زمنِ عمرؓ فجاء رَجُل الیٰ قبرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یَا رَسُوْلَ اللہِ استسقی لامتك فانہم قد ھلکوا الخ	کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور مالک داری حضرت عمرؓ کے خازن تھے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوئے تو ایک آدمی حضورؐ کی قبرِ اطہر پر آکر عرض کرتا کہ یارسول اللہ ؐ اپنی امت کی سیرابی کیلئے دعاء فرمایئے اسلئے کہ یہ لوگ ہلاک ہوگئے۔

(فتح الباری ۲/۵،۵ تحت حدیث ۱۰۱۰)

اس حدیث کو اگرچہ سنداً مجہول کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس حدیث کو حدیثِ عثمانؓ کے لئے مؤید اور موافق ضرور کہا جا سکتا ہے۔

توسّل کی حقیقت

توسّل کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جس حرمت وعظمت کے وسیلہ سے دُعاء مانگی جارہی ہے اسی سے کوئی چیز حقیقتاً مانگی جارہی ہو، یا وہی مدد کرسکتا ہو۔ بلکہ توسّل کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگی جاتی ہے اور نبی یا ولی کو صرف وسیلہ بنایا جاتا ہے، تو اس میں شرک یا بدعت کہاں سے لازم آتا ہے؟ نیز ایک عمل ہے وہی عمل زندگی میں شرک نہیں اور موت کے بعد شرک ہوجائے، تو کیسی مَن گھڑت بات ہے۔ اور اس میں شرک کی کون سی تعریف صادق آتی ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عظمتِ شان اور اس کی حرمت کے بارے میں قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق کرنا کتنی بڑی خطرناک بات ہے۔ آخر اس فرق کا حق کہاں سے حاصل ہوا۔ غیر مقلدین غور فرمائیے۔

وان التوسّل بالنبی وباحدٍ من الاولیاء العظام جائزٌ بان یکونَ السّوال مِنَ اللہِ تعالیٰ ویتوسّل بولیّہٖ ونبیّہٖ صَلی اللہ علیہِ وَسَلم۔

اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء میں سے کسی کے توسّل سے دُعاء مانگنا بایں طور جائز ہے کہ سوال اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ولی کی حُرمت وعظمت کو واسطہ اور وسیلہ بنایا جاتا ہے

(امداد الفتاویٰ ۶/ ۳۲۷)

اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

مسئلہ علمِ غیب

(اعتراض ۵۱) "علم الغیب سوائے خدا کے کسی مخلوق کو نہیں ہے۔"
(مقدمہ ہدایہ ۱/۵۹)

یہ مسئلہ ہدایہ کے مقدمہ میں تو نہیں ہے۔ عین الہدایہ کے مقدمہ میں موجود ہے۔ اور مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے کہ قرآنِ کریم کے نص قطعی سے یہ بات ثابت ہے کہ علم غیب اللہ رب العالمین علّام الغیوب کے سوا کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے اور جو شخص کسی مخلوق کیلئے علم غیب کا عقیدہ رکھے گا اس کے ایمان کا خطرہ ہے۔ آخر غیر مقلدین اس سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ جب کہ حنفیہ کے نزدیک غیر اللہ کیلئے علم غیب ثابت کرنا موجبِ شرک ہے۔

علمِ غیب کی تعریف

علم غیب کسے کہتے ہیں؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ جب تک واضح نہ ہو جائے تو بات اُدھوری رہ جاتی ہے۔ اسلئے پہلے علمِ غیب کی حقیقت واضح ہو جانی چاہیئے۔ علم غیب کا مطلب اور حقیقت یہ ہے کہ غیب کی باتوں کو بلا کسی کنکشن اور واسطہ کے جان لیا جائے نہ بیچ میں فرشتہ کا واسطہ ہو اور نہ وحی کا واسطہ ہو۔ اسی طرح نہ کسی ٹیلیفون کے تار کا واسطہ ہو اور نہ مُبائل کے ٹاور کا اسمیں کوئی دخل ہو اور نہ فضاء اور خلاء میں سٹلائٹ کا واسطہ ہو اور نہ ہی الٹرا ساؤنڈ کا آلہ ہو۔ غرضیکہ کسی قسم کا واسطہ اور کنکشن اور آلہ کے بغیر غیب کی باتوں کو جان لینے کا نام علمِ غیب ہے۔ لہٰذا وحیِ الٰہی کے واسطے یا فرشتے یا مخلوق کے واسطے سے غیب کی باتیں معلوم

ہو جانا علم غیب نہیں ہے۔ اسی طرح ٹیلیفون کے تار کنکشن سے یا موبائل فون کے ٹاور اور سٹلائٹ کے واسطے سے ایشیا میں رہ کر ایک منٹ میں امریکہ کی بات معلوم ہو جائے تو یہ علم غیب نہیں ہے اور نہ ہی دنیا میں کوئی اس کو علم غیب کہتا ہے۔ اسی طرح الٹرا ساؤنڈ کے آلہ کے واسطے سے عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے یا مردہ، لڑکا ہے یا لڑکی کتنی عمر کا بچہ ہے۔ کوئی غیر مسلم بھی بتا دیتا ہے۔ اس کو کوئی علم غیب نہیں کہہ سکتا بلکہ علم غیب تو وہ ہے جو کسی قسم کے کنکشن آلہ اور واسطے کے بغیر معلوم ہو جائے اور یہ علم غیب صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی صفتِ خاصہ ہے۔ کائنات میں کسی مخلوق کو یہ علم حاصل نہیں۔ نہ نبی کو حاصل ہے اور نہ کسی ولی کو اور نہ کسی تجربہ کار سائنسداں کو نیز مخصوص فرشتہ اور وحی کے ذریعہ سے غیب کا علم جو نبی کو حاصل ہوتا ہے وہ کسی غیر نبی کو حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر غیر نبی کو وحی یا فرشتہ کے توسط سے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ علم غیب ہے بلکہ جو نبی کو حاصل ہوتا ہے وہ بھی علم غیب نہیں ہے جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا۔

اب کوئی بتا دے کہ کیا ایسا علم غیب کائنات میں کسی مخلوق کو حاصل ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ یہ صرف خالقِ کائنات کی ذات کیساتھ خاص ہے۔ نیز اس کے علاوہ باقی علوم علم غیب کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا کھینچ تان کر ان کو علم غیب کہنے سے وہ علم غیب نہ ہوگا۔

علمِ غیب اللہ کے ساتھ خاص ہونے پر قرآنی دلائل

ماقبل میں علم غیب کی تعریف آپ کے سامنے واضح کر دی گئی ہے کہ علم غیب کی حقیقت کیا ہے۔ اس سے یہ بات صاف واضح ہو گئی کہ خدا کی ذات کے سوا کسی بھی مخلوق کو علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کیلئے علم غیب کو ثابت کریگا گویا کہ وہ قرآنِ کریم کی نص قطعی کا انکار کرنیوالا ہوگا اور نص قطعی کا انکار موجب کفر ہے۔

لہٰذا اس کے باوجود جو شخص ایسا عقیدہ رکھے گا وہ اپنے ایمان کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہوگا۔ چنانچہ ہم قرآنِ کریم کی بیشمار آیتوں میں سے سات آیاتِ کریمہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جن سے صاف واضح ہوجائیگا کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے کسی بھی مخلوق کیلئے ممکن نہیں۔

(۱) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔ (سورہ انعام آیت ۵۹)

(۱) اللہ ہی کے پاس غیبی خزانوں کی کنجیاں ہیں انکو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

(۲) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ۔ (سورہ نمل آیت ۶۵)

(۲) اے نبی آپ کہدیجئے کہ آسمان و زمین میں کوئی بھی فرد بشر غیب کی باتوں کو نہیں جان سکتا بلکہ صرف اللہ ہی ان چیزوں کا علم رکھتا ہے۔

(۳) فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (سورہ یونس آیت ۲۰)

(۳) بس اے نبی آپ کہدیجئے بیشک غیب کی بات صرف اللہ ہی جانتا ہے لہٰذا تم اسکا انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

(۴) وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (سورہ نحل آیت ۷۷)

(۴) اور اللہ تعالیٰ ہی کو آسمان و زمین کی غیبی راز کا علم ہے۔

(۵) يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (سورہ مائدہ آیت ۱۰۹)

(۵) جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرکے فرمائے گا تو تمہیں اپنی اپنی امت کی طرف سے کیا کیا جواب ملا تو سب کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے اور غیب کی ڈھکی چھپی باتوں کو تو ہی جاننے والا ہے۔

(۶) وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهٗ (سورہ ہود آیت ۱۲۳)

(۶) اور اللہ ہی کو آسمان اور زمین کی غیبی راز کا علم ہے۔ اور اسی کیطرف سب معالات لوٹنے والے ہیں۔

(۷) لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

(۷) اللہ ہی کے پاس آسمان و زمین کے غیبی راز ہیں وہ کیا

اَبْصِرْ بِہٖ وَاَسْمِعْ (سورہ کہف آیت ۲۶) عجیب دیکھتا ہے اور کیا عجیب سنتا ہے۔
یہی ہم حنفی دیوبندی کا عقیدہ ہے۔ پھر غیر مقلدین ہم حنفیوں پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ جبکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی بھی مخلوق کو علمِ غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا۔

قرآن سے فال نکالنے کا مسئلہ

(اعتراض نمبر ۵۲) "قرآن سے فال نکالنا حرام ہے"
(بحوالہ مقدمہ ہدایہ ۱/۷۷)

ہدایہ کے مقدمہ میں کہیں بھی قرآن سے فال نکالنا جائز ہے یا ناجائز اس سلسلہ میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ عین الہدایہ کے مقدمہ میں شارح نے بیان کیا ہے اور نفس مسئلہ درست ہے کہ فال نکالنا حنفیہ کے نزدیک مشروع نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ۹/۲۱۹)
پھر اگر کوئی شخص فال نکالنے کو جائز کہتا ہے تو یہ اس کی اپنی بات ہے احناف کی نہیں۔ اس سے احناف پر کوئی الزام نہیں۔

طاعون اور ہیضہ میں اذان

(اعتراض نمبر ۵۳) "طاعون اور ہیضہ میں اذان دینا بے وقوفی ہے"
(بحوالہ ہدایہ ۴/۲۴۲)

ہدایہ رابع کے متن یا اسکے حاشیہ میں طاعون یا ہیضہ میں اذان دینا جائز ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی تذکرہ نہیں۔ ہاں البتہ قرآن وحدیث میں طاعون اور ہیضہ وغیرہ کے موقع پر اذان دینا ثابت نہیں۔ اسلئے حنفیہ کی کتابوں میں اسکے جواز کا کوئی ذکر نہیں ملیگا۔
اور نہ ہی ان مواقع میں اذان دینا مسلکِ حنفی میں مشروع ہے۔ (امداد الاحکام ۲/۴۵، فتاوی دار العلوم دیوبند ۲/۹۳)

اگر کوئی طاعون و ہیضہ میں اذان دیتا ہے تو واقعی اس کی بیوقوفی ہے جبکہ شرعاً کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ آخر غیر مقلدین اس اعتراض سے کیا نتیجہ مرتب کرنا چاہتے ہیں؟

دُعاء گنج العرش اور عہد نامہ کی سند

(اعتراض ۵۴) " دعاء گنج العرش اور عہد نامہ کی اسناد بالکل گھڑی ہوئی ہیں۔ (بحوالہ بہشتی زیور ۱۰/۵۳)

اسمیں حوالہ بھی صحیح ہے اور مسئلہ بھی درست ہے۔ اور دُعاء گنج العرش میں دُعاء کے جو الفاظ ہیں وہ اپنی جگہ درست ہیں اسی طرح عہد نامہ میں الفاظ اپنی جگہ درست ہیں، اسلئے کہ کسی بھی الفاظ اور زبان سے دُعاء مانگنا مشروع ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے ثواب کیلئے جو باتیں منسوب کی گئیں ہیں وہ سب غلط ہیں۔ اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط باتوں کو منسوب کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔

مَنْ تَقَوَّلَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (ابن ماجہ شریف ۵/)

ترجمہ: جو شخص بتکلف میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

لہٰذا جو شخص دُعاء گنج العرش و عہد نامہ کو ان فضائل کی نیت سے پڑھتا ہے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف من گھڑت انداز سے منسوب کیا گیا ہے، اسکا ذمہ دار وہ خود ہے مسلکِ حنفی سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلۂ مولود

(اعتراض ۵۵) " مولود میں راگنی سے اشعار پڑھنا اور سُننا حرام ہے"۔ (بحوالہ ہدایہ ۴/ ۲۴۰)

اس مسئلہ میں ہدایہ کا حوالہ غلط ہے۔ یہ مسئلہ ہدایہ میں کہیں نہیں ہے۔ ہاں البتہ ہدایہ کے ترجمہ

عین الہدایہ ۴/۲۲۴ میں مترجم نے ترجمہ سے ہٹ کر اپنی طرف سے یہ مسئلہ لکھا ہے۔ اور نفس مسئلہ اس طرح درست ہو سکتا ہے کہ مولود شریف کے نام سے راگ کے ساتھ اشعار پڑھنا حضورؐ کی توہین ہے۔ نیز اشعار پڑھتے وقت یا وعظ و تقریر کے درمیان مولود شریف پڑھتے وقت سب لوگوں کا اس عقیدہ سے کھڑا ہو جانا کہ آپؐ تشریف لائے ہوئے ہیں تو یہ ناجائز اور گناہ ہے۔ ورنہ نفس ذکر ولادتِ شریفہ بلا کسی رسم و رواج کے باعثِ خیر و برکت ہے۔ اور اس عقیدہ سے کھڑے ہو جانا کہ آپ بہ نفسِ نفیس یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں یا آپ کو اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر یا فرشتوں کے ذریعہ پہونچائے بغیر اس محفل کا علم ہو چکا ہے یہ سخت ترین گناہ ہے۔ اور ایمان سے خارج ہو جانے کا بھی خطرہ ہے۔

القیامُ عندَ ذکرِ ولادتِہ الشریفۃ حَاشَا اللّٰہِ اَنْ یکون کفرًا۔

(امداد الفتاویٰ ۶/۳۲۷، مطبع زکریا دیوبند)

اب اگر کوئی شخص ان رسومات و لوازمات کا مرتکب ہوتا ہے اور بوقتِ ذکرِ ولادت شریفہ قیام کرتا ہے تو وہ اسکا ذاتی عمل ہے۔ مسلکِ حنفی کا اس سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا یہ عمل مسلکِ حنفی کے مخالف ہے اور ایسا کرنیوالا خود اسکا ذمہ دار ہے۔ اس عمل کا کرنے والا خواہ غیر مقلد ہو یا شافعیؒ یا حنفیؒ غرضیکہ کوئی بھی ہو حنفی مسلک اسکا ذمہ دار نہیں کیوں کہ احناف کی کتابوں میں ناجائز اور حرام لکھا ہے۔ پھر مسلکِ حنفی پر کیا الزام ہے؟

شبِ برات کا حلوہ اور رسوماتِ محرم

(اعتراض ۵۶) "شب برأت کا حلوہ اور رسوماتِ محرم سب بدعت ہیں"
(بحوالہ بہشتی زیور ۴/۹۹)

حوالہ اور مسئلہ دونوں اپنی جگہ صحیح ہے بہشتی زیور اختری ۶/۶۱ میں ان سب مسائل کا ذکر موجود ہے اور ان سب کو واہیات اور غلط عقیدہ اور گناہوں کا ارتکاب بتلایا ہے اور یہی حنفی

مسلک کا عقیدہ ہے کہ یہ سب رسومات ولوازمات بدعت اور غیر شرعی امور ہیں جن سے بچنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا جو شخص ان رسومات ولوازمات کا ارتکاب کرتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ مسلک حنفی کا ان امور سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر غیر مقلدین اس مسئلہ سے احناف پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں۔؟

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وھو المستعان والمعین
اللہ اکبر کبیرًا والحمد للہ کثیرًا وسبحان اللہ بکرۃً وّاصیلًا۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد۔الہند
۱۲ صفر ۱۴۲۲ھ

مقالہ نمبر ۱۶

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

صلوا کما رأیتمونی اصلی

مسائلِ نماز

جس میں مذکورہ ہر ہر مسئلہ کا ثبوت
قرآن، احادیث اور آثار صحابہ سے پیش کیا گیا ہے

تالیف

حبیب الرحمٰن اعظمی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لانبي بعده ، وعلى آله وصحبه ومن اتبع سنته وهديه.

امابعد: نماز اسلام کا اہم ترین رکن ہے، ساری عبادتوں سے اس کا درجہ بلند ہے، نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں "رأس الأمر الإسلام وعموده الصلاة" (رواہ الترمذی) دین کی اصل اسلام یعنی ایمان ہے اور اس کا ستون نماز ہے، قیامت کے دن تمام عبادتوں سے پہلے نماز ہی کے بارے میں سوال ہوگا حدیث پاک میں ہے " **أول مايحاسب عليه العبد يوم القيامة الصلاة ، فإن صلحت صلح سائر عمله وإن فسدت فسد سائر عمله** "(رواہ الطبرانی) پہلی چیز جس کا بندہ سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا نماز ہے، اگر نماز ٹھیک رہی تو سارے اعمال ٹھیک ہوں گے اور اگر نماز خراب رہی تو سارے عمل خراب ثابت ہوں گے۔

سفر، حضر، امن وخوف ہر حالت میں نماز کی محافظت اور پابندی کا حکم ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ، فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ. (البقرۃ: ۲۳۸-۲۳۹)

محافظت کرو سب نمازوں کی اور (بالخصوص) درمیان والی نماز (یعنی عصر)

کی اور (نماز میں) کھڑے رہو ادب سے، پھر اگر تم کو خوف ہو (کسی دشمن وغیرہ کا) تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لو (یعنی اس حالت میں بھی نماز کی پابندی کرو اسے ترک نہ کرو پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو خدا کی یاد (یعنی ادائے نماز) اسی طریقے سے کرو جس طرح تم کو سکھایا ہے جس کو تم جانتے نہ تھے۔

نماز میں کوتاہی کرنے والوں پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

" من حافظ عليها كانت له نورا وبرهانا ونجاةً يوم القيامة ، ومن لم يحافظ عليها لم يكن له نورا وبرهانا ولانجاة وكان يوم القيامة مع قارون وفرعون وهامان وأُبيّ بن خلف" (رواه احمد والطبراني باسناد جيد)

جو شخص نماز پر مداومت اور ہمیشگی کرے گا اس کے لیے نماز قیامت کے دن نور ایمان کی دلیل اور نجات ہوگی، اور جو اس پر مداومت نہیں کرے گا قیامت کے دن نہ اس کے لیے نور ہوگا نہ دلیل اور نہ نجات اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور اُبیّ بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

دیگر ارکان کے مقابلے میں نماز کا ادا کرنا اکثر مسلمانوں پر فرض ہے، مجنون نابالغ، اور حیض ونفاس میں مبتلا عورتوں کے علاوہ ترک نماز کا عذر کسی سے مسموع نہیں ہے، نمازی تو بہت ہیں لیکن اس کے احکام ومسائل سے اچھی طرح واقف کم ہی ہیں جب کہ نماز کے احکام کا جاننا ہر بالغ مسلمان کے لیے ضروری ہے تا کہ وہ اپنی نماز صحیح اور مکمل طور پر ادا کر سکے، کیوں کہ وہ نماز جس کے شرائط ارکان وغیرہ پورے نہ کیے گئے ہوں وہ شریعت کی نظر میں معتبر نہیں؛ چناں چہ نبی پاک ﷺ نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ اچھی طرح سے نماز ادا نہیں کر رہے ہیں تو ان کے نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد فرمایا " ارجع فصلّ فإنك لم

تصلّ" تو پھر جا اور نماز پڑھ تم نے تو (شرعاً) نماز پڑھی ہی نہیں، اسی طرح ایک موقع پر ادائے نماز کے بعد ایک صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا" **یا فلان الاتحسن صلاتك الاینظر المصلی اذا صلیٰ کیف یصلی**"(صحیح مسلم) اے فلاں اپنی نماز کو اچھی طرح کیوں نہیں ادا کرتا، نمازی ادائے نماز کے وقت کیوں نہیں سوچتے کہ وہ کیسے نماز پڑھ رہے ہیں۔

قرآن وحدیث کے ان محکم اور واضح فرمودات کے پیش نظر نماز کی فرضیت اور اس کے اہم ترین عبادت ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے البتہ کیفیت ادا میں قدرے تنوع ہے یعنی نماز کے بعض افعال اور طریقے، نیز کچھ سنن و آداب کے بارے میں سنت رسول کے دائرے میں رہتے ہوئے صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین واکابر محدثین کا باہم اختلاف پایا جاتا ہے، اصل پر متفق رہتے ہوئے ہر ایک کو اصول و ضوابط کے مطابق اپنے طریقہ ہائے نماز کی افضلیت اور بہتری کے اظہار کا پورا حق ہے۔

لیکن عصر حاضر میں ایک ایسا گروہ معرض وجود میں آگیا ہے جن کے یہاں سنت کا ایک خود ساختہ معیار ہے کہ جو کام وہ خود کریں اسے سنت کا عنوان دیتے ہیں اور ہر اس کام کو خلاف سنت گردانتے ہیں جو ان کی مزعومہ سنت کے موافق نہ ہو، چاہے اس پر جمہور اہل اسلام عمل پیرا ہوں اور احادیث رسول علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے اس کی تائید و تصویب بھی ہوتی ہو۔

اس گروہ کے مذہبی افکار کا خلاصہ نماز کے چند اختلافی مسائل کو ہوا دینا ہے یہ لوگ کم پڑھے لکھے مسلمانوں کو ورغلاتے پھرتے ہیں کہ ان کی نمازیں سنت کے خلاف ہیں ان کا نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہے، ان لوگوں کے اس رویہ سے عوام اپنی نمازوں کے متعلق ذھنی انتشار میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں اور بعض تو اصل نماز ہی سے برگشتہ ہوگئے ہیں۔

اس صورتِ حال کے پیش نظر فقہائے احناف کی کتابوں مثلاً کبیری، شرح

منیۃ المصلی، شرح نقایہ ملا علی قاری، شرح وقایہ، ہدایہ وغیرہ سے نماز کے اہم بالخصوص مختلف فیہ مسائل مرتب کر دئے گئے ہیں اور ہر مسئلہ کی دلیل قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے پیش کر دی گئی ہے، یہ دلائل عام طور پر صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا مالک، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، شرح معانی الآثار وغیرہ معروف ومعتبر کتب حدیث سے نقل کئے گئے ہیں، اور بیشتر احادیث کے مرتبہ اور درجہ کو بھی حضرات محدثین کے اصول واقوال کی روشنی میں بیان کر دیا گیا ہے تاکہ کتاب کے مطالعہ کے دوران احادیث کے ثبوت وصحت کے سلسلے میں قاری کا ذہن مطمئن رہے اور ان لوگوں کے دام فریب میں نہ آئیں جو ہر اس حدیث کو جو ان کے مزعومہ موقف کے خلاف ہو بلا تحقیق ضعیف کہہ دیا کرتے ہیں۔

انشاء اللہ کتاب کے مطالعہ سے عام مسلمانوں کے ذہن میں جو شبہات پیدا کر دئے گئے ہیں وہ دور ہوں گے علاوہ ازیں ایک اہم ترین فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ان دلائل سے واقف ہو جانے کے بعد یہ یقین مزید پختہ ہو جائے گا کہ ہماری نمازیں نبی پاک ﷺ کی سنت کے مطابق ہیں یقین کی اس پختگی سے نماز میں خشوع وخضوع کا اضافہ لازمی ہے اور خشوع وخضوع ہی نماز کی روح ہے۔

مسائل ودلائل کے اخذ وفہم میں غلطی کے امکان ووقوع سے انکار نہیں اگر کوئی صاحب علم کسی غلطی کی صحیح طور پر نشان دہی کریں گے تو شکریہ کے ساتھ اس کی اصلاح کر لی جائے گی۔ خدائے رحیم وکریم اپنے لطف وکرم سے جو لغزشیں ہوئی ہوں انھیں معاف فرمائے اور اپنے رسول پاک ﷺ کی سنت پر سچے دل سے عمل کی توفیق ارزانی فرمائے آمین۔

حبیب الرحمٰن اعظمی

خادم التدریس دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیام:

مسئلہ (۱) نماز کا ارادہ کریں تو باوضو قبلہ رخ کھڑے ہو جائیں۔

(۱) **قوموا لله قانتين.** (سورۃ بقرۃ آیت ۲۳۸) اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ عاجزی کرتے ہوئے۔ (چوں کہ نماز سے باہر قیام ضروری نہیں کیا گیا ہے لہٰذا کھڑے ہونے کا یہ حکم نماز ہی سے متعلق ہے)

(۲) **عن عمران بن حصين قال كانت بى بواسير فسألت رسول الله ﷺ عن الصلوة فقال: صل قائما، فان لم تستطع فقاعدا، فان لم تستطع فعلى جنب.**" (صحیح بخاری: ۱/۱۵۰ و مسند احمد: ۴/۴۲۶)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے بواسیر تھی میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر پہلو پر لیٹ کر پڑھو۔

مسئلہ (۲) قیام میں دونوں پیر قبلہ رخ رہیں:

امام بخاری باب فضل استقبال القبلۃ میں لکھتے ہیں:

يستقبل بأطراف رجليه القبلة، قاله أبو حميد (الساعديؓ) عن النبي صلّى الله عليه وسلم.

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پیر کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے تھے۔

صف کی درستگی

مسئلہ (۳) باجماعت نماز میں بالکل سیدھے اس طرح مل کر کھڑے ہوں کہ ایک دوسرے کے بازو ملے ہوں درمیان میں کوئی خلا و فرجہ نہ رہے۔

(۱) عن نعمان بن بشیر قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ یسوّی صفوفنا حتی کانما یُسوّی بھا القداح – الحدیث. (صحیح مسلم: ۱/ ۱۸۲)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کے سیدھے کرنے میں اس قدر اہتمام فرماتے تھے گویا ان صفوں سے تیر سیدھے کئے جائیں گے۔

(۲) عن انس قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: سوّوا صفوفکم فإنّ تسویۃ الصفوف من إقامۃ الصلاۃ ، وعند مسلم، من تمام الصلاۃ.
(صحیح بخاری: ۱/ ۱۰۰، و صحیح مسلم: ۱/ ۱۸۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا صفوں کو سیدھی کرو کیوں کہ صفوں کا سیدھا کرنا اقامت نماز میں سے ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ نماز کی تکمیل سے ہے۔

(۳) عن ابن عمر أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: أقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدّوا الخلل ولینوا بأیدي إخوانکم ولاتذروا فرجاتٍ للشیطان ومن وصل صفاً وصلہ اللّٰہ ومن قطع صفاً قطعہ اللّٰہ ۔ (سنن ابوداؤد: ۱/ ۹۷، و صحیح ابن خزیمہ والحاکم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا صفوں کو سیدھی کرو، کندھوں کو برابر کرو اور درمیان کی خالی جگہوں کو بند کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ (یعنی صف

درست کرنے کے لیے اگر کوئی آگے پیچھے کرے تو نرمی کے ساتھ آگے یا پیچھے ہو جاؤ) اور صفوں میں شیطان کے لیے دراز نہ چھوڑو (بلکہ بالکل مل کر کھڑے ہو) جو صفوں کو ملائے اللہ تعالیٰ اس کو ملائیں گے اور جو صفوں کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے کاٹ دیں گے۔

(٤) انس بن مالكؓ قال: أقيمت الصلاة فاقبل علينا رسول الله ﷺ بوجهه ، فقال:أقيموا صفوفكم وتَراصُّوا فإني اراكم من وراء ظهري، وفي رواية عنه وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه. (صحیح بخاری:۱/۱۰۰)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ کا بیان ہے کہ نماز کی تکبیر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری جانب متوجہ ہوکر فرمایا صفوں کو برابر رکھواور خوب مل کر کھڑے ہو بلاشبہ میں تمہیں پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ سے ایک دوسری روایت میں مروی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے پیروں کو اپنے ساتھی کے پیروں سے ملا دیتا (یعنی ہم میں سے ہر ایک صف کے درمیانی خلا کو پُر کرنے میں انتہائی اہتمام کرتا تھا) یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ایک اپنے قدم کو دوسرے کے قدم سے واقعی ملا دیتا تھا، چناں چہ حافظ ابن حجر اس جملہ کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "**المراد بذٰلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله**"۔ (فتح الباری:۲/۳۵۲)

امام بخاری کا مقصد اس باب سے صف کی درستگی اور صف کے دراز کو بند کرنے میں مبالغہ بتانا ہے۔ اس کی تائید سنن ابوداوٗد کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے "رُصوا صفوفكم وقاربوا بينهاوحاذوا بالأعناق"۔ (۱/۹۷) صفوں کو خوب ملا کر اور قریب ہو کر

کھڑے ہو اور باہم گردنوں کو برابر کرو، نیز سنن ابو داؤد ہی میں حضرت نعمان بن بشیر کی روایت سے بھی تائید ہوتی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں "فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعبه" (۹۷/۱) میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے کندھے سے اپنا کندھا گھٹنے سے اپنا گھٹنا اور ٹخنے سے اپنا ٹخنہ ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ صفیں اس طرح درست کرنا کہ گردنیں گردنوں سے، گھٹنے گھٹنوں سے اور ٹخنے ٹخنوں سے ملے ہوئے ہوں ممکن ہی نہیں، اس لیے یہی کہا جائے گا کہ ان مذکورہ الفاظ سے مقصود صف بندی کے اہتمام کہ کوئی آگے پیچھے نہ ہو۔ اور درمیانی کشادگی کو پُر کرنے میں مبالغہ کرنے کو بیان کرنا ہے ان الفاظ کے حقیقی معانی مراد نہیں ہیں، لہٰذا صفوں کو درست کرنے کی سنت کے مطابق صحیح صورت یہی ہے کہ سب آپس میں کندھے سے کندھے ملا کر کھڑے ہوں کہ درمیان میں خلا نہ رہے اور نہ ہی کوئی صف میں آگے پیچھے نکلا ہوا ہو باہم پیروں کو پیروں سے ملانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس طرح ایک دوسرے کے قدم تو مل جاتے ہیں لیکن اپنی ٹانگیں چوڑی کرنے کی وجہ سے خود اپنی ٹانگوں کے درمیان غیر موزوں فرجہ اور خلل پیدا ہو جاتا ہے جو رسول خدا ﷺ کی تعلیم تحسین صلاۃ کے خلاف ہے۔ پھر اس میں بلا وجہ کا تکلف کرنا پڑتا ہے اور رکوع و سجدے میں بھی دشواری ہوتی ہے نیز صفوں کی درستگی کا اہتمام تو صرف نماز کے شروع کرتے وقت مطلوب ہے اور ٹانگیں چوڑی کر کے قدم سے قدم ملانے کی ضرورت ہر رکعت میں پیش آتی ہے جو خلاف سنت ہے۔ فتدبر

مسئلہ (۴) پہلی صف مکمل کر لینے کے بعد دوسری صف قائم کریں۔

(۱) عن جابر بن سمرة (مرفوعا) ثم خرج علينا فقال ألا تصفون، كما تصف الملائكة عند ربها، فقلنا يارسول الله: وكيف

تصفّ الملائكة عندربها قال يتمّون الصوف الأولى ويتراصّون في الصف . (صحیح مسلم: ۱/۱۸۱)

ترجمہ: پھر دوبارہ رسول خدا ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صف بندی کرتے ہیں، ہم نے عرض کیا حضور! فرشتے اپنے رب کے پاس کس طرح صف قائم کرتے ہیں؟ فرمایا اگلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں باہم مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(۲) عن انس أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: أتموالصف المقدم ثم الذي يليه، فما كان من نقص فليكن في الصف المؤخر . (سنن ابو داؤد: ۱/۹۸، واسنادہ حسن)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگلی صف کو پورا کرو پھر اس سے ملی صف کو پورا کرو اور جو کمی ہو وہ پچھلی صف میں ہو۔

نیت:

مسئلہ (۵) نماز شروع کرتے وقت دل میں نیت کرلیں کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں۔

(۱) وَمَاأُمِرُوا إلالِيَعْبُدوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ۔

ترجمہ: اور انھیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کریں حنیف ہو کر۔

(۲) إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرءٍ مانوى – الحديث.

(بخاری: ۱/۲، مسلم: ۲/۱۴۰)

ترجمہ: اعمال تو نیت کے ساتھ ہیں آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔

تنبیه : نیت دل کے ارادہ کا نام ہے زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ(٦) نیت کر لینے کے بعد دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہیں۔

(١) وذَكَرَاسْمَ رَبِّه فَصَلّٰى. (سورۃ اعلیٰ، پ٣٠)

ترجمہ: اور اس نے اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی۔

(٢) عن أبی هريرةؓ قال: قال النبی ﷺ: إذاقمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبّر. (مسلم:١/١٧٠)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز قائم کرنے کا ارادہ کرو تو مکمل طور پر وضو کرو پھر قبلہ رخ ہو جاؤ اور تکبیر کہو۔

(٣) عن مالك بن الحويرث أن رسول الله ﷺ كان إذا كبّر رفع يديه، حتى يحاذي بهما أذنيه. وفی رواية "حتى يحاذي بهما فروع أذنيه." (مسلم:١/١٦٨)

ترجمہ: حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ انھیں کانوں کے برابر کر دیتے، اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: یہاں تک کہ ہاتھوں کو کان کے اوپری حصہ کے مقابل کر دیتے۔

(٤) عن أنس قال رأيت رسول الله ﷺ كبّر، فحاذى بإبهاميه أذنيه – الحديث" اخرجه الحاكم وقال: هذا إسناد صحيح على شرط الشيخين ولا اعرف له علة ولم يخرجاه". (المستدرک:١/٢٢٦)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو اپنے ہاتھ کے انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کر دیا۔

مسئلہ (۷) سردی کے موسم میں اگر ہاتھ چادر وغیرہ کے اندر ہوں تو سینے یا کندھوں تک بھی ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔

(۱) عن وائل بن حجر قال: رأيت النبي ﷺ حين افتتح الصلاة رفع يديه حيال أذنيه-ثم اتيتهم فرأيتهم يرفعون أيديهم إلى صدورهم في افتتاح الصلاة وعليهم بَرانس وأكسية. (سنن ابوداؤد: ۱/۱۰۵، وسنن کبری بیہقی: ۲/۲۸)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپؐ نے نماز شروع فرمائی تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھایا، پھر دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرات صحابہ نماز شروع کرتے وقت ہاتھوں کو سینے تک اٹھاتے ہیں اور ان کے بدن پر چّے اور چادریں تھیں۔

فائدہ: حضرت وائل کا دوسری بار سردی کے موسم میں آنا اس روایت سے ظاہر ہے جس میں وہ خود بیان کرتے ہیں کہ "**ثم جئت بعد ذلك في زمان فيه برد شديد، فرأيت الناس عليهم جُلّ الثياب تحرك أيديهم تحت الثياب**" (سنن ابوداؤد: ۱/۱۰۵، و بمعناہ: ۱/۱۰۶)

ترجمہ: پھر دوبارہ میں سخت سردی کے موسم میں آیا تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ان پر موٹے موٹے کپڑے ہیں اور انھیں کپڑوں کے نیچے ان کے ہاتھ (رفع یدین کے لیے) حرکت کر رہے تھے۔

مسئلہ (۸) ہاتھوں کو اٹھاتے وقت انگلیوں کو کھلی اور کشادہ نیز ہتھیلی کو قبلہ رخ رکھیں۔

(۱) عن أبی هريرة كان رسول الله ﷺ إذا كبّر للصلاة نشر أصابعه. (جامع ترمذی:۱/۵۶۷، وصحیح ابن حبان:۳/۱۹۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ جب نماز کے لیے تکبیر کہتے تو انگلیوں کو کشادہ اور کھلی رکھتے تھے۔

(۲) عن ابن عمر (مرفوعا) إذا استفتح أحدكم فليرفع يديه وليستقبل بباطنهما القبلة؛ فإن الله أمامه.(رواه الطبراني في الأوسط، مجمع الزوائد ۲/۱۰۲) وفيه عمير بن عمران وهو ضعيف.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز شروع کرے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اور ہتھیلیوں کو قبلہ رخ رکھے کیوں کہ اللہ تعالی کی خصوصی عنایت اس کے آگے ہوتی ہے۔

مسئلہ (۹) تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو کر دائیں ہاتھ سے بائیں پہونچے کو پکڑ کر ناف سے ذرا نیچے رکھ لیں، ہاتھ باندھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے حلقہ بنا کر بائیں پہونچے کو پکڑ لیں اور باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پشت پر پھیلی چھوڑ دیں۔

(۱) عن سهل بن سعد قال كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل يده اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلاة، قال أبو حازم: لا اعلمه إلا ينمی ذلك إلى النبی ﷺ. (صحیح بخاری:۱/۱۰۲)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں وہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پہونچے پر رکھیں۔

(۲) عن وائل بن حجر أنه رای النبی ﷺ رفع يديه حين دخل فی الصلاة و كبر، ثم التحف بثوبه، ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه

اليسرىٰ و الرسغ و الساعد. (مسند احمد: وسنن النسائی:۱/۱۴۱، وسنن ابو داؤد:۱/۱۰۵، واسنادہ صحیح آثار السنن:۱/۶۲)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کی تو ہاتھوں کو بلند کیا اور تکبیر کہی پھر چادر لپیٹ لی اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت اور پہونچے و کلائی پر رکھا۔

(۳) عن علقمه بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النبى ﷺ يضع يمينه على شماله تحت السرة. (مصنف ابن أبى شيبه طبع كراچى: ۱/ ۳۹۰) قال الحافظ قاسم بن قطلوبغا في تخريج أحاديث الاختيار شرح المختار، هذا سندجيد، وقال العلامة محمد أبوالطيب المدني في شرح الترمذى، هذاحديث قوى من حيث السند وقال المحقق عابد السندي في طوالع الأنوار: رجاله ثقات.

ترجمہ: علقمہ بن وائل اپنے والد یعنی وائل بن حجر سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ نماز میں آپ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔

(٤) عن أنس قال: ثلاث من أخلاق النبوة تعجيل الإفطار وتاخير السحور و وضع اليد اليمنىٰ على اليسرىٰ في الصلاة تحت السرة. (الجوہر النقی: ۲/ ۳۲، والمحلی ابن حزم: ۳/ ۳۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین باتیں نبوت کے اخلاق وعادات میں سے ہیں (۱) افطار میں جلدی کرنا۔(۲) سحری دیر سے کھانا۔(۳) اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(۵) عن عقبة بن صهبان أنه سمع علياً يقول في قول الله عزوجل: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" قال وضع اليمنىٰ على اليسرىٰ تحت

السرة .(التمہید ابن عبد البر:۲/۷۸)

ترجمہ : عقبہ بن صہبان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فصل لربك وانحر" کی تفسیر میں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے سنا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

(٦) عن أبی وائل عن أبی هريرة رضى الله عنه أخذ الأكف على الأكف في الصلاة تحت السرة .(سنن ابو داؤد نسخۃ الاعرابی:۱/۲۸۰، والمحلی ابن حزم:۳/۳۰)

ترجمہ :ابو وائل حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔

(٧) عن الحجاج بن حسان قال: سمعت أبا مِجلَز أو سألته قال: قلت: كيف اضع؛ قال: يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلهما أسفل من السرة .(مصنف ابن ابی شیبۃ:۱/۳۹۱،واسنادہ صحیح)

ترجمہ : حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے ابو مجلز سے سنا، یا ان سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کس طرح رکھوں؟ تو انھوں نے بتایا کہ دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو بائیں ہتھیلی کے اوپری حصہ پر ناف سے نیچے رکھے۔

(٨) عن ابراهيم قال يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة . (مصنف ابن ابی شیبۃ:۱/۱۹۰،واسنادہ حسن)

ترجمہ : مشہور فقیہ و محدث ابراہیم نخعی نے کہا کہ نمازی اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

ضروری وضاحت:

ناف سے نیچے یا ناف سے اوپر سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں مرفوع

روایتیں درجۂ دوم وسوم کی ہیں اور ان میں اکثر ضعیف ہیں البتہ نیچے باندھنے کی روایتیں سینے وغیرہ پر باندھنے کی روایتوں سے اصول محدثین وفقہا کے لحاظ سے قوی اور راجح ہیں۔

مسئلہ (١٠) تکبیر تحریمہ اور ہاتھوں کو باندھنے کے بعد دعائے استفتاح یعنی ثنا پڑھیں۔

(١) عن أنس بن مالك قال: كان رسول الله ﷺ اذااستفتح الصلاة قال: سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك. (کتاب الدعاء الطبرانی: ٢/ ٣٣٤، والمعجم الأوسط قال الحافظ الهيثمی ورجاله موثقون، مجمع الزوائد: ٢/ ١٠٧، وقال العلامه النيموی واسناده جيد، آثار السنن: ١/ ٧٢)

(٢) عن أبی سعيد أن النبی ﷺ كان إذا افتتح الصلاة قال: سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إلٰه غيرك. (سنن نسائی: ١/ ١٤٣)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو **سبحانك اللّٰهم** الخ پڑھتے۔

(٣) عن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ اذا استفتح الصلاة قال: سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك. (سنن ابوداود: ١/ ١١٣، ومستدرک حاکم: ١/ ٢٣٥، وقال صحيح على شرط الشيخين.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو **سبحانك اللّٰهم** الخ پڑھتے۔

(٤) عن عبدة وهو ابن لبابة أن عمر بن الخطاب كان يجهر بهولاء الكلمات، يقول سبحانك اللّٰهم الخ. (صحیح مسلم: ١/ ١٧٢، وهو مرسل لأن عبدة لم يسمع من عمر)

ترجمہ: ابن لبابہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (بغرض تعلیم کبھی کبھی) ان کلمات یعنی سبحانك اللّٰھم الخ کو بلند آواز سے پڑھ دیا کرتے تھے۔

وذكره ابن تيمية الجد في المنتقىٰ عن عمر وأبى بكر الصديق وعثمان وابن مسعود ، ثم قال واختيار هولاء يعني الصحابة الذين ذكرهم لهذا الاستفتاح وجهرعمر به أحيانا بمحضرمن الصحابة ليتعلمه الناس مع أن السنة إخفاؤه يدل على أنه الافضل وأنه الذي كان النبی ﷺ يدوم عليه غالباً وأن استفتح بمارواه علی وأبوهريرة فحسن لصحة الرواية . (نیل الاوطار: ۲۱۹/۲)

ترجمہ: ابن تیمیہ کے دادا ابوالبرکات عبدالسلام بن عبداللہ المعروف بابن تیمیہ اپنی مشہور کتاب "المنتقیٰ" میں حضرت عمر فاروق، ابو بکر صدیق، عثمان غنی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے ثنا کی روایتوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان اکابر صحابہ کا دعائے استفتاح کے لیے سبحانك اللّٰھم الخ کا اختیار کرنا نیز دعائے استفتاح کو آہستہ پڑھنے کے مسنون ہونے کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو سکھانے کی غرض سے کبھی کبھی اسے بلند آواز سے پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ سبحانك اللّٰھم الخ کا پڑھنا ہی افضل ہے اور آنحضرت ﷺ اکثر نمازوں میں اسی پر مداومت فرماتے تھے، پھر بھی اگر کوئی شخص اس کے بجائے وہ دعا پڑھے جو حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے تو بھی خوب ہے، کیوں کہ یہ دعائیں بھی ثابت ہیں۔

مسئلہ (۱۱) اگر امامت کر رہے ہوں یا اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں تو ثنا سے فارغ ہو جانے پر آہستہ آواز میں اعوذ باللّٰہ اور بسم اللّٰہ پڑھیں۔

(۱) فَاِذَا قَرأتَ القرآن فَاسْتَعِذْ باللّٰہ من الشَّیطَانِ الرَجیم. (النحل: ۱۴/۱۰)

ترجمہ: جب تو قرآن پڑھے تو (پہلے) اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب

کر شیطان مردود سے۔

(۲) عن أنس قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر وعثمان فلم اسمع أحدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ۔(صحیح مسلم:۱/۱۷۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی میں نے ان حضرات میں سے کسی سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے نہیں سنا۔

(۳) عن أنس قال صليت خلف النبى ﷺ وخلف أبى بكر وعمر وعثمان فكانوا لايجهرون ببسم الله الرحمن الرحيم.(نسائی :۱/۱۴۴ومسند احمد:۳/۱۴،وطحاوی:۱/۱۳۹،باسناد علی شرط الصحیح)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے بھی نماز پڑھی یہ سب حضرات نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

(٤) عن أنس أن رسول الله ﷺ كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم وأبوبكر وعمر.(رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورجاله موثقون.(مجمع الزوائد:۱۰۸)

(۵) عن ابى سعيد الخدرى أن رسول الله ﷺ كان يقول قبل القراء ة اعوذ بالله من الشيطان الرحيم .(مصنف عبدالرزاق:۲/۸۲)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے تھے۔

(٦) عن الاسود بن يزيد قال: رأيت عمر بن الخطاب حين افتتح الصلاة كبّر، ثم قال سبحانك اللّهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك ثم يتعوذ. (رواه الدار قطنی: ۱ر۳۰۰ واسناده صحیح ومصنف ابن ابی شیبہ: ۱ر۲۳۷)

ترجمہ: مشہور تابعی اسود بن یزید نخعی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر سبحان اللّٰھم الخ پڑھتے اس کے بعد اعوذ باللّٰہ کہتے۔

(٧) عن أبی وائل قال: كان علی وابن مسعود لا يجهران ببسم الله الرحمن الرحيم ولابالتعويذ ولا بالتأمين. رواه الطبراني في الكبير وفيه أبو سعد البقال وهو ثقة مدلس، (مجمع الزوائد: ۲ر۱۰۸)

ترجمہ: ابو وائل کا بیان ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بسم اللہ اعوذ باللہ اور آمین کو بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔

(٨) عن ابی وائل قال كانوا يسرون التعوذ والبسملة فی الصلاة (رواه سعيد بن منصور واسناده صحيح)

ترجمہ: ابو وائل کہتے کہ لوگ (یعنی صحابہ وتابعین) (نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

تنبیہ: بسم اللہ کو جہر (بلند آواز) سے پڑھنے کے بارے میں جو ر وایتیں نقل کی جاتی ہیں، وہ زیادہ تر ضعیف وغیر مقبول ہیں پھر بھی بسم اللہ کو جہر کے ساتھ پڑھنے والوں پر نکیر مناسب نہیں ہے۔

قرأت:

مسئلہ: (۱۲) تعوذ وتسمیہ کے بعد فرض کی پہلی دو رکعتوں اور بقیہ

سب نمازوں کی کل رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت یا کم از کم تین چھوٹی یا ایک بڑی آیت پڑھیں۔

(۱) فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرآن ، پڑھو قرآن میں سے جس قدر میسر ہو۔

(۲) عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال: لاصلاة الابقرأة ، الحديث . (صحیح مسلم:۱/۱۷۰)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بغیر قرأت کے کوئی نماز نہیں۔

(۳) عن أبی سعيد قال: أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب وماتيسر. (سنن ابوداؤد:۱/۱۱۸، ومسند احمد وابویعلی وابن حبان) قال ابن سيد الناس اسناده صحيح ورجاله ثقات وقال الحافظ فی التلخيص اسناده صحيح وقال فی الدراية صححه ابن حبان، آثار السنن:۱/۷۴)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ کہتے ہیں کہ ہمیں (منجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حکم دیا گیا ہے کہ ہم سورۃ فاتحہ اور قرآن کا جو حصہ میسر ہو پڑھیں۔

(٤) عن عبادة بن صامت أخبره أن رسول الله ﷺ قال لاصلاة لمن لم يقرا بأم القرآن فصاعدا. (صحیح مسلم:۱/۱۶۹، سنن ابوداؤد:۱/۱۱۹، ومصنف عبدالرزاق:۲/۹۳، ومسند احمد:۵/۳۲۲)

(۴) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن کا کچھ مزید حصہ نہیں پڑھا۔

(٥) عن عبد الله بن أبی قتادة عن أبيه أن النبی ﷺ يقرأ فی الركعتين الأوليين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة

ویُسمعنا الآیة أحیانًا ویقرأ فی الرکعتین الآخرین بفاتحة الکتاب .
(صحیح بخاری:۱/۱۰۷،و صحیح مسلم:۱/۱۸۵،)و اللفظ له .

مسئلہ (۱۳) فرض کی آخری رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تسبیح پڑھ لیں یا خاموش رہیں تب بھی نماز ہو جائے گی۔

(۱) عن عبید اللہ بن أبی رافع قال: کان یعنی علیا یقرأ فی الأولیین من الظهر و العصر بأم القرآن و سورة و لایقرأ في الأخرین .
(مصنف ابن عبد الرزاق:۲/۱۰۰)

ترجمہ: عبید اللہ بن ابی رافع کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں قرات نہیں کرتے تھے۔

(۲) عن أبی اسحاق عن علی و عبد اللہ أنهما قالا: اقرأفی الأولیین وسبح في الأخرین. (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۴۰۸، طبع کراچی)

ترجمہ: ابو اسحاق حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرو اور آخری رکعتوں میں تسبیح پڑھو۔

(۳) عن إبراهیم قال: اقرا في الأولین بفاتحة الکتاب و سورة.
ترجمہ: ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھو اور آخری رکعتوں میں تسبیح پڑھو۔

(٤) عن علقمة بن قیس أن عبد اللہ بن مسعود کان لایقرأ خلف الإمام فیما یجهر فیه وفیما یخافت فیه في الأولیین ولا في الأخریین، وإذا صلّی وحده قرأ في الأولیین بفاتحة الکتاب وسورة ولم یقرأ في الأخریین شیئا. (مؤطاامام محمد/۱۰۰)

ترجمہ: علقمہ بن قیس نخعی کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے جہری وسری کسی نماز میں قرأت نہیں کرتے تھے نہ پہلی دو رکعتوں میں اور نہ پچھلی دو رکعتوں میں اور جب اکیلے نماز پڑھتے تو پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں کچھ بھی نہیں پڑھتے تھے۔

مسئلہ (۱۴) اور اگر امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے ہیں تو ثنا پڑھ کر خاموش ہو جائیں خود قرأت نہ کریں بلکہ امام کی قرأت کی جانب خاموشی کے ساتھ دھیان لگائے رکھیں۔

(۲) وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا له وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(الاعراف: پ/۹)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

فائدہ: امام احمد ابن حنبل امام التفسیر محمد بن حسن النقاش، امام جصاص رازی، حافظ ابن عبد البر، حافظ ابن تیمیہ وغیرہ ائمۂ حدیث و تفسیر و فقہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

(۲) عن أبی موسیٰ الأشعری قال: إن رسول اللہ ﷺ خطبنا فبيّن لناسنتناوعلمناصلٰتنا فقال: إذاصليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبّر فكبروا وإذا قرأ فانصتوا وإذا قال، غير المغضوب عليهم والضالين، فقولوا: آمين ، الحديثِ برواية الجريرعن سليمان عن قتادة.(صحیح مسلم: ار۱۷۴، ومسند امام احمد: ۴/۴۱۵، وابن ماجہ ۶۱/، ودار قطنی: ار۳۳۰)

ترجمہ: حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ

نے ہمیں خطاب فرمایا اور ہمارے واسطے دینی طریقے کو بیان فرمایا اور ہمیں نماز کا طریقہ سکھایا اور آپ نے اس سلسلے میں فرمایا کہ جب نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو درست کرو پھر تم میں سے ایک تمہاری امامت کرائے وہ جب تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور وہ جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ "غیر المغضوب علیھم و لا الضالین" کہے تو تم آمین کہو۔

(۳) عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبّر، فكبّروا إذا قرأ فانصتوا، الحديث (نسائی: ۱/ ۱۰۷، ابن ماجہ / ۶۱، مسند احمد: ۲/ ۳۷۶، شرح معانی الآثار: ۱/ ۱۴۹، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱/ ۳۷۷، وصححه امام مسلم و آخرون)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا امام تو اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو اس کے بعد تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔

(٤) عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: من كان له إمام فقرأة الإمام له قرآة. (رواه احمد بن منيع في مسنده وقال الحافظ البوصيري في الاتحاف: ۲/ ۳۴۵، صحیح علی شرط الشیخین)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کی اقتدا کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے، یعنی مقتدی کو الگ سے قرأت کی ضرورت نہیں امام کی قرأت اس کے حق میں بھی کافی ہے۔

(٥) عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ انصرف من صلاة جهر فيها بالقرأة فقال: هل قرأ مَعِيَ منكم أحد آنفا، فقال رجل: نعم أنا يا رسول الله! فقال رسول الله ﷺ: اقول مالی انازعنی القرآن،

فانتهى الناس عن القرآة مع رسول الله ، فيما جهر فيه رسول الله ﷺ بالقرأة حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مؤطامالک ۲۹/ ورواہ الترمذی) وقال هذا حديث حسن، وقال الحافظ المغلطائی قال الترمذی هذا حديث حسن فی أكثر النسخ وفی بعضها صحيح، وقال الحافظ أبوعلی طوسی في كتاب الأحكام من تاليفه هذا حديث حسن وصححه الحافظ أبوبكر الخطيب فی كتابه المدرج، الاعلام للمغلطائی (قلمی: ۸۲/۴) وصححه أيضا أبو حاتم الرازی وابن كثير فی تفسير القرآن: ۲۸۷/۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کیا اس وقت تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قرأت کی ہے ایک صاحب بولے جی ہاں میں نے یارسول اللہ! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبھی تو میں جی میں کہہ رہا تھا میرے ساتھ قرآن میں منازعت کیوں ہو رہی ہے؟ اس کے بعد جہری نمازوں میں صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے قرأت ترک کر دی۔

(اس حدیث پاک پر فنی بحث کے لیے مسند احمد مع تعلیق احمد شاکر: ۱۲/ ۲۵۸-۲۸۵) کا مطالعہ کیجئے)۔

نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیلات کے لیے دیکھئے ہماری کتاب "امام کے پیچھے مقتدی کی قرآت کا حکم۔

مسئلہ (۱۵) جب امام سورۂ فاتحہ کی قرأت کرتے وقت "ولا الضالین" پر پہونچے تو امام اور مقتدی سب آہستہ آواز سے "آمین" کہیں۔

(۱) عن أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قال الامام: "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" فقولوا: "آمين" فإنه من وافق قوله قول الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه "۔ (صحیح بخاری

۱/۸۰ و صحیح مسلم ۱/۱۷۶ نحوه)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، امام جب "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" کہے تو تم سب آمین کہو کیوں کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو جائے گا اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

(۲) عن أبی هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلّمنا يقول: لاتبادروا الإمام. إذا كبّر فكبروا وإذا قال ولا الضالين فقولوا: آمين وإذا ركع فاركعوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا: اللّٰهم ربنا لك الحمد.،، (صحیح مسلم ۱/۱۷۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (طریقۂ نماز) سکھاتے ہوئے فرماتے تھے امام سے سبقت نہ کرو امام جب تکبیر کہے تو اسکے بعد تکبیر کہو اور امام جب "**ولا الضالين**" کہے تو تم سب آمین کہو اور وہ جب رکوع میں جائے تو اس کے بعد رکوع میں جاؤ اور وہ جب **سمع الله لمن حمده** کہے تو تم سب **اللّٰهم ربنا لك الحمد** کہو۔

(۳) عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال الإمام "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" فقولوا: آمين، وإن الملائكة تقول، آمين، وإن الامام يقول آمين، فمن وافق تأمينه تامين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه.،، (مسند احمد ۲/ ۲۳۳، سنن نسائی ۱/۱۴۷ سنن دارمی ۱/ ۳۱۴، طبع کراچی۔ صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۲۸۹، واسنادہ صحیح)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام جب "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" کہے تو تم لوگ آمین کہو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے۔ تو جس

شخص کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے موافق ہو جائے گا اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

ضروری **تنبیہ**: ان مذکورہ احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے امام بلند آواز سے آمین نہیں کہتا کیوں کہ اگر وہ بلند آواز سے آمین کہتا تو آنحضرت ﷺ مقتدیوں کے آمین کہنے کو امام کے ولا الضالین کہنے پر معلق نہ فرماتے۔

(٤) عن أبی ھریرة ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ قال: إذا أمّن الإمام فأمّنوا؛ فإنه من وافق تأمینه تأمین الملائکة غفرله ما تقدم من ذنبه (رواہ الجماعة).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام جب آمین کہے تو تم لوگ آمین کہو کیوں کہ جس شخص کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے موافق ہو جائے گا اسکے اگلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

وضاحت: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "**إذا أمّن الإمام**" کو جمہور علماء نے مجاز پر محمول کیا ہے تاکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "**إذا قال الإمام والضالین**" میں باہم موافقت ہو جائے چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔"قالو ا فالجمع بین الروایتین یقتضی حمل قوله 'اذا امن' علی المجاز۔ ٣٣٥/٢)

ترجمہ: علماء کہتے ہیں کہ حدیث "**إذا قال الامام ولا الضالین**" اور حدیث "**إذا أمّن الإمام**" میں جمع و تطبیق کا تقاضا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "**إذا أمّن الإمام**" کو مجاز پر محمول کیا جائے۔ "**فتدبر ولا تکن مع الغافلین**".

(٥) عن وائل بن حجر أنہ صلی مع النبی ﷺ، فلما بلغ "غیر

المغضوب عليهم ولا الضالين قال: آمين وأخفى بها صوته، الحديث.
(سنن ترمذی: ۱/ ۶۳، مسند احمد: ۴/ ۳۱۶، مسند ابو داؤد الطیالسی: ۱۳۸/، سنن دار قطنی: ۱/ ۳۳۴، مستدرک حاکم: ۱/ ۲۳۲، وقال هذا حديث صحيح على شرطهما واقرّه الذهبى)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" پر پہنچے تو آپ ﷺ نے آمین کہا اور اس میں اپنی آواز کو پست کیا۔

(٦) عن أبى وائل قال: كان عمر وعلى لايجهر ان ببسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتامين. (شرح معانی الآثار: ۱/ ۱۴۰، وذکر الحافظ الترکمانی فی الجوہر النقی: ۲/ ۴۸)

ترجمہ: ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما، بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین میں آواز بلند نہیں کرتے تھے۔

(٧) عن علقمة والأسود كليهما عن ابن مسعود قال يخفى الإمام ثلاثا التعوذ، وبسم الله الرحمٰن الرحيم، وآمين. (المحلی ابن حزم: ۲/ ۲۰۶)

ترجمہ: علقمہ اور اسود دونوں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا امام تین چیزوں یعنی اعوذ باللہ، بسم اللہ اور آمین کو آہستہ کہے گا۔

رکوع:

مسئلہ (١٦) قرأت سے فارغ ہو جائیں تو تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جائیں۔

عن ابى هريرة قال كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلاة

یکبّر حین یقوم، ثم یکبّر حین یر کع،الحدیث. (صحیح بخاری:۱/۱۰۹او صحیح مسلم:۱/۱۶۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر کہتے اور پھر رکوع میں جانے کے وقت تکبیر کہتے تھے۔

مسئلہ (۱۷) رکوع میں اپنے اوپر کے دھڑ کو اس حد تک جھکائیں کہ گردن اور پیٹھ تقریباً ایک سطح پر آجائیں۔

(۱) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير والقرأة بالحمد لله رب العالمين وكان إذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوّبه ولكن بين ذلك. (صحیح مسلم:۱/۱۹۴)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے اور قرأت کو الحمد لله رب العالمين سے شروع فرماتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو سر مبارک کو نہ بلند کرتے تھے اور نہ نیچا بلکہ ان دونوں کے درمیان میں رکھتے تھے۔

(۲) عن ابن عباس قال: كان رسول الله ﷺ إذا ركع استوىٰ، فلو صب على ظهره ماء لاستقر. (مجمع الزوائد:۲/۱۲۳ بحواله طبراني في الكبير وابو يعلى وعن أبي برزة الأسلمي بحواله طبراني في الكبير والأوسط وقال رجالهما موثقون)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع کرتے تو پشت مبارک کو اس طرح ہموار کرتے کہ اگر آپ ﷺ کی پشت مبارک پر پانی گرادیا جاتا تو وہ ٹھہرا رہتا۔

مسئلہ (۱۸) رکوع میں پاؤں سیدھے رکھیں ان میں خم نہ ہونا چاہئے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح رکھیں کہ ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ ہوں اور بازو سیدھے تنے ہوئے پہلو سے دور رہیں۔

(۱) عن أنس قال: قال لي يعني النبي صلى الله عليه وسلم: يابنيّ ! إذا ركعت فضع كفيك على ركبتك وفرّج بين أصابعك وارفع يديك عن جنبك. (نصب الرایۃ: ۱/ ۳۷۲) و صحیح ابن حبان: ۳/ ۲۷۶، و عن ابن عمر فی حدیث طویل و مصنف عبد الرزاق: ۲/ ۱۵۱)

ترجمہ: خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی پاک ﷺ نے فرمایا اے بیٹے جب رکوع کرو تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھو اور انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھو اور ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھو۔

(۲) عن أبي حُميد قال: إن رسو ل الله ﷺ ركع، فوضع يديه على ركبتيه كأنه قابض عليهما ووتّر يديه فنحّاهما عن جنبيه. (سنن ترمذی: ۱/ ۶۰) وقال هذا حديث حسن صحيح، وهو الذي اختاره أهل العلم الخ.

ترجمہ: حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے رکوع کیا تو ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر اس طرح رکھا کہ گویا انھیں پکڑے ہوئے ہیں اور بازو کو تان کر اپنے پہلوؤں سے دور رکھا۔

مسئلہ (۱۹) رکوع میں کم از کم اتنی دیر رکیں کہ اطمینان سے تین مرتبہ **سبحان ربی العظیم** کہا جاسکے۔

(۱) عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال: إذا ركع أحدكم فقال في ركوعه: سبحان ربي العظيم ثلاث مرّات، فقد تم ركوعه وذلك أدناه وإذا سجد فقال في سجوده: سبحا ن ربي الأعلى ثلاث مرات، فقد تم سجوده وذلك أدناه. (سنن ترمذی: ۱/ ۶۰)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے جب رکوع کیا اور اپنے رکوع میں تین بار "سبحان ربی العظیم" پڑھا تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور تین بار کی تعداد کمال کا

ادنیٰ درجہ ہے، اور جب سجدہ کیا اور سجدہ میں "سبحا ن ربی الأعلی" تین بار پڑھا تو اس کا سجدہ مکمل ہو گیا اور یہ کمال کا ادنیٰ درجہ ہے۔

(۲) عن أبی بکرة أن رسول الله ﷺ کان یسبّح في رکوعه "سبحان ربی العظیم" ثلاثاً وفي سجوده "سبحان ربي الأعلی" ثلاثا.

(رواه البزار والطبرانی واسناده حسن آثار السنن: ۱/ ۱۱۴)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع میں تین بار مسبحان ربی العظیم کہتے تھے اور اپنے سجدے میں تین بار " سبحا ن ربی الأعلیٰ " کہتے تھے۔

مسئلہ (۲۰) پھر رکوع سے اس طرح سیدھے کھڑے ہو جائیں کہ جسم میں کوئی خم باقی نہ رہے۔

(۱) عن أبی هریرة أن النبی ﷺ دخل المسجد، فدخل رجل فصلی، ثم جاء فسلّم علی النبی ﷺ، فردّ علیه النبی ﷺ فقال: ارجع، فصل فإنّك لم تصلّ، فصلیٰ ثم جاء فسلّم علی النبی ﷺ، فقال: ارجع فصلّ فإنك لم تصلّ ثلاثاً ، فقال: والذی بعثك بالحق ما أحسن غیره فعلّمني فقال: إذاقمت إلی الصلوٰة فکبّر ثم اقرأ ماتیسر معك من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا، ثم ارفع حتی تعتدل قائما، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا، الحدیث. (صحیح بخاری: ۱/ ۱۰۹، سنن ابو داود: ۱/ ۱۲۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ مسجد میں تشریف لائے آپ کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر سلام کیا، آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ واپس جا کر پھر سے نماز پڑھو تم نے تو نماز پڑھی ہی نہیں، اس شخص نے پھر سے نماز پڑھی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر سلام کیا آپؐ نے پھر

فرمایا جا کر نماز پڑھو تم نے تو نماز پڑھی ہی نہیں تین بار آپ نے سے واپس لوٹایا تو اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا ہے میں اس سے اچھی نماز پڑھنی نہیں جانتا آپ مجھے سکھا دیں؟ تو آپؐ نے فرمایا تم جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو پہلے تکبیر کہو پھر تمہیں قرآن کا جونسا حصہ میسر ہو اسے پڑھو پھر اطمینان سے رکوع کرو پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، الخ۔

(۲) عن عائشة قالت: وكان رسول الله ﷺ إذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى قائماً. (صحیح مسلم: ۱/ ۱۹۴)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو خوب سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے سجدہ نہیں کرتے تھے۔

مسئلہ (۲۱) امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے اگر آپ رکوع میں مل جائیں تو آپ رکعت کو پا جائیں گے۔

(۱) عن أبی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلبه. (صحیح ابن خزیمہ: ۳/ ۴۵ و صحیح ابن حبان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کے پشت اٹھانے سے پہلے رکوع کو پا لیا اس نے رکعت پا لی۔

(۲) عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعتدوها شيئا ومن أدرك ركعة فقد أدرك الصلاة. (سنن ابو داؤد: ۱/ ۱۲۹ و مستدرک حاکم: ۱/ ۲۱۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدہ کی حالت میں ہوں تو سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کا اعتبار نہ کرو، اور جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔

(۳) عن ابن عمر قال: إذا أدركت الإمام راكعا، فركعت قبل أن يرفع فقد أدركت وإن رفع قبل أن تركع فقد فاتتك. (مصنف عبدالرزاق: ۲/۲۷۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب تم نے امام کو رکوع کی حالت میں پالیا اور اس کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے تم نے رکوع کرلیا تو تم رکعت کو پاگئے اور اگر تمہارے رکوع میں جانے سے پہلے امام نے سر اٹھالیا تو رکعت فوت ہوگئی۔

(٤) عن ابن عمر قال: إذا جئت والإمام راكع، فوضعت يديك قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۲۴۳ طبع کراچی)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تو امام کے رکوع کی حالت میں آیا اور اس کے سر اٹھانے سے پہلے تونے اپنے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا تو تونے رکعت کو پالیا۔

مسئلہ (۲۲) رکوع سے کھڑے ہوتے وقت امام "**سمع الله لمن حمده**" کہے اور مقتدی "**ربنا لك الحمد**" کہیں۔

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قال الإمام: "سمع الله لمن حمده" فقولوا: اللّٰهم ربنا لك الحمد، فإنه من وافق قوله قول الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه. (صحیح بخاری: ۱/۱۰۹، و صحیح مسلم: ۱/۱۷۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام جب **سمع الله لمن حمده** کہے تو تم لوگ (یعنی مقتدی) **اللّٰهم ربنا لك الحمد**، کہو۔

(۲) عن أنس، مرفوعا، قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به إذا كبّر فكبروا وإذا ركع فاركعوا وإذا رفع فارفعوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنالك الحمد وإذا سجد فاسجدوا. (صحیح بخاری:۱/۱۱۱و صحیح مسلم:۱/۱۷۷)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول پاک ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، امام بنایا ہی جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، امام جب تکبیر کہے تو اس کی پیروی میں تم لوگ تکبیر کہو اور جب وہ رکوع میں جائے تو اس کی پیروی میں تم لوگ رکوع کرو اور جب رکوع سے سر اٹھائے تو اس کی پیروی میں تم لوگ سر اٹھاؤ اور جب وہ "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم لوگ "ربنا لك الحمد" کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو پھر تم لوگ سجدہ کرو۔

مسئلہ (۲۳) رکوع وسجدے میں امام سے پہلے کبھی بھی سر نہ اٹھائیں۔

(۱) عن أبی هريرة "مرفوعا" أما يخشىٰ أحدكم أوألايخشىٰ أحدكم إذا رفع رأسه قبل الإمام أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار. (صحیح بخاری:۲/۹۶و صحیح مسلم:۱/۱۸۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ڈرتا نہیں جب وہ اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو یا اس کی صورت کو گدھے کے سر یا صورت کی طرح بنا دیں گے۔

مسئلہ (۲۴) اکیلے نماز پڑھنے والے رکوع سے اٹھنے کے و قت "سمع الله لمن حمده اور" ربنا لك الحمد" دونوں کہیں۔

(۱) عن عبد الله ابن أبی أوفی قال: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم إذا رفع ظهره من الركوع، قال: سمع الله لمن حمده اللّٰهم لك الحمد ملاء السمٰوات وملاء الأرض وملاء ماشئت

من شيء بعده . (صحیح مسلم:۱/۱۹۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے پشت مبارک اٹھاتے تو کہتے "سمع الله لمن حمده اللّٰهم ربنا لك الحمد ملاء السموات ملاء الأرض وملاء ماشئت من شيء بعده".

مسئلہ (۲۵) رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع یدین بہتر نہیں ہے۔

(۱) عن علقمة قال: قال عبد اللّٰه بن مسعود ألا اصلى بكم صلاة رسول اللّٰه ﷺ فصلى، فلم يرفع يديه إلامرة واحدة ، قال أبوعيسىٰ حديث ابن مسعود حديث حسن وبه يقول غيرواحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين وهو قول سفيان وأهل الكوفة. (سنن ترمذی :۱/۵۹، وسنن ابوداؤد :۱/۱۰۹، ونسائی :۱/۱۶۱، ومصنف ابن ابی شیبۃ :۱/۲۶۷،وهو حديث صحيح بعضها على شرط الشيخين وبعضها على شرط مسلم)

ترجمہ: مشہور تابعی علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا نہ پڑھوں میں تمہاری تعلیم کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح نماز، (اس تنبیہ کے) بعد حضرت عبداللہ نے نماز پڑھی تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھایا۔

(۲) عن عبد اللّٰه عن النبی ﷺ أنه كان يرفع يديه في أول تكبير ة ثم لا يعود. (شرح معانی الآثار:۱/۱۳۲،وسندہ قوی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے۔

(۳) عن سالم عن أبيه قال: رأيت رسول اللّٰه ﷺ إذا افتتح

الصلاة رفع يد يه حتى يحاذي بهما وقال بعضهم: حذو منكبيه وإذا أراد أن يركع وبعد مايرفع رأسه من الركوع لايرفعهما وقال بعضهم ولايرفع بين السجد تين والمعنى واحد. (صحیح ابو عوانہ: ۹۰، ومسند حمیدی ۲/۲۷۷)

ترجمہ: سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے مونڈھوں تک اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھانے کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے اور بعض راویوں نے بیان کیا کہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ سب راویوں کی روایت کا معنی ایک ہی ہے (مگر الفاظ مختلف ہیں)۔

تنبیہ: یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت قوی اور علت وشذوذ سے بَری ہے، جن حضرات نے اس پر کلام کیا ہے اصول محدثین کی رو سے وہ درست نہیں ہے، تفصیل کے لیے ہماری کتاب "تحقیق مسئلۂ رفع یدین" دیکھئے۔

(٤) عن ابن مسعود قال: صليت خلف نبي الله ﷺ وأبي بكر وعمر، فلم يرفعوا أيد يهم إلاعند افتتاح الصلاة وقال اسحاق وبه ناخذ في الصلاة كلها. (دار قطنی: ۱/۲۹۵، وبیہقی: ۱/۷۹، والجوہر النقی: ۱/۷۹، وقال الحافظ المار دينى اسناده جيد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ اور حضرت ابو بکر صدیق وفاروق اعظم کے ساتھ نماز پڑھی ان سب حضرات نے رفع یدین نہیں کیا مگر پہلی تکبیر کے وقت، محدث اسحاق ابن ابی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہمارا سب نمازوں میں اسی پر عمل ہے۔

(٥) عن عباد بن الزبير (مرسلا) أن رسول الله ﷺ كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه في أول الصلاة، ثم لم يرفعهما في شيء حتى

يفرغ. (نصب الرایہ:۱/۴۰۴، وقال المحدث الكشميري فهو مرسل جيد)

ترجمہ: عباد بن زبیر (مرسلا) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو شروع نماز میں رفع یدین فرماتے اس کے بعد نماز کے کسی حصہ میں رفع یدین نہ فرماتے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔

(٦) عن الاسود قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه في أول تكبيرة، ثم لايعود وقال عبد الملك: ورأيت الشعبي وإبراهيم وأبا إسحاق لايرفعون أيديهم إلاحين يفتتحون الصلاة. (شرح معانی الآثار: ۱/۱۳۳ و مصنف ابن ابی شیبہ :۱/۲۶۸، وسنده صحيح على شرط مسلم)

ترجمہ: اسود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، راوی عبد الملک کا بیان ہے کہ میں نے امام شعبی، امام ابراہیم نخعی، اور محدث ابو اسحاق سبیعی کو دیکھا کہ یہ حضرات بھی صرف تکبیر تحریمہ ہی کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(٧) عن عاصم بن كليب عن أبيه أن عليا كان يرفع يديه في أول تكبيرة من الصلاة ثم لايعود. (شرح معانی الآثار: ۱/۱۳۲، ومصنف ابن ابی شیبہ :۱/۲۶۷، وقال الحافظ الزيلعي وهو أثر صحيح ، نصب الراية ، وقال الحافظ ابن حجر رجاله ثقات ، الدراية : ۸۵/)

ترجمہ: کلیب کا بیان ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔

(٨) عن أبي إسحاق قال: كان أصحاب عبد الله وأصحاب علي لايرفعون أيديهم إلا في افتتاح الصلاة، وقال وكيع ثم لايعودون.

(مصنف ابن ابی شیبہ :۱/۲۶۷، والجوہر النقی: ۲/۷۹، وسنده صحيح على شرط الشيخين)

ترجمہ: ابو اسحاق سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ

عنہ کے تلامذہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تلامذہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

نوٹ : اس مسئلہ میں حضرات صحابہ اور ان کے بعد فقہا و محدثین کا طریقۂ عمل مختلف رہا ہے لیکن خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ثابت نہیں ہے۔ اس لیے اس کے راجح ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

سجدہ:

مسئلہ (۳۶) قومہ کے بعد تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جائیں، سجدہ میں جاتے وقت درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(الف) سب سے پہلے گھٹنوں کو خم دے کر انھیں زمین کی طرف لے جائیں۔

(ب) جب گھٹنے زمین پر ٹک جائیں تو اس کے بعد سینے کو جھکائیں۔

(ج) گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کے بعد ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی زمین پر رکھیں۔

(۱) عن وائل بن حجر قال رأيت رسول الله ﷺ إذا سجد يضع ركبتيه قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه۔ (سنن ترمذی:۶۱/۱، وسنن ابو داؤد: ۱۲۲/۱، وسنن ابن ماجہ: ۶۲/۱، وسنن دارمی: ۳۴۷/۱، ومستدرک حاکم: ۱۶۵/۱، قال الترمذی هذا حديث غريب حسن لانعرف أحدا رواه غير شريك قال وروى همام عن عاصم هذا مرسلا ولم يذكر فيه وائل، وقال العلامة النيموي في آثار السنن فالحديث لاينحط عن درجة الحسن لكثرة طرقه: ۱۱۷/۱)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ

ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے زمین پر ہاتھوں کے رکھنے سے پہلے رکھتے تھے۔

(۲) عن علقمة والأسود قالا: حفظنا عن عمر في صلاته أنه خرّ بعد ركوعه على ركبتيه كما يخرّ البعير ووضع ركبتيه قبل يديه. (شرح معانی الآثار: ۱/۱۵۱)

ترجمہ: علقمہ اور اسود دونوں حضرات بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز سے یاد ہے کہ وہ رکوع کے بعد سجدہ کے لیے جھکے جس طرح اونٹ بیٹھنے کے وقت جھکتے ہیں اور اپنے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھا۔

(۳) عن عبد الله بن يسار إذا سجد وضع ركبتيه، ثم يديه ثم وجهه، فإذا أراد أن يقوم رفع وجهه ثم يديه ثم ركبتيه قال عبد الرزاق وما احسنه من حديث وأعجب به. (مصنف عبد الرزاق: ۲/۱۷۷، وقد سقط من الاسناد "عن ابیه" ومصنف ابن ابی شیبۃ: ۱/۲۹۵)

ترجمہ: عبداللہ بن مسلم بن یسار اپنے والد کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ جب سجدہ کرتے تو پہلے گھٹنوں کو رکھتے پھر ہاتھوں کو پھر چہرے کو اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے چہرے کو اٹھاتے پھر ہاتھوں کو پھر گھٹنوں کو۔

مسئلہ (۲۷) سجدہ میں دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ، دونوں پیر کی انگلیاں اور پیشانی مع ناک زمین پر ٹیک دیں۔

(۱) عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمرت أن اسجد على سبعة أعظم على الجبهة وأشار بيده على أنفه، واليدين، والركبتين وأطراف القدمين، ولا نكفت الثياب والشعر۔ (صحیح بخاری: ۱/۱۱۲ و صحیح مسلم: ۱/۱۹۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں: پیشانی مع ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پیر کی انگلیوں پر، اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز میں کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔

مسئلہ (۲۸) سجدہ میں پیشانی دونوں ہاتھ کے درمیان رکھیں۔

(۱) عن وائل بن حجر "مرفوعا" فلما سجد سجد بين كفيه. (مسلم: ا/۱۷۳)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر روایت کرتے ہیں کہ پھر جب آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا تو سجدہ کیا دونوں ہتھیلیوں کے درمیان (یعنی پیشانی کو دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رکھا)۔

(۲) وعنه قال رمقت النبى ﷺ فلما سجد وضع يديه حذاء أذنيه. (سنن النسائی: ا/۱۶۶، وشرح معانی الآثار: ا/۱۵۱، ومصنف عبدالرزاق: ۲/۱۷۵، واسنادہ صحیح)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر ہی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے سجدہ کیا تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھا۔

سجدے میں جب ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھا جائے گا تو لامحالہ پیشانی ہاتھوں کے بیچ میں ہوگی۔

مسئلہ (۲۹) بحالت سجدہ ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر قبلہ رخ رکھیں اور پیر کی انگلیوں کو بھی قبلہ کی جانب موڑے رکھیں۔

(۱) عن أبي حميد الساعدي قال: رأيت رسو ل الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد وضع يديه غير مفترش ولاقابضهما واستقبل بأطراف رجليه القبلة. (صحیح بخاری: ا/۱۱۴)

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ کو

دیکھا کہ آپ نے جب سجدہ کیا تو ہاتھ کی انگلیوں کو پھیلائے اور بند کئے بغیر زمین پر رکھا (یعنی مٹھی کھلی ہوئی رکھا اور انگلیوں کے درمیان کشادگی کے بجائے انہیں آپس میں ملا کر زمین پر رکھا) اور پیر کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ رکھا۔

(۲) عن ابی حمید الساعدی قال: كان النبی ﷺ إذا هوىٰ إلى الأرض ساجدا جافى عضديه عن ابطيه وفتخ أصابع رجليه۔ (سنن نسائی: ۱/۱۶۶، وسنن ابوداؤد: ۱/۱۳۸) -

ترجمہ: حضرت ابو حمید الساعدی سے منقول ہے کہ نبی پاک ﷺ جب زمین پر گرتے سجدہ کے لیے تو اپنے بازو کو بغل سے دور رکھتے اور پیر کی انگلیوں کو موڑ دیتے (تاکہ قبلہ رخ ہو جائیں)۔

مسئلہ (۳۰) کہنیوں کو زمین پر نہ بچھائیں بلکہ زمین سے اٹھی رکھیں۔

(۱) عن انس قال: قال رسول الله ﷺ: اعتدلوا في السجود ولايبسط أحدكم ذراعيه انبساط الكلب۔ (صحیح بخاری: ۱/۱۱۳، و صحیح مسلم: ۱/۱۹۳)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا سجدہ میں درست رہو اور تمہارا کوئی اپنے بازوؤں کو زمین پر نہ بچھائے جس طرح سے کہ کتا زمین پر بازوؤں کو بچھاتا ہے۔

(۲) عن براء بن عازب قال قال رسول الله ﷺ إذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك . (صحیح مسلم: ۱/۱۹۴)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اٹھی رکھو۔

مسئلہ (۳۱) سجدہ میں دونوں بازو کو پہلوؤں سے دور رکھیں (البتہ اس

قدر نہ پھیلائیں جس سے برابر کے نمازیوں کو تکلیف ہو) نیز پیٹ اور رانوں کے درمیان فاصلہ رکھیں۔

(۱) عن عمرو بن الحارث أن رسول الله ﷺ كان إذا سجد فرّج يديه عن ابطيه حتى أني لارىٰ بياض ابطيه. (صحیح مسلم:۱/۱۹۴)

ترجمہ: حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے بازو کو بغل سے اس قدر ہٹا کر رکھتے کہ میں آپ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھ لیتا۔

(۲) عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ لاتبسط ذراعيك وادعم على راحتيك وتجاف عن ضبعيك، فإنك إذا فعلت ذلك سجد كل عضو معك منك. (مستدرک حاکم:۱/۲۲۷)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (سجدہ میں) اپنے بازوؤں کو زمین پر نہ بچھاؤ اور ہتھیلیوں کو زمین پر جمادو اور بازوؤں کو دونوں پہلو سے دور رکھو، جب تم اس طرح سجدہ کروگے تو تمہارے ساتھ تمہارے سب اعضاء سجدہ کریں گے۔

مسئلہ (۳۲) سجدہ کی حالت میں کم از کم اتنی دیر گذاریں کہ تین مرتبہ "سبحان ربی الأعلی" اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں، پیشانی ٹیکتے ہی فوراً اٹھالینا مناسب نہیں ہے۔

(۱) عن ابن مسعود أن النبي ﷺ قال: إذاسجد أحدكم فقال في سجوده: "سبحان ربي الأعلىٰ" ثلاث مرّات فقد تَمَّ سجوده وذلك أدناه. (سنن ترمذی:۱/۶۵، سنن ابوداؤد:۱/۱۲۹، سنن ابن ماجہ/۶۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا تمہارا کوئی جب سجدہ کرتا ہے اور سجدہ میں تین بار" سبحان ربی

الاعلی" کہہ لیتا ہے تو اس کا سجدہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور یہ تعداد کمال کی ادنیٰ ہے)

(۲) عن أبي هريرة قال: نهانی رسول الله ﷺ عن ثلاث عن نقرة كنقرة الديك، وإقعاء كإقعاء الكلب والتفات كالتفات الثعلب (مسند احمد: رواتہ سندہ لین)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا: (۱) سجدہ میں مرغ کی طرح چونچ مارنے سے (یعنی جس طرح مرغ زمین پر چونچ مارتا ہے اور فوراً اٹھا لیتا ہے اس طرح سجدہ نہ کرو۔ (۲) اور کتے کی بیٹھک بیٹھنے سے (کہ سرین کو زمین پر ٹیک کر دونوں پیروں کو کھڑا کر دیں اور ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگائیں)۔ (۳) لومڑی کی طرح ادھر ادھر دیکھنے سے۔

مسئلہ (۳۳) سجدہ سے فارغ ہو جائیں تو تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائیں اور بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں اور دایاں پاؤں اس طرح کھڑا رکھیں کہ اس کی انگلیاں قبلہ رخ ہو جائیں۔

(۱) عن عائشة (مرفوعا) وكان إذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتى يستويَ قائماً وكان إذا رفع رأسه من السجدة لم يسجد حتى يستويَ جالساً وكان يقول في كل ركعتين التحية وكان يفترش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ. (صحیح مسلم: ۱/ ۱۹۴)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے، اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہ کرتے یہاں تک کہ سیدھے بیٹھ جاتے اور فرماتے تھے کہ ہر دو رکعت میں التحیات ہے اور بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے۔

(٢) عن أبي حُميد الساعدي (مرفوعاً) ثم يهوى إلى الأرض، فيجافي يديه عن جنبه ثم يرفع رأسه ويثنى رجله اليسرىٰ ويقعد عليها ويفتخ أصابع رجليه إذا سجد ثم يسجد ثم يقول الله اكبر – الحديث.

(سنن ترمذی:۱/۶۷، وسنن ابوداؤد/۱۰۶، واسنادہ صحیح)

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نماز کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں پھر آپ ﷺ سجدہ کے لیے زمین کی طرف جھکے اور سجدہ میں ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھا پھر سجدہ سے سر کو اٹھایا اور اپنے بائیں پیر کو بچھایا اور اس پر بیٹھے اور سجدہ کی حالت میں پیر کی انگلیوں کو (بجانب قبلہ) موڑے رکھا پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کیا۔

مسئلہ (۳۴) جلسہ میں کم از کم اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں "رب اغفر لی" کہہ سکیں۔

(١)عن حذيفة (مرفوعاً) وكان يقول بين السجدتين "رب اغفرلي ، رب اغفرلي". (سنن نسائی:۱/۱۷۲، وسنن دارمی:۱/۳۴۹، طبع کراچی وررواه ابو داؤد ضمن حديث طويل فى كتاب الصلوٰة باب مايقول الرجل في ركوعه وسجوده: ١/١٢٧)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدے کے درمیان یعنی جلسہ میں رب اغفر لی ،رب اغفر لی کہتے تھے۔

(٢) عن ابن عباس كان رسول الله ﷺ يقول بين السجدتين "اللّٰهم اغفر لي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني". (سنن ترمذی:۱/۶۸، وسنن ابو داؤد:۱/۱۲۳، مع اختلاف یسیر ومسند احمد:۱/۳۷۱، وفيه ضعف كما قال العلامه النيموى في آثار السنن:۱/۱۱۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ میں "اللّٰهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني" کہتے تھے۔

تنبیہ : چوں کہ فرائض میں تخفیف کا حکم ہے اس لیے اس دعا کو سنن ونوافل میں پڑھا جائے چنانچہ سنن ماجہ میں اس دعا کو نماز تہجد میں پڑھنے کی صراحت موجود ہے۔

مسئلہ (۳۵) جلسہ کے بعد تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدہ میں جائیں اور اس سجدہ کو بھی پہلے سجدہ کی طرح ادا کریں۔

(۱) عن رفاعة بن رافع (فی حدیث مسیٔ صلاته مرفوعا) ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع رأسك حتی تطمئن قاعدا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا، الحدیث۔ (سنن نسائی: ۱/۱۶۱، و صحیح بخاری: ۲/۹۸۶، عن ابی ھریرۃ)

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے بیٹھو اور بعد ازاں دوسرا سجدہ اطمینان کے ساتھ کرو۔

جلسۂ استراحت

مسئلہ (۳۶) دوسرا سجدہ کر چکیں تو تکبیر کہتے ہوئے دوسری رکعت کے لیے سیدھے پنجوں کے بل کھڑے ہو جائیں، جلسۂ استراحت (یعنی دوسرے سجدہ کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنے) کی ضرورت نہیں۔

(۱) عن أبی هریرة (فی حدیث مُسی صلاته مرفوعا) ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوي وتطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی قائما. الحدیث. (صحیح بخاری: ۲/۹۸۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر دوسرا سجدہ اطمینان کے ساتھ کرو پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔

(۲) عن عباس او عياش بن سهل الساعدي أنه كان في مجلس فيه أبوه وكان من أصحاب النبي ﷺ وفي المجلس أبوهريرة وأبوحميد الساعدي وأبو اسيد ، (فذكر الحديث " وفيه ثم كَبَّرَ فَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فقام ولم يتورك :- (سنن ابوداؤد: ار ۱۰۷، واسنادہ صحیح)

ترجمہ: عباس یا عیاش بن سہل ساعدی سے روایت ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے جس میں ان کے والد "جو صحابی ہیں" بھی تھے نیز مجلس میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو حمید ساعدی اور حضرت ابو اسید رضوان اللہ علیہم بھی تھے تو عباس یا عیاش کے والد سہل ساعدی نے حدیث بیان کی جس میں یہ ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے تکبیر کہی اور سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور کھڑے ہو گئے اور تورک نہیں کیا یعنی کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھے نہیں۔

(۳) عن أبى هريرة قال: كان النبي ﷺ ينهض في الصلاة على صدور قدميه ، قال أبوعيسىٰ: حديث أبى هريرة عليه العمل عند أهل العلم يختارون أن ينهض الرجل على صدور قدميه . (سنن ترمذی: ار ۶۴-۶۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نماز میں پنجوں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے (یعنی سجدہ سے اٹھ کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے) امام ترمذی کہتے ہیں اہل علم کا حضرت ابوہریرۃ کی حدیث پر عمل ہے وہ اسی کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی (نماز میں دوسری و تیسری رکعت کے لیے بغیر بیٹھے) پنجوں کے بل کھڑا ہو جائے۔

(٤) عن الشعبي أن عمر وعليا وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا ينهضون في الصلاة على صدور أقدامهم. (مصنف ابن

ابی شیبۃ:۱/۴۳۱، طبع کراچی)

ترجمہ: امام شعبی کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ، اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور بہت سارے صحابہ نماز میں پنجوں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۵)عن نعمان بن ابی عیاش قال: أدركت غير واحد من اصحاب النبی ﷺ فكان إذا رفع رأسه من السجدة فی أول ركعة والثالثة قام كما هو ولم يجلس۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ:۱/۴۳۱، واسنادہ حسن)

ترجمہ: نعمان بن ابی عیاش کہتے ہیں میں نے ایک سے زائد نبی پاک ﷺ کے صحابی کو پایا کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت کے سجدے سے سر اٹھاتے تو اسی حالت میں کھڑے ہو جاتے اور بیٹھتے نہیں تھے۔

مسئلہ (۳۷) کسی عذر کی بنا پر دوسرے سجدہ سے فارغ ہو کر بیٹھ جائیں اور پھر اٹھیں تو خلاف سنت نہیں ہو گا۔

عن أبی قلابة قال: أخبرني مالك بن الحويرث الليثی أنه رایٔ النبی ﷺ يصلی، فإذا كان في وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوي قاعدا. (صحیح بخاری:۱/۱۱۳، وسنن ترمذی:۱/۶۴)

ترجمہ: مالک بن الحویرث لیثی کا بیان ہے کہ انھوں نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا نماز پڑھتے ہوئے آپؐ جب پہلی اور تیسری رکعت میں ہوتے تو سجدہ سے فارغ ہو کر کھڑے نہیں ہوتے تھے یہاں تک (سیدھے بیٹھ جائیں)

مسئلہ (۳۸) سجدہ سے اٹھتے وقت زمین سے پہلے سر اٹھائیں پھر ہاتھ پھر گھٹنے اور بغیر کسی عذر کے ہاتھوں کو زمین پر نہ ٹیکیں۔

(۱) عن وائل بن حجر قال: رأيت النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه.

(سنن ابوداؤد:۱/۱۲۲، وسنن ترمذی:۱/۶۱، وحسنہ)۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا کہ جب سجدے میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھتے تھے اور جب سجدے سے اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین سے اٹھاتے تھے۔

(۲) عن ابن عمر قال نهى رسول الله ﷺ أن يعتمد الرجل على يديه إذا نهض في الصلاة. (سنن ابوداؤد: ۱/۱۴۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ نماز میں اٹھتے وقت آدمی ہاتھوں کو زمین پر ٹیک دے۔

(۳) عن أبى جحيفة عن على رضى الله عنه قال: إن من السنة في الصلاة المكتوبة إذانهض الرجل في الركعتين الأولين أن لايعتمد بيديه على الأرض إلا أن يكون شيخا كبيرا لايستطيع. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱/۴۳۲)

ترجمہ: ابوجحیفہ راوی ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرض نماز کی سنت میں سے ہے کہ آدمی جب پہلی رکعتوں سے اٹھے تو زمین پر ٹیک نہ لگائے مگر جب کہ نہایت بوڑھا ہو کہ بغیر ٹیک لگائے اٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

دوسری رکعت

مسئلہ (۳۹) دوسری رکعت میں ثنا اور اعوذ باللہ نہ پڑھیں بلکہ آہستہ سے بسم اللہ پڑھکر قرأت شروع کردیں اور باقی احکام میں دوسری رکعت پہلی رکعت ہی کی طرح ہے۔

(۱) عن أبى هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا نهض في الركعة الثانية استفتح القرأة بالحمد لله رب العالمين

ولم یسکت. (صحیح مسلم: ۱/ ۲۱۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت میں اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع فرمادیتے ثناوغیرہ کے لیے خاموش نہ ہوتے تھے۔

قعدۂ اولیٰ

مسئلہ (۴۰) دوسری رکعت کے سجدے سے فارغ ہوکر بیٹھ جائیں اور التحیات پڑھیں۔

(۱) عن عائشة "مرفوعا" وكان يقول في كل ركعتين التحية، الحديث. (صحیح مسلم: ۱/ ۱۹۴)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اور رسول خدا ﷺ ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے۔

(۲) عن عبد الله بن مسعود قال علّمني رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد في وسط الصلاة وآخرها. (مسند احمد: ۱/ ۴۵۹، ومجمع الزوائد وقال رجاله موثقون: ۲/ ۱۴۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکھایا نماز کے درمیان میں اور آخر میں التحیات پڑھنا۔

(۳) وعنه قال: قال لنا رسول الله ﷺ: قولوا في كل جلسة التحيات، الحديث. (سنن نسائی: ۱/ ۱۷۴)

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر قعدہ میں التحیات پڑھو۔

(٤) وعنه "مرفوعا" فقال: إذا قعدتم في كل ركعتين فقولوا

التحیات – الحدیث. (سنن نسائی: ۱/ ۱۷۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دو رکعت میں التحیات پڑھو۔

مسئلہ (۴۱) قعدہ کا طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں اور دایاں پیر اس طرح کھڑا کرلیں کہ اس کی انگلیاں مڑ کر قبلہ رخ ہو جائیں اور بحالت عذر جس طرح قدرت ہو اس طرح بیٹھیں دونوں قعدہ میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے۔

(۱) عن عائشة "مرفوعا" وكان يفترش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ وكان ينهىٰ عن عقبة الشيطان وينهىٰ ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع. (صحیح مسلم: ۱/ ۱۹۴، ۱۹۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اور رسول اللہ ﷺ اپنے بائیں پاؤں کو بچھاتے تھے اور داہنے پیر کو کھڑا رکھتے تھے اور شیطان کی بیٹھک بیٹھنے سے منع فرماتے تھے اور اس بات سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھادے جس طرح کہ درندے جانور بچھاتے ہیں، (حدیث پاک کا عموم دونوں قعدہ کو شامل ہے)۔

وضاحت: سرین کو زمین پر رکھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کردیں اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیں اس طرح بیٹھنے کو "عقبة الشيطان" اور "اقعاء" کہا جاتا ہے جس سے حدیث پاک میں منع کیا گیا ہے۔

(۲) عن وائل بن حجر قال: قدمت المدينة، فقلت: لانظرن إلى صلاة رسول الله ﷺ، فلما جلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرىٰ ووضع يده اليسرىٰ يعني على فخذه اليسرىٰ ونصب رجله اليمنىٰ قال أبو عيسىٰ هذاحديث حسن صحيح والعمل عليه

عند أكثر أهل العلم. (سنن ترمذی: ۱/ ٦٥)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ حاضرا ہوا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا تو جب آپ التحیات پڑھنے کے لیے بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا دیا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا اور داہنے پاؤں کو کھڑا کر دیا۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر عمل ہے۔

مسئلہ (۴۲) قعدہ میں ہتھیلیوں کو گھٹنے کے متصل ران پر رکھے رہیں اور تشہد پڑھیں۔

(۱) عن عبد اللّٰہ بن عمر "مرفوعا" كان إذا جلس في الصلاة وضع كفه اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ ووضع كفه اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ، الحديث. (صحیح مسلم: ۱/ ۲۱٦، وموطا مالک / ۷۱، مصنف عبد الرزاق: ۲/ ۱۹۵)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر اور دائیں ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھتے۔

(۲) عن عبد الرحمن بن قاسم عن عبد اللّٰہ بن عبد اللّٰہ أنه أخبره أنه يرى عبداللّٰہ بن عمر يتربّع في الصلاة إذا جلس ففعلته وأنا يومئذ حديث السن، فنهاني عبد اللّٰہ بن عمر وقال إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنىٰ وتُثنِيَ اليسرىٰ، فقلت إنّك تفعل ذلك، فقال: إن رجلا ي لاتحملاني. (صحیح بخاری: ۱/ ۱۱۴، وموطا امام مالک / ۷۳)

ترجمہ: عبد الرحمٰن بن قاسم کہتے ہیں مجھے عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر نے بتایا کہ انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز میں التی پلتی مار کر بیٹھے دیکھا تو وہ بھی اسی طرح التی پلتی بیٹھے، عبد اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ:

اس وقت کم سن تھے، تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے منع فرمایا اور کہا کہ نماز کی سنت یہی ہے کہ تم اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا رکھو اور بائیں پیر کو بچھا دو، میں نے عرض کیا کہ آپ تو الٹی پلتی بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں (کمزور ہو گئے ہیں) مجھے اٹھا نہیں پاتے۔

وضاحت:

بعض یہودیوں نے ایک موقع پر انھیں اوپر سے نیچے گرادیا تھا جس کے صدمے سے ان کے پیر کمزور ہو گئے تھے اور سنت کے مطابق بیٹھ نہیں پاتے تھے۔

مسئلہ (۴۳) احادیث میں التحیات مختلف الفاظ میں منقول ہے جن میں سب سے زیادہ مشہور اور بہتر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) عن عبد الله بن مسعود قال: علمني رسول الله ﷺ التشهد كفي بين كفيه كما يعلمني السورة من القرآن، فقال: إذا قعد أحدكم في الصلاة فيقل:

"التحيات لله والصلوٰت والطيبات، السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين، اشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله (صحیح بخاری: ۲/۹۲۶، وصحیح مسلم: ۱/۱۷۴، وسنن ترمذی: ۱/۶۵، وقال الترمذی حدیث ابن مسعود قدروی عنه من غير وجه وهو أصح حديث عن النبى ﷺ في التشهد والعمل عليه عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبى ﷺ ومن بعدهم من التابعين)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس اہتمام سے التحیات سکھایا جس اہتمام سے قرآن سکھاتے

تھے اور مزید اہتمام کی غرض سے مصافحہ کی طرح میرے ہاتھ کو اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان پکڑے ہوئے آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب نماز میں بیٹھے تو پڑھے:

" التحيات لله والصلوٰت والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد أن لا إله إلا الله واشهد أن محمدا عبده ورسوله .

امام ترمذی کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اور تشہد کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے اور اسی تشہد کو علماء میں سے اکثر صحابہ کرام اور تابعین عظام پڑھتے ہیں۔

مسئلہ (۴۴) التحیات پڑھتے وقت جب اشهد ان لا پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں اور چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کر لیں، اور شہادت (یعنی کلمہ) کی انگلی کو اس طرح اٹھائیں کہ قبلہ کی جانب جھکی ہوئی ہو بالکل سیدھی آسمان کی طرف نہ اٹھائیں۔

(۱) عن عبد الله بن الزبير قال: كان رسول الله ﷺ إذا قعد يدعو وضع يده اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ ويده اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ وأشار باصبعه السبابة ووضع إبهامه على اصبعه الوسطىٰ ويلقم كفه اليسرىٰ ركبته. (صحیح مسلم: ۱/۲۱۶)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ جب قعدہ میں تشہد پڑھتے تو اپنے داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے اور

انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھتے اور لقمہ بناتے گھٹنے کو بائیں ہتھیلی کا (یعنی بائیں ہتھیلی کو گھٹنے سے اس قدر قریب رکھتے کہ گھٹنا ہتھیلیوں کے اندر آجاتا)۔

(۲) عن عبد اللّٰہ بن الزبیر أنه ذکر أن النبی ﷺ کان یشیر باصبعه إذا دعا و لایحرکها. (سنن ابوداؤد: ۱/ ۱۴۲، قال النووی اسنادہ صحیح)

ترجمہ: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ جب اللہ کو توحید کے ساتھ پکارتے تو اپنی انگلی مبارک سے اشارہ کرتے اور انگلی کو اٹھاتے وقت ہلاتے نہیں تھے۔

(۳) عن ابن عمر أن رسول اللّٰہ ﷺ کان إذا قعد في التشهد وضع یده الیسریٰ علی رکبته الیسریٰ ووضع یده الیمنیٰ علی رکبته الیمنیٰ وعقد ثلاثا وخمسین وأشار بالسبابة. (صحیح مسلم: ۱/ ۲۱۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھتے تو بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن کا عقد کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔

نوٹ: چھنگلی اور اس کے متصل انگلی نیز بیچ کی انگلی بند کر کے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنانے کو عقد ثلاث وخمسین کہا جاتا ہے۔

(۳) عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ قد حلق الابهام والوسطیٰ ورفع التي تلیها یدعوبها في التشهد. (رواہ الخمسہ الا الترمذی واسنادہ صحیح آثار السنن: ۱/ ۱۲۴)

ترجمہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا کہ انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنائے ہیں اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کر رہے ہیں، تشہد پڑھنے کی حالت میں۔

(٤) عن مالك بن نمير الخزاعي من أهل البصرة أن أباه حدثه

أنه رأى النبي ﷺ قاعدا في الصلاة ذراعه اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ رافعااصبعه السبابة قد احناها شيئا وهو يدعو. (سنن نسائی:۱/۱۸۷)

ترجمہ: مالک بن نمیر خزاعی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں بحالت قعود دیکھا کہ اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے ہوئے ہیں اور شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھائے ہوئے ہیں کہ تھوڑی سی جھکی ہوئی تھی، آپ ﷺ تشہد میں اشارہ کررہے تھے۔ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشارہ کرتے وقت انگلی کو سیدھے آسمان کی جانب نہ اٹھایا جائے)۔

مسئلہ (۴۵) صرف ایک انگلی سے اشارہ کریں۔

(۱) عن سعد قال مررسول الله ﷺ وأنا ادعوباصبعيّ فقال احّد احّد وأشار بالسبابة. (سنن نسائی:۱/۱۸۷)

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گذرے اور میں تشہد میں دوانگلیوں سے اشارہ کررہا تھا تو آپؐ نے فرمایا ایک انگلی سے، ایک انگلی سے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

مسئلہ (۴۶) ثنا، اعوذ باللہ، بسم اللہ کی طرح التحیات بھی آہستہ پڑھیں۔

(۱) عن ابن مسعود قال من السنة ان يخفىٰ التشهد. (سنن ابوداؤد :۱/۱۴۲، وسنن ترمذی:۱/۶۵، وحسنہ ومستدرک حاکم:۱/۲۶۷، وصححہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ التحیات کا آہستہ پڑھنا سنت میں سے ہے۔

مسئلہ (۴۷) فرض، واجب اور سنت مؤکدہ نمازوں کے پہلے قعدہ میں التحیات پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے اٹھ جائیں التحیات پر کچھ اضافہ نہ کریں۔

(۱) عن عبد الله بن مسعود قال علّمني رسول الله ﷺ التشهد في وسط الصلاة وفي آخرها ، قال فكان يقول: إذا جلس في وسط الصلاة وفي آخرها على وركه اليسرىٰ "التحيات لله والصلوٰت والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة اللّٰه وبركاته السلام علينا وعلى عباد اللّٰه الصالحين اشهد أن لا إله إلا اللّٰه واشهد أن محمدا عبده ورسوله" قال ثم ان كان في وسط الصلاة نهض حين يفرغ من تشهده وإن كان في آخرها دعا بعد تشهده بماشاء اللّٰه أن يدعو ثم يسلم . (مسند احمد: ۱/ ۴۵۹، وصحیح ابن خزیمہ: ۱/ ۳۵۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد پڑھنا سکھایا درمیان نماز میں اور آخر نماز میں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب درمیان نماز اور آخر نماز میں اپنے کولھے پر بیٹھتے تو التحيات لله والصلوات والطيبات الخ پڑھتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر آپ درمیان نماز میں ہوتے تو التحیات سے فارغ ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے اور اگر آخر نماز میں ہوتے تو التحیات کے بعد دعا پڑھتے جو دعا بھی اللہ چاہتا کہ آپ پڑھیں اس کے بعد سلام پھیرتے۔

(۲) عن عائشة أن رسول الله ﷺ كان لايزيد في الركعتين على التشهد . (مسند ابو یعلی: ۷/ ۳۳۷)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوسری رکعت میں التحیات پر زیادتی نہیں فرماتے تھے۔

(۳) عن أبي عبيدة عن عبد الله بن مسعود قال: كان النبي

ﷺ في الركعتين كأنه على الرصف،قلت: يقوم، قال: ذلك يريد.

(سنن نسائی:۱/ ۱۳۲، وسنن ترمذی / قال أبو عيسى هذا حديث حسن إلا أن أبا عبيدة لم يسمع من أبيه والعمل هذا عند أهل العلم يختارون أن لايطيل الرجل القعود في الركعتين الأولين ولايزيد على التشهد شيئا في الركعتين الأوليين وقالو: إن زاد على التشهد فعليه سجدتا السهو هكذا روى عن الشعبي وغيره : ۱/ ۸۵)

ترجمہ :ابو عبیدہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوسری رکعت (یعنی قعدۂ اولی) میں اس قدر جلدی کرتے گویا جلتے توے پر بیٹھتے تھے۔ راوی ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے لیے یہ جلدی فرماتے تھے تو ابن مسعود نے فرمایا ہاں یہی ارادہ فرماتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے البتہ (مرسل ہے کیوں کہ) ابو عبیدہ نے اپنے والد سے نہیں سنا ہے (لیکن مؤید بالعمل ہے) اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے یہ حضرات اسی کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی دوسری رکعت میں قعود کو دراز نہ کرے اور اس میں التحیات کے علاوہ کچھ نہ پڑھے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر پہلے قعدہ میں تشہد کے ساتھ کچھ اور پڑھ لے گا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، یہی مسلک امام شعبی وغیرہ سے مروی ہے۔

(٤) عن تميم بن سلمة قال كان أبوبكر إذا جلس في الركعتين كأن على الرصف يعني حتى يقوم. (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/ ۳۲۹)

ترجمہ: تمیم بن سلمہ نے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسری رکعت میں بیٹھتے تو ایسا لگتا گویا جلتے توے پر بیٹھے تھے یعنی قعدۂ اولی سے تیسری رکعت کے لیے جلدی سے کھڑے ہو جاتے تھے۔

مسئلہ (۴۸) تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھیں،

ان دونوں رکعتوں میں قرأت کے احکام اوران کے دلائل مسائل قرأت میں گذر چکے ہیں انھیں دیکھ لیا جائے۔

قعدۂ اخیرہ:

مسئلہ (۴۹) نماز کے آخر میں قعدۂ اولیٰ کی طرح پھر بیٹھیں اور التحیات کے ساتھ درود شریف بھی پڑھیں۔

(۱) عن عبد الرحمن بن أبی لیلیٰ قال لقيني كعب بن عجرة فقال ألا أهدى لك هدية سمعتها من النبیﷺ فقلت بلی فأهدها لي، فقال سألنا رسول اللّٰه ﷺ فقلنا يا رسول اللّٰه كيف الصلوٰة عليكم أهل البيت فإن اللّٰه قد علّمنا كيف نسلّم عليك فقال قولوا.

اللّٰهم صلّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد ،اللّٰهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنّك حميد مجيد . (صحیح بخاری:۱/۴۷۷،و صحیح مسلم:۱/۱۷۵)

ترجمہ: مشہور تابعی امام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کیا تمھیں ایک تحفہ نہ دوں جسے میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے سنا ہے؟ میں نے عرض کیا ضرور وہ تحفہ مجھے عطا فرمائیے تو انھوں نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر درود کس طرح بھیجا جائے،اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھادیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کیسے بھیجا کریں (یعنی التحیات میں سلام بھیجنے کا طریقہ بتادیا ہے کہ ہم السلام علیك أيها النبی ورحمة اللّٰه وبركاته کہا کریں) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ان الفاظ میں درود بھیجو:

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی إبراھیم وعلی آل إبراھیم إنك حمید مجید ،اللّٰھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی إبراھیم وعلی آل إبراھیم إنك حمید مجید.

مسئلہ (۵۰) درود شریف کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کوئی دعا پڑھیں۔

(۱) عن أبی بکر الصدیق أنه قال لرسول اللّٰه ﷺ: علّمنی دعاءً ادعوبه في صلاتي؟ قال: قل اللّٰھم اِنّي ظلمت نفسي ظلماً کثیرا ولایغفر الذنوب إلا أنت فاغفرلي مغفرة من عندك وارحمني إنك أنت الغفور الرحیم .(صحیح بخاری:۱/۱۱۵،و صحیح مسلم:۲/۳۴۷)

ترجمہ: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا کہ حضور مجھے کوئی دعا سکھا دیجئے کہ میں اسے اپنی نماز میں کیا کروں تو آپ نے فرمایا (یہ دعا) کیا کرو:

اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کئے ہیں اور گناہوں کو آپ کے علاوہ کوئی بخشنے والا نہیں ہے بس مجھے اپنی جانب سے مغفرت عطا فرمائے اور مجھ پر رحم کیجئے یقیناً آپ بخشش کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

(۲) عن عائشة أن رسول اللّٰه ﷺ یدعو في الصلاة.

اللّٰھم إني أعوذبك من عذاب القبر وأعوذبك من فتنة المسیح الدجال وأعوذبك من فتنة المحیا وفتنة الممات. اللّٰھم إني أعوذبك من المأثم والمغرم.الحدیث.(صحیح بخاری :۱/۱۱۵، وصحیح مسلم : ۱/۲۱۷، ومؤطا مالك :۱۹۸ بروایة ابن عباس)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعاء کرتے تھے۔

اے اللہ میں آپ کی ذات کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور مسیح دجا ل کے فتنہ سے اور حیات و موت کے فتنہ سے اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں گناہوں اور قرض کے بار سے۔

مسئلہ (۵۱) دعاء سے فارغ ہو کر دائیں بائیں جانب سلام پھیریں، سلام پھیرتے وقت گردن اتنی موڑیں کہ پیچھے بیٹھے آدمی کو آپ کے رخسار نظر آجائیں۔

(۱) عن عامربن سعد عن أبيه قال: كنت أرىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم يسلّم عن يمينه و عن يسا ره حتى أرىٰ بيا ض خدّ ه. (صحیح مسلم ۱/ ۲۱۶)

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا کہ آپ ﷺ دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتا۔

(۲) عن ابن مسعود أن النبي ﷺ كان يسلّم عن يمينه و عن يساره السلام عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله حتى أرى بيا ض خدّه (روا ه الخمسه و صححه التر مذى۔ آثار السنن: ۱/ ۱۲۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرتے تھے یہاں تک کی آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔

نماز کے بعد دعا

مسئلہ (۵۲) نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگیں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ

ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کے سامنے کرتے ہوئے اتنا اٹھائیں کہ وہ سینے کے سامنے آجائیں اور دعا سے فراغت کے بعد انھیں چہرے پر پھیر لیں۔

(١) عن أبی أمامة قال: قیل یا رسول اللّٰه: أي الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات. (سنن ترمذی وقال هذا حدیث حسن:٢/١٨٧)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کونسی دعا بارگاہ خداوندی میں زیادہ سنی جاتی ہے اور قبول کی جاتی ہے آپؐ نے فرمایا وہ دعا جو رات کے آخری حصہ میں کی جائے اور وہ دعا جو فرض نمازوں کے بعد مانگی جائے۔

(٢) عن المغیرة بن شعبة رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه ﷺ کان یدعو في دبر صلاته. (التاریخ الکبیر للبخاری:٣/٢/٨٠)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز کے بعد دعا کرتے تھے۔

وضاحت: حدیث پاک میں لفظ "الدعا" عام ہے جو دعائے حاجت اور دعائے ماثورہ دونوں کو شامل ہے لہذا اسے دعائے ماثورہ کے ساتھ خاص کرنا خلاف اصول ہے، نیز حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے فرض نماز کے بعد دعا کے مستحب ہونے کا ثبوت بے تکلف ثابت ہوتا ہے۔

(٣) عن الفضل بن عباس قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الصلاة مثنیٰ مثنیٰ، تشهد في کل رکعتین وتخشعُ وتضرع وتمسکنُ وتقنع یدیك، یقول، ترفعهما إلی ربك مستقبلاً ببطونهما وجهك وتقول یاربِّ یاربِّ ومن لم یفعل ذلك فهو کذا وکذا. (سنن ترمذی:١/٨٧، ونسائی:١/وابن خزیمہ فی صحیحہ:٢/٢٢٠)

وقال بعد تخريج الحديث "في هذا الخبر"شرح ذكر رفع اليدين ليقول اللّٰهم اللّٰهم ، ورفع اليدين في التشهد قبل التسليم ليس من سنة الصلاة وهذا دالٌ على أنه أمره برفع اليدين والدعاء والمسألة بعد التسليم من المثنى: ۲/ ۲۲۱ ، واخرج ابوداؤد نحوه عن عبد المطلب بن وداعه ، وهوحديث حسن صالح للعمل فقد سكت عنه أبوداؤد، وذكره البغوي في فصل الحسان من مصابيح السنة وصدَّره المنذري ، بعن في الترغيب والترهيب وذلك علامة كون الحديث مقبول عنده ، وصنيع الطحاوي في شرح مشكل الآثار: ۲/ ۲٤/ ۲٦ ، واضح في ان الحديث صحيح عنده ،ثلاث رسائل في استحباب الدعاء: / ۳۲ تعليقا.

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز (نفل) دو دو رکعت ہے، تشہد پڑھو ہر دو رکعت میں اور اظہار خشوع، عجز اور مسکنت کرو، اور اٹھاؤ اپنے ہاتھوں کو یعنی ہتھیلی کے باطنی حصہ کو چہرے کے سامنے اٹھاؤ اور یارب یارب کہو یعنی دعا مانگو اور جو شخص یہ نہ کرے اس کی نماز ایسی ویسی ہے یعنی ناقص ہے۔

"امام ابن خزیمہ اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں رفع یدین کے ذکر کی تشریح ہے کہ ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ سے دعا وسوال کرے گا اور سلام سے پہلے بحالت تشہد رفع الیدین نماز کی سنت سے نہیں ہے، نیز یہ حدیث بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ نے نمازی کو حکم دیا ہے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر سلام کے بعد ہاتھوں کو اٹھائے اور اللہ سے دعا اور سوال کرے"۔

(٤) عن أم سلمة أن النبي ﷺ كان يقول: إذا صلى الصبح حين يسلم اللّٰهم إني اسئلك علما نافعاورزقاواسعا وعملا متقبلا.

(مسند احمد: ۳۰۵/۶، وابن ماجہ، وقال الشوکانی رجاله ثقات لولا الجهالة مولی ام سلمة، نیل الاوطار: ۳۴۵/۲ (وهی لاتضر عندنا)

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز فجر کا سلام پھیرتے تو دعا کرتے اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں علم نافع، رزق واسع اور عمل مقبول کا۔

(۵) عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ رفع یده بعد ماسلم وهو مستقبل القبلة فقال: اللّٰهم خلّص الولید بن الولید وعیّاش بن ربیعة وسلمة بن هشام وضعفة المسلمین الذ ین لایستطیعون حیلة ولایهتدون سبیلا من أیدي الکفار (ذکره الحافظ ابن کثیر في تفسیره: ۸۲۳/۱، سورة النساء الآیة: ۱۰۰ وسنده کا لشمس الامن جهة علی بن زیدبن جُدعان وهو یحتمل في الشواهد وابواب الفضائل من غیر تر دد.

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ رہتے ہوئے اپنے دستِ مبارک کو اٹھایا اور دعاء کی کہ اے اللہ ولید بن ولید، عیاش بن ربیعہ، سلمہ بن ہشام اور کمزور مسلمانوں کو جو کسی تدبیر کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ راستے سے واقف ہیں کفار کے ہاتھوں نجات اور خلاصی دے دیجئے۔

(٦) عن محمد بن أبی یحییٰ قال: رأیت عبد اللّٰه بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیه یدعو قبل أن یفرغ من صلاته، فلما فرغ منها قال له إن رسول اللّٰه ﷺ لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلاته.

رواه الطبرانی قال الهیثمي رجاله ثقات، مجمع الزوائد: ۱۶۹/۱۰)

ترجمہ: محمد بن ابی یحیی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انھوں نے ایک شخص کو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھوں کو دعاء

کے لیے اٹھائے دیکھا تو جب نماز پڑھ چکے تو اس شخص سے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

ان احادیث مبارکہ کے عموم سے ظاہر ہے کہ نوافل و فرائض کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرنا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔

(۷)عن سلمان قال: قال رسول الله ﷺ: ما رفع قوم أكفهم إلى الله تعالى يسألونه شيئا إلا كان حقا على الله أن يضع في أيديهم الذي سألوا." أخرج الطبراني في الكبير قال الهيثمي رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد:۱۰/۱۶۹)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس قوم نے بھی اپنی ہتھیلیوں کو اللہ کی جانب اٹھایا کسی چیز کو مانگتے ہوئے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ان کی مانگی ہوئی چیز رکھ دیں گے۔

(۸) عن حبيب بن مسلمة الفهرى قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايجتمع قوم مسلمون يدعوبعضهم ويؤمّن بعضهم إلا استجاب الله دعاء هم. (اخرجه الحاكم وقال صحيح على شرط مسلم و رواه الطبراني في المعجم الكبير :۴/۲۶، قال الهيثمي رجاله رجال الصحيح غير ابن لهيعة : ۱۰/ ۱۷۰، وابن لهيعة حسن الحديث والراوي عنه في هذا الحديث هو عبد الله بن يزيد المقرى وهو أحد العبادلة الذين تعدروايتهم عن ابن لهيعة أعدل وأقوىٰ.

ترجمہ: حضرت حبیب بن مسلمۃ فہری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قوم مسلم جب جمع ہوتی ہے اور ان میں سے بعض دعا کرتے اور بعض آمین کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کر لیتے ہیں۔

وضاحت: ان دونوں حدیث پاک سے اجتماعی دعااور اس کی قبولیت کا ثبوت ہوتا ہے پھر یہ اجتماع عام ہے کہ نماز کے وقت میں ہو یا کسی اور وقت میں حدیث میں اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

(۹) عن أبی بکرة "مرفوعاً" سلوا اللّٰہ ببطون أکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا. (رواہ الطبرانی قال الھیثمی فی جمع الزوائد :۱/۱۶۹، رجالہ رجال الصحیح غیر عمار بن خالد الواسطی وھو ثقة)

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے ہتھیلیوں کے اندرونی حصے سے اللہ سے مانگا کرو باہری حصے سے نہیں۔

(۱۰) عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: إذا دعوت الله فادع بباطن کفیك ولاتدع بظهورها فإذا فرغت فامسح بهما وجهه . (سنن ابن ماجه باب رفع اليدين في الدعا :/ ۲۷۵ ، قال السيوطي في فض الوعاء :/۷٤، قال شیخ الاسلام، أبو الفضل بن حجر فی أمالیه: هذا حدیث حسن" (وذلك نظرا إلی شواهده)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ سے دعا کرو تو باطن ہتھیلی سے دعا کرو ہتھیلی کے ظاہر سے دعا نہ کیا کرو اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیا کرو۔

(۱۱) عن مالك بن يسار السكوني ثم العوفي أن رسول الله ﷺ قال: إذاسألتم الله فاسئلوه ببطون أكفكم ولاتسئلوه بظورها.

سنن ابو داؤد فی کتاب الصلاة :/۲۰۹ واسناده جید)

ترجمہ: حضرت مالک بن یسار عوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اندرونی ہتھیلیوں سے دعا مانگا کرو ہتھیلیوں کے باہری حصہ سے نہ مانگا کرو

(۱۲) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ ﷺ إذا رفع یدیه في الدعاء لم یحطهما حتى یمسح وجهه (سنن ترمذی کتاب الدعوات: ۱۷٦/۲، قال الترمذي: هذاحدیث صحیح غریب وفی نسخة غریب بدون لفظ صحیح وقال الحافظ ابن حجر في بلوغ المرام أخرجه الترمذي وله شواهد منها حدیث ابن عباس عند أبی داؤد ومجموعها یقتضی أنه حدیث حسن ، وأقرّ الحافظ علي ذکر ذلك الأمیر الصنعاني في سبل السلام: ۳۳۲/٤ –طبع دارالمعرفت بیروت ، واستدل بالحدیث علی مشروعیة مسح الوجه بالیدین بعد الفراغ من الدعاء، وأقرّه ایضاً المحدث عبد الرحمن المبارکفوري في تحفة الأحوذی :۳۲۹/۹)

(۱۳)عن السائب بن یزید عن أبیه أن النبی ﷺ کان إذا دعا فرفع یدیه ومسح وجهه بیدیه.(سنن ابوداؤد: ۲۰۹/۱ ،وفیه ابن لهیعة روی عنه قتیبة بن سعید وروایة قتیه عنه صحیح وشیخ ابن لهیعة في هذا الحدیث، حفص بن هاشم وهو مجهول لکن رجح ابن حجر فی تهذیب التهذیب :۲/۲۰، ٤ان شیخ ابن لهیعة في هذا الحدیث هو حبان بن واسع دون حفص بن هاشم وحبان بن واسع ذکره ابن حبان فی الثقات)

ترجمہ: سائب کے والد حضرت یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھوں کو اٹھاتے تو (ختم دعا پر) ہاتھوں کو چہرۂ مبارک پر پھیرتے تھے۔

(١٤) عن أبی نعیم قال رأیت ابن عمر وابن الزبیر یدعوان ویدیران بالراحتین علی الوجه.(الادب المفرد للامام بخاری: ۲/٦۸)

ترجمہ: ابو نعیم وھب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو دعا کرتے ہوئے دیکھا (کہ ختم دعا پر) دونوں حضرات اپنی ہتھیلیوں کو چہرے پر پھیرتے تھے۔

(۱۵) عن ابن شهاب الزهري قال كان رسول الله ﷺ يرفع يديه عند صدره في الدعاء ثم يمسح بهماوجهه.(مصنف عبد الرزاق ۲٤۷/۲:،واسناده صحيح، وهذا الحديث وإن كان مرسلاً فالمرسل حجة عند كثير من المحدثين والفقهاء لاسيما اذا اعتضد من المرفوع .

ترجمہ :امام زہری رحمۃ اللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ دعا میں ہاتھوں کو اپنے سینے تک اٹھاتے تھے پھر (ختم دعا پر) ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیتے تھے۔

ضروری تنبیہ:

مسئلہ (۵۲) میں مذکور کیفیت کے ساتھ فرض وغیرہ نمازوں کے بعد دعا مانگنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے ان مذکورہ احادیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہے لہٰذا اسے بدعت سمجھنا یا کہنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے؛ البتہ نماز کے بعد اس طرح دعا مانگنا ایک امر مستحب ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے تو اس پر انکار وملامت مناسب نہیں۔

مسئلہ (۵۳) نماز کے بعد ذکر اللہ بھی مستحب ہے اور رسول پاک ﷺ نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

(۱) عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ قال من سبح الله في دبر كل صلاة ثلاثا وثلاثين وحمد الله ،ثلاثا وثلاثين ، وكبر الله ثلاثا وثلاثين، فتلك تسعة وتسعون وقال تمام المائة لا إله إلا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهوعلى كل شيء قدير غفرت خطايا ہ وان كانت مثل زبدالبحر .(صحیح مسلم:۱/۲۱۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کہے ہر نماز کے بعد ۳۳ بار

سبحا ن اللّٰہ ، ۳۳بار الحمد اللّٰہ ، ۳۳بار اللّٰہ اکبر ، پس یہ ۹۹ ہوئیں اور آپؐ نے فرمایا کہ ۱۰۰ کی تعداد پوری کرنے کے لیے کہے " لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك لہ لہ الملك والحمد وھو علی کل شیٔ قدیر " تو اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(۲) عن کعب بن عجرہ قال: قال رسو ل اللّٰہ ﷺ: معقبات لایخیب قائلھن أو فاعلھن دبر صلاۃ مکتوبۃ ثلاث وثلاثین تسبیحۃ ، وثلاث ثلاثین تحمیدۃ ، وأربع وثلاثین تکبیرۃ.(صحیح مسلم:۱/۲۱۹)

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا فرض نمازوں کے بعد کے یہ اذکار ہیں جن کا کرنے والا نامراد نہیں ہو گا، ۳۳بار سبحان اللّٰہ ۳۳بار الحمد للہ اور ۳۴بار اللّٰہ اکبر۔

(۳) عن الحسن بن علي قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ من قرأ آیۃ الکرسي فی دبر الصلاۃ المکتوبۃ کان في ذمۃ اللّٰہ إلی الصلوۃ الأخریٰ (رواہ الطبراني في الکبیر قال الھیثمي فی مجمع الزوائد: ۱۰/ اسنادہ حسن آثار السنن :۱/۱۲۵)

ترجمہ: فرزند علی ونواسۂ رسول حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص فرض نمازوں کے بعد آیت الکرسی پڑھے وہ دوسری نماز تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔

تنبیہ: احادیث میں فرض نمازوں کے بعد بہت سے اذکار مروی ہیں اس موقع پر بغرض اختصار انھیں پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

ضروری وضاحت

اگلی سطور میں نماز کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ مردوں کے لیے ہے

عورتوں کی نماز بعض باتوں میں مردوں سے مختلف ہے لہٰذا خواتین نماز ادا کرتے وقت درج ذیل مسائل کا خیال رکھیں۔

مسئلہ(۵۴)خواتین کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اکیلے گھر میں نماز ادا کریں۔

(۱) عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجر تها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن ابوداؤد:۱/ ۸۴، ومستدرك الحاكم وقال صحيح على شرط الشيخين واقرّه الذهبی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا عورت کی نماز اپنے گھر میں گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز گھر کی چھوٹی کوٹھری میں گھر کی نماز سے بہتر ہے (مطلب یہ ہے کہ عورت جس قدر پوشیدہ ہو کر نماز ادا کرے گی اسی قدر زیادہ ثواب کی مستحق ہو گی)۔

(۲) عن أم سلمة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: صلاة المرأة في بيتها خيرٌ من صلاتها في حجرتها وصلاتها في دارها خيرمن صلاتها في مسجد قومها. (رواه الطبراني في الأوسط بإسناد جيد الترغيب والترهيب:۱/ ۲۴۶)

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی نماز اپنی کوٹھری میں بہتر ہے گھر کے بڑے کمرے کی نماز سے اور اس کی نماز اپنے گھر کے بڑے کمرے میں بہتر ہے گھر کے صحن کی نماز سے اور اس کی نماز گھر کے صحن میں بہتر ہے محلے کی مسجد کی نماز سے۔

(۳) عن أم حميد امرأة أبی حميد الساعدي أنها جاءت النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله! إنی أحب الصلاة معك قال قد علمت

أنك تحبين الصلاة معي ، وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك، خيرمن صلاتك في دارك، و صلاتك في دارك خيرمن صلاتك في مسجد قومك ، وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي، قال فامرت فبنى لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه فكانت تصلى فيه حتى لقيت الله عزوجلّ.(رواه احمد ورجاله رجال الصحيح غيرعبد الله بن سويد الأنصاری ووثقه ابن حبان،مجمع الزوائد :٢/٣٣-٣٤)

ترجمہ حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کروں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تو میرے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہشمند ہے، حالانکہ تیری کوٹھری کی نماز تیرے بڑے کمرے کی نماز سے بہتر ہے اور بڑے کمرے کی تیری نماز گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور تیری نماز گھر کے صحن میں محلّہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور تیری نماز محلّہ کی مسجد میں میری مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔

حضرت ام حمید سے روایت کرنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی منشاء سمجھ کر انھوں نے اپنے گھر والوں کو گھر کے اندر مسجد بنانے کا حکم دیا چنانچہ گھر کے آخری حصہ میں ایک تیرہ و تار کوٹھری میں مسجد بنادی گئی اور وہ اسی میں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیلات کے لیے ہماری کتاب ”خواتین اسلام کی بہترین مسجد کا مطالعہ کریں۔

مسئلہ (۵۵) خواتین چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ جسم کے

سارے عضو کو ڈھانک کر نماز ادا کریں۔

(١) عن عبد الله عن النبي ﷺ قال المرأة عورة. (سنن ترمذی:۱/۱۸۹)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: عورت سراپا پردہ ہے۔

(٢) عن عائشة أن النبي ﷺ قال: لا تُقبل صلاة حائض إلا بخمار. (سنن ترمذی:۱/۸۶و سنن ابوداود:۱/۹۴)

ترجمہ: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی قبول نہیں کرتے بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے۔ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے سر کے بالوں کا چھپانا بھی ضروری ہے۔

(٣) عن عائشة أنها سئلت عن الخمار ؟ فقالت: إنما الخمار ماوارىَ البشرة والشعر. (السنن الکبری:۲/۲۳۵)

ترجمہ: حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے اوڑھنی کے بارے میں پوچھا گیا؟ تو انھوں نے فرمایا اوڑھنی تو وہی ہے جو جسم کی کھال اور سر کے بال کو چھپالے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ جس اوڑھنی سے کھال اور بال نظر آئیں وہ اوڑھنی ہے ہی نہیں)

(٤) عن الحسن قال: إذا بلغت المرأة الحيض ولم تغطّ أذنها ورأسها لم تقبل لها صلاة. (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۱۳۰)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت جب بالغ ہو جاتی ہے اور نماز میں اپنے کانوں اور سر کو نہیں چھپاتی تو اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔

(٥) عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: "ولا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ

اِلاَّ مَاظَهَرَ مِنْهَا" قال مافي الكف و الوجه .(السنن الکبری:۲/۲۲۵)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اور عورتیں نمایاں نہ کریں اپنی زینت کو مگر وہ جو ان کے بدن سے ظاہر ہے" سے مراد وہ زینت ہے جو ہاتھ اور چہرہ کی ہے کیوں کہ یہ دونوں ستر میں داخل نہیں ہیں۔

مسئلہ:(۵٦) خواتین تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کندھوں تک اٹھائیں اسی میں ان کے لیے زیادہ پردہ پوشی ہے۔

(۱)عن وائل بن حجر قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا وائل بن حجر! إذا صليت فاجعل يديك حذاء أذنيك والمرأة تجعل يديها حذا ثدييها.(معجم طبرانی کبیر:۲۲/۱۸)

ترجمہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر کرے۔

(۲) عن عبد ربه بن سليمان بن عمير قال: رأيت أم الدرداء ترفع يديها فى الصلاة حذو منكبيها.(جزء رفع اليدين للبخاري: /۷ ، و مصنف ابن ابی شيبة : ۱/۲۳۹)

ترجمہ:عبدربہ بن سلیمان سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ نماز میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں۔

(۳) عن ابن جريج قال قلت لعطاء تشير المرأة بيديها بالتكبير كالرجل؟ قال لاترفع بذالك يديها كالرجل ، وأشار فخفض يديه جدا وجمعهما إليه جدا،وقال للمرأة هيئة ليست للرجل وإن تركت ذلك فلا حرج .(مصنف ابن ابی شیبۃ:۱/۲۳۹)

ترجمہ:ابن جریج کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عطاء سے دریافت کیا کہ

عورت تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کی طرح ہاتھ اٹھائیگی (یعنی کانوں کے قریب تک) توانھوں نے فرمایا عورت اپنے ہاتھوں کو مرد کی طرح نہ اٹھائے، (پھر عملی تعلیم کی غرض سے) رفع یدین کیااور ہاتھوں کو نہایت پست اور اپنی جانب سمیٹے رکھااور فرمایا کہ (نماز میں) عورت کی خاص ہیئت ہے جو مرد کی نہیں اور اگر وہ اس ہیئت کو اختیار نہ کرے تو کوئی حرج نہیں (یعنی عورت کے لیے یہ ہیئت اولیٰ اور بہتر ہے لازم وضروری نہیں)۔

مسئلہ (۵۷) خواتین ہاتھ سینے پر باندھیں مردوں کی طرح ناف سے نیچے نہیں۔

(۱) مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھتے ہیں۔

أما في حق النساء فاتفقوا على أن السنة لهن وضع اليدين على الصدر. (السعایۃ:۲/۱۵۶)

ترجمہ: رہا عورتوں کے حق میں تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے لیے سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

مسئلہ (۵۸) خواتین سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے اور بازو کو پہلوؤں سے ملا رکھیں۔

(۱) عن ابن عمر مرفوعا، إذاجلست المراة في الصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرىٰ فإذا سجدت الصقت بطنها فى فخذيها كاستر مايكون لها وإن الله ينظر إليها ويقول: يا ملائكتي! أشهدكم أني قد غفرت لها. (كنز العمال: ۵/۵۴۹، والسنن الكبرى: ۲/۲۲۳، وهو حديث ضعيف كما قال البيهقي)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران کو

دوسری ران پر رکھے (یعنی پیروں کو بائیں جانب نکال کر بچھادے اس طرح دونوں رانیں باہم مل جائیں گی) اور جب سجدہ کرے تو پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اس طرح کہ اس کے لیے خوب پردہ پوشی ہو جائے تو اللہ تعالی اس کی جانب رحمت کی نظر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں اے میرے فرشتو گواہ رہو کہ میں نے اسے بخش دیا۔

(۲)عن يزيد بن أبی حبيب أنه صلى الله عليه وسلم مرعلى امرأتين تصليان، فقال: إذا سجدتما فضّما بعض اللحم إلى الأرض فإن المرأة ذلك ليست كالرجل. (مراسيل ابوداؤد/۸، والسنن الكبرى: ۲۲۳/۲، فيه انقطاع وضعف)

ترجمہ: یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گذرے دو عورتوں کے پاس سے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے ارشاد فرمایا تم جب سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصہ کو زمین سے ملالیا کرو کیوں کہ عورت (کی حالت سجدہ میں) مرد کی طرح نہیں ہے۔

(۳) عن أبی إسحاق عن الحارث عن علی رضی اللہ عنه وأرضاه قال إذا سجدت المرأة فلتحتفز وتضم فخذيها. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۳۰۲ طبع کراچی)

حارث سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورت جب سجدہ کرے تو اچھی طرح سمٹ جائے اور اپنی رانوں کو ملالے۔

(٤) عن ابن عباس أنه سئل عن صلاة المرأة فقال: تجتمع وتحتفز. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ سمٹ سمٹا کر نماز پڑھے۔

(٥) عن ابراهيم قال إذا سجدت المرأة فلتزق بطنها بفخذيها ولا ترفع عجزتها ولا تجافي كما يجافي الرجل. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۳۰۳)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اور سرین کو اوپر نہ اٹھائے اور اعضاء کو مردوں کی طرح دور نہ کرے (بلکہ سب کو آپس میں ملائے رکھے)۔

(٦) عن مجاهد أنه كان يكره أن يضع الرجل بطنه على فخذيه إذا سجد كما تضع المرأة." (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۳۰۲)

ترجمہ: حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ مرد جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا دے جس طرح عورتیں چپکا دیتی ہیں۔

(٧) قال ابراهيم النخعي كانت المرأة تومر إذا سجدت أن تلزق بطنها بفخذيها كيلا ترتفع عجز تها ولا تجافي كما يجافي الرجل." (السنن الكبرى: ۲/ ۲۲۲)

ترجمہ: ابراہیم نخعی نے کہا کہ عورت کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ جب سجدہ کریں تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکالیں تاکہ ان کی سرین اوپر نہ اٹھے اور عورت اپنے اعضاء کو مرد کی طرح ایک دوسرے سے الگ نہ رکھے (بلکہ انھیں ایک دوسرے سے ملا رکھے)

امام بیہقیؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

اجماع مايفارق المرأ ة فيه للرجل من أحكام الصلاة راجع إلى الستر وهو إنما مأمورة بكل ما كان استرلها: ۲/ ۲۲۲)

یعنی اس سلسلے میں جامع بات ستر اور پردہ پوشی کی جانب راجع ہے چوں کہ عورت ہر اس طریقہ کی منجانب شرع مامور ہے جس میں پردہ پوشی زیادہ

ہو، لہٰذا نماز کے جس طریقہ میں پردہ پوشی زیادہ ہوگی وہ عورت کے لیے مستحسن ہوگا، اور اس میں وہ مردوں کے طریقہ کے تابع نہیں ہوگی۔

مسئلہ (۵۹) خواتین دونوں سجدوں کے درمیان اور التحیات پڑھنے کے لیے جب بیٹھیں تو بائیں کولھے پر زمین سے چپک کر بیٹھیں اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دیں۔

(۱) عن ابن عمر أنه سئل كيف كان النساء يصلين على عهد رسول الله ﷺ ؟ قال كن يتربعن ثم أمرن أن يحتفزن يعني يستوين جالسات على أو راكهن. (جامع المسانيد : ۱/ ۴۰۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں کس طرح نماز پڑھتی تھیں؟ تو انھوں نے فرمایا چہار زانو بیٹھ کر پھر انھیں حکم ہوا کہ خوب سمٹ سمٹا کر بیٹھیں، یعنی اپنے (بائیں) کولھے پر جم کر بیٹھیں۔

مسئلہ (۶۰) خواتین اگر اپنی علاحدہ جماعت قائم کریں تو ان کی امام صف میں کھڑی ہو کر نماز پڑھائے مردوں کے امام کی طرح صف سے آگے نہ کھڑی ہو۔

(۱) عن ريطه الحنفية أن عائشة أمتهن وقامت بينهن في صلاة مكتوبة. (رواہ عبدالرزاق اسنادہ صحیح آثار السنن: ۱/۱۳۱)

ترجمہ: ریطہ حنفیہ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی فرض نماز میں امامت کرائی اور ان کے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔

(۲) وعن حجيرة بنت حصين قالت أمتنا أم سلمة في صلاة العصر فقامت بينها. (رواہ عبدالرزاق واسنادہ صحیح آثار السنن: ۱/۱۳۱)

ترجمہ: حجیرہ بنت حصین کہتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے

عورتوں کی نماز عصر کی امامت کی تو ان کے بیچ میں کھڑی ہوئیں۔

(۳) عن صفوان قال: إن من السنة أن تصلي المرأة بالنساء تقوم وسطهن. کتاب الأم: ۱/ ۱٦٤)

ترجمہ: حضرت صفوان کہتے ہیں کہ یہ بات سنت سے ہے کہ اگر عورت، خواتین کو نماز پڑھائے تو ان کے بیچ میں کھڑی ہو۔

مسئلہ(٦١) اپنے امام کو سہو پر متنبہ کرنے کے لیے خواتین آواز سے تسبیح نہ پڑھیں بلکہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت پر تھپ تھپادیں۔

(۱) عن أبی هريرة عن النبي ﷺ قال: التسبيح للرجل والتصفيق للنساء. (وزاد مسلم وآخرون، في الصلوة صحيح بخاری: ۱/ ۱٦۰، وصحيح مسلم: ۱/ ۱۰۰، وسنن ترمذی: ۱/ ۸۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز میں (سہو کے موقع پر) تسبیح مردوں کے لیے اور تصفیق عورتوں کے لیے ہے۔

يقول العبد الضعيف حبيب الرحمن الأعظمي غفر الله له ولوالديه ولأساتذتة وجميع المسلمين. فرغت من تأليف هذه الرسالة ۲۷/من رمضان المبارك سنة ۱٤۲۱ھ ولله الحمد والمنة وبه التوفيق والعصمة.

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه وأتباعه أجمعين إلى يوم الدين.

مقالہ نمبر ۱۷

عورتوں کا طریقۂ نماز

از

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عورتوں کا طریقۂ نماز

(امتیازات)

اسلامی نظام حیات میں عورتوں اور مردوں کی صنفی خصوصیات اوران کے تقاضوں کے لحاظ سے دونوں کے حقوق وفرائض اور مسائل واحکام میں نمایاں طور پر فرق وامتیاز کی رعایت کی گئی۔ یہ فرق صرف طرز معاشرت امور خانہ داری تربیت اولاد اور گھریلو ذمہ داریوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھرپور رعایت کی گئی ہے ۔حتی کہ اسلامی نظام حیات کے بنیادی شعبہ عبادات میں بھی عورتوں کی صنفی خصوصیات کے پیش نظران کے لئے مردوں سے الگ احکام ہیں۔ بالخصوص دواہم فرائض حج اور نماز میں یہ امتیاز بہت ہی نمایاں اور ہر قدم پر محسوس ہونے والا ہے۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس سے کوئی با شعور مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ ہمارا اصل موضوع گفتگو عورتوں کا طریقۂ نماز اور بالخصوص سجدہ کا طریقہ ہے۔لیکن اس گفتگو سے پہلے بعض ایسے امتیازات کی طرف اشارہ کردینا مفید ہوگا جن سے شریعت کے اس مزاج کا اندازہ ہو سکے کہ وہ عورتوں کے لئے اپنے ہر حکم میں تستر اور پوشیدگی کو پسند کرتی ہےاور عورتوں کے جسمانی خدوخال کی نمائش کو پسند نہیں کرتی۔ اس سلسلہ میں نماز سے متعلق مردوں اور عورتوں کے درمیان چند مسلّم اور غیر متنازع فیہ امتیازات پر نظر ڈال لی جائے۔

۱- مردوں کے لئے نماز باجماعت میں حاضری اس قدر تاکیدی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے مکانوں میں آگ لگادینے کا ارادہ ظاہر فرمایا جو اذان سننے کے باوجود جماعت میں حاضر نہیں ہوتے۔(۱)

(۱) بخاری جلد ا ص ۸۹

دوسری طرف بعض مصالح کی وجہ سے مسجد نبوی میں حاضری کی اجازت کے باوجود حضرت نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عورتوں کی یہ حاضری مردوں کی اجازت پر موقوف رکھی گئی تھی۔ (۱)

۲- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب عورتیں جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو نماز ختم ہونے کے بعد عورتیں جلدی سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں۔ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ اپنی جگہ بیٹھے رہتے تھے۔ جب عورتیں چلی جاتیں اس کے بعد حضور ﷺ اٹھتے پھر صحابہ کرامؓ اٹھتے۔ (۲)

۳- مردوں کے لئے نماز باجماعت کی فضیلت تنہا نماز کے مقابلہ میں ۲۷ گنا یا ۲۵ گنا ہے۔ (۳)

اور عورتوں کے لئے اپنے مکان کے اندرونی کوٹھری میں چھپ کر تنہا نماز ادا کرنا مسجد نبوی میں امام الانبیاء ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے مقابلہ میں کئی درجہ افضل ہے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ کی اہلیہ حضرت ام حمید رضی اللہ تعالی عنہا حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ساتھ ساتھ نماز ادا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو لیکن تمہارا اپنے گھر کے کمرے میں نماز ادا کرنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اپنے صحن میں نماز پڑھنا گھر کے احاطہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور تمہارا اپنے احاطہ میں نماز ادا کرنا اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ عبد اللہ بن سوید انصاری کہتے ہیں کہ ام حمیدؓ نے اپنے کمرے کے اندرونی حصہ میں نماز کے لئے ایک جگہ بنالی اور اسی جگہ نماز پڑھا کرتی تھیں یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا رواہ احمد باسناد حسن۔ (۴)

اس کے علاوہ متعدد احکام میں یہ فرق نمایاں ہے۔ مثلاً مرد کے لئے سب سے

---

(۱) بخاری جلد ۱ ص ۱۱۹ ترمذی ج ۱ ص ۷۱۔ (۲) بخاری ج ۱ ص ۱۲۰ (۳) بخاری ج ۱ ص ۸۹ (۴) آثار السنن ۶۲۔

افضل صف اول اور عورتوں کیلئے سب سے افضل سب سے پچھلی صف تھی۔ایک امام اور ایک مقتدی ہو تو مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔لیکن مقتدی اگر تنہا عورت ہو تو وہ مرد کے پیچھے ہی کھڑی ہوگی خواہ محرم ہی کیوں نہ ہو۔مرد کو نماز میں لقمہ یا تنبیہ کی ضرورت پیش آئے تو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے گا لیکن عورت زبان سے کچھ نہ کہے گی صرف دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت سے بائیں ہتھیلی پر تالی بجادے گی۔مرد اگر ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ چھپا کر نماز ادا کرلے تو بکراہت نماز ادا ہو جائے گی لیکن عورت کا سر بھی کھلا رہ گیا تو نماز نہ ہوگی۔

عورتوں اور مردوں کے احکام میں یہ امتیازات کتب احادیث سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کے لئے محتاج ثبوت نہیں ہیں۔عورتوں اور مردوں کے طریقۂ نماز میں جو امتیاز ہے وہ عین تقاضائے شریعت کے مطابق ہے۔اور اس کی نظیر ہر قدم پر ملے گی۔

اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عورتوں کو اس طرح سے نماز ادا کرنے کا حکم ہے جس میں ان کا پورا جسم پوری طرح چھپا رہے۔بدن سمٹا رہے بدن کے خدوخال نمایاں نہ ہوں۔

جن میں چند باتیں خاص طور پر ملحوظ ہیں۔تحریمہ کے وقت عورت کان یا مونڈھے کے بجائے صرف سینے تک ہاتھ اٹھائے گی اور ہاتھ سینے پر باندھے گی۔رکوع میں پورے طور پر جھکنے کے بجائے صرف اتنا جھکے گی جس میں ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائے اور بدن کو سمیٹے رکھے گی۔سجدہ اس طرح ادا کرے گی کہ پورے بدن کو سمیٹ کر زمین سے چپک جائیگی نہ تو بازو کو پھیلائیگی۔نہ پنڈلیوں کو رانوں سے الگ کرے گی، نہ پیٹ اور ران کے درمیان فاصلہ رکھے گی۔جلسہ کی حالت میں اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف نکال لے گی۔

پھر ان مسائل میں بھی سب سے اہم مسئلہ عورت کے سجدہ کا مسئلہ ہے۔اس لئے ہماری گفتگو کا اصل محور یہی رہے گا۔

جہاں تک تحریمہ کے وقت رفع یدین کی مقدار کا تعلق ہے۔اس سلسلہ میں ہمارے سامنے مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

و للطبرانی من حدیث وائل بن حجر قال لی رسو ل اللہ ﷺ اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك و المر أ ۃ تجعل یدیها حذاء ثدیها۔ (۱)

یعنی طبرانی نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھنے لگو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھالو اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک اٹھائے گی۔

عورتوں کے لئے ہاتھ سینے پر باندھنا اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس میں عورتوں کے لئے ستر زیادہ ہے اصل مسئلہ ہے سجدے کا طریقہ اور جلسہ اور قعدہ میں سدل یعنی دونوں پیروں کو دائیں طرف نکال کر بیٹھنا۔

اس بارے میں جب ہم نے مختلف مسالک فقہ کی کتابوں کا جائزہ لیا تو حیرت انگیز اتفاق رائے سامنے آیا۔ اور یہ بات واضح ہوگئی کہ نہ صرف یہ کہ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کے متبعین احناف و شوافع مالکیہ اور حنابلہ اس مسئلہ میں متفق ہیں بلکہ سر برآوردہ علماء اہلحدیث بھی اس مسئلہ میں سواد اعظم کے ساتھ ہیں۔ اور سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورت اپنی نماز میں مردوں سے متعدد امور میں مختلف ہے۔ بالخصوص عورت کا سجدہ مردوں کے مقابلہ میں انتہائی سمٹ سمٹا کر اور زمین سے چپک کر ادا ہوگا۔

ذیل میں ہم ہر مسلک کی مستند کتابوں سے حوالے مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ :- فقہ حنفی کی مشہور اور مستند کتاب ہدایہ میں ہے!

و المرأۃ تنخفض فی سجودها و تلزق بطنها بفخذیها لان ذلك استر لها (۲)

عورت اپنے سجدہ میں پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چپکائے رہے گی۔ کیونکہ اس کے حق میں یہی زیادہ چھپانے والا ہے۔

امام شافعیؒ :- امام محمد بن ادریس الشافعیؒ کی تصنیف جوان کے تلمیذ رشید امام مزنیؒ کی روایت سے منقول ہے اور فقہ شافعی کے مستند ترین مآخذ میں شمار کی جاتی ہے

(۱) تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک للسیوطی ج ۱ ص ۹۸۔ (۲) ہدایہ ج ۱ ص ۱۱۰۔

اس میں عورتوں کے طریقۂ نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(قال الشافعیؒ)و قد ادّب اللّٰہ تعالی النساء با لا ستتار و اد بھن بذلک رسو ل اللّٰہ ﷺو احب للمر أۃ فی السجود ان تضم بعضھا الی بعض وتلصق بطنھا بفخذھا و تسجد کا ستر ما یکو ن لھا و ھکذا احب لھا فی الر کو ع والجلو س و جمیع الصلو ۃ ان تکو ن کاستر مایکون لھا و احب ان تکفت جلبابھا و تجافیہ راکعۃ و ساجدۃ علیھا لئلا تصفھا ثیابھا ۔(۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے عورتوں کو چھپ کر رہنے کا ادب سکھلایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں کو یہی ادب سکھلایا ہے اور میں عورتوں کے لئے حالت سجدہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے بدن کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملالے اور اپنے پیٹ کوران سے چپکالے اور اس طرح سجدہ کرے جو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ چھپانے والا ہو۔اسی طرح عورت کے لئے رکوع جلسہ اور پوری نماز میں یہی پسند کرتا ہوں کہ عورت اس ہیئت پر رہے جو اس کے لئے سب سے زیادہ ساتر ہو۔اور میں پسند کرتا ہوں کہ رکوع سجدہ میں اپنی چادر کو کشادہ رکھے تاکہ کپڑوں سے اس کے بدن کے خدوخال نمایاں نہ ہوں۔اھ

ملاحظہ فرمایئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کس وضاحت اور صراحت کے ساتھ عورت کو رکوع سجدہ قعدہ اور پوری نماز میں زیادہ سے زیادہ سمٹ کر اور بدن کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملا کر رہنے کی ہدایت فرمارہے ہیں۔بالخصوص سجدہ میں اس طرح ادا کرنیکا حکم دیتے ہیں کہ عورت اپنے پیٹ کورانوں سے چپکالے بدن کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملالے اور اس طرح سجدہ کرے جو اس کیلئے سب زیادہ ساتر ہو۔

امام مالکؒ :۔امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ جن کے مسلک کی بنیاد اکثر اہل مدینہ کے تعامل پر ہوتی ہے۔ان کا مسلک فقہ مالکی کی معروف اور مستند کتاب" الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذھب الامام مالک " کی عبارت سے ملاحظہ ہو۔

(۱) کتاب الام ج۱ص۱۰۰

و ندب (محافاة) ای مباعدة (رجل فیه) ای السجود (بطنه بفخذیه) فلایجعل بطنه علیها(و)محافاة (مرفقیه ورکبتیه)ای عن رکبتیه) (و) محافاة (ضبعیه)بضم الباء المؤحدة تثنیة ضبع ،مافوق المرفق الی الابط (جنبیه) ای عنهامحافاة (وسطا) فی الجمیع واماالمرأة فتکون منضمة فی جمیع احوالها۔ (۱)

یعنی مرد کے لئے حالت سجدہ میں اپنے پیٹ کورانوں سے علیحدہ رکھنا مطلوب ہے۔اسی طرح کہنیوں، گھٹنوں بازؤں اور پہلو کوایک دوسرے سے جدا رکھنا اور کشادہ سجدہ کرنا مطلوب اور مندوب ہے۔

لیکن عورت اپنے تمام احوال میں سمٹی رہے گی۔اھ

ملاحظہ فرمایئے کس قدر وضاحت کیساتھ سجدہ کی حالت میں اعضاء کی کشادگی کومرد کے ساتھ خاص کرتے ہوئے عورتوں کے حق میں سمٹنے کومندوب ومطلوب ٹھہرایا جارہا ہے۔

امام احمد بن حنبل :- فقہ حنابلہ کی مشہور کتاب زاد المستقنع (۲) اوراس کی ’’شرح السلسبیل فی معرفة الدلیل لفضیلة الشیخ صالح بن ابراہیم البلیهی‘‘ (طبع ۱٤۰۱ھ میں مردوں کی نماز کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ **والمرأة مثله تضم نفسها و تدل رجلیها فی جانب یمینها زاد المستقنع ص ۱۱۹۔**

یعنی عورت بھی مرد کی طرح ہے۔لیکن عورت اپنے آپ کوسمیٹے رہے گی اور اپنے دونوں پیر دائیں جانب نکال لے گی۔اھ

پھراس کی شرح السلسبیل فی معرفة الدلیل میں مذکورہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قوله تضم نفسها ۔عن یزید بن ابی حبیب ان النبی ﷺ مر علی امرأتین

---

(۱) الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی الامام مالک ج ۱ ص ۳۲۹۔۳۲۸ (۲) علماء حنابلہ کے نزدیک زاد المستقنع کا درجہ استناد کیا ہے اسکو سمجھنے کے لئے جس کتاب کے مقدمہ کی درج ذیل عبارت کافی ہوگی۔ امابعد: فهذا مختصر فی الفقه من مقنع الامام الموفق ابی محمد علی قول واحد وهوالراجح فی مذهب احمد، ج ۱ ص ۱۵ یہ کتاب زاد المستقنع امام موفق ابو محمد کی کتاب المقنع کا مختصر ہے۔اس میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کا صرف ایک قول لیا گیا ہے جو ان کے مذہب کا راجح قول ہے۔

تصليان فقال اذا سجد تما فضما اللحم الى الار ض و رواه البيهقى و لفظه فضما بعض اللحم الى الار ض و روى البيهقى با سناده قال قال على رضى الله تعالى عنه اذا سجدت المر أة فلتضم فخذيها ۔ (۱)

یزید ابن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا ایسی دو عورتوں کے پاس سے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو گوشت (یعنی بدن) کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملا لیا کرو، کیونکہ عورت اس سلسلہ میں یعنی طریقۂ نماز میں مردوں کے مانند نہیں ہے اسکو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے ان کے الفاظ ہیں کہ تم دونوں گوشت (یعنی بدن) کا کچھ حصہ زمین سے لگا دیا کرو اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنی رانوں کو سمیٹ لے اھ

حنابلہ کے راجح مسلک پر مبنی کتاب زاد المستقنع اور اس کی شرح السلسبیل کی عبارت اس سلسلہ میں بالکل واضح اور بے غبار ہے کہ عورت کا طریقۂ سجود مرد سے الگ اور ممتاز ہے۔ عورت مرد کی طرح کشادہ سجدہ نہیں کرے گی بلکہ اس طرح سمٹ کر سجدہ کرے گی کہ اسکے بدن کا گوشت زمین سے لگ جائے اور خود بدن کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے مل جائے۔

یہاں تک ائمہ اربعہ کے مذاہب در بارۂ سجود حوالہ کے ساتھ پیش کر دیئے گئے۔ جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ عالم اسلام میں رائج مقبول اور متداول چاروں فقہی مذاہب اس مسئلہ میں کلی طور پر متفق ہیں کہ عورت کی نماز کا طریقہ مرد سے الگ ہے بالخصوص عورت کا طریقہ سجود مرد سے الگ ہے۔ اور وہ ہیئت جو مرد کے لئے ممنوع ہے وہی عورت کے حق میں مطلوب اور مندوب ہے۔ مذاہب اربعہ کے اس عام اور اتفاق کے بعد تقریباً اجماع امت جیسی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے عملاً نہ کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ دلائل کے بارے میں زیادہ کرید نے

(۱) السلسبیل فی معرفة الدلیل ۔ ص ۱۱۹ ۔

کی۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا معتد بہ قول بھی نہیں ہے۔

لیکن اتمام حجت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے اس مسئلہ میں علماء اہل حدیث کی تصریحات نقل کردی جائیں جو اگرچہ خود کو تقلید ائمہ کی قید سے آزاد اور تحزب سے بالاتر قرار دیتے ہیں لیکن عملاً ہندو پاک میں مسالک اربعہ کی طرح ایک پانچویں فقہی مذہب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کئی ایک مسائل میں امت کے اجماعی عمل سے اختلاف رکھنے کے باوجود عورتوں کی نماز کے بارے میں علماء اہل حدیث بھی امت کے سواد اعظم کی ہمنوائی کرتے نظر آتے ہیں۔

اہل حدیث

سرخیل علماء اہل حدیث الشیخ العلام نواب وحید الزماں صاحب حیدرآبادی اپنی مقبول اور مشہور کتاب نزل الابرار من فقه النبی المختار میں فرماتے ہیں۔

و المرأة تر فع یدیها عند التحریم کالرجل وصلوة المرأة کصلوة الرجل فی جمیع الارکان والآداب الا ان المرأةتر فع یدیها عند التحریم الی ثدییها ولاتخوی فی السجود کالرجل بل تنخفض وتلصق بطنها بفخذیها واذا حدث حادثة تصفق ولا تکبر والامة کالحرة ۔ (نزل الابرار ص۸۵ ج۱)(۱)

یعنی عورت بھی مرد کی طرح تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرے گی۔ اور عورت کی نماز مرد کی طرح ہے تمام ارکان میں وآداب میں۔ سوائے اس کے کہ عورت تحریمہ

---

(۱) نزل الابرار من فقہ النبی المختار کی اہمیت کا اندازہ جماعت اہل حدیث کے مرکزی ادارہ سے شائع شدہ ایک کتاب کے ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"نزل الابرار من فقه النبی المختار ج اول۔ تعداد صفحات ۲۹۲، مصنف: الشیخ العلام نواب وحید الزمان حیدرآباد مطبع سعید المطابع بنارس۔ طبع اول ۱۳۲۸ھ یہ کتاب بھی فقہ اہلحدیث کے موضوع پر ہے اور عوام میں بہت مقبول ہے "ملاحظہ ہو جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات۔ رئیس احمد ندوی، عبد السلام دنی، محمد مستقیم سلفی۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیة والدعوة والافتاء بالجامعة السلفیة بنارس الهند۔

کے وقت اپنے ہاتھ کو اپنی چھاتی تک اٹھائے گی اور سجدہ میں مرد کی طرح پیٹ کو زمین سے اونچا نہیں رکھے گی بلکہ پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے چپکا لے گی۔ اور جب کوئی بات پیش آئے تو لقمہ دینے کے لئے اللہ اکبر نہیں کہے گی۔ بلکہ تالی بجا دے گی اور باندی کا بھی وہی حکم ہے جو آزاد عورت کا ہے۔

نزل الابرار کی عبارت دوبارہ بلکہ بار بار پڑھئے۔ اور دیکھئے کہ اس عبارت میں عورتوں کو تحریمہ کے وقت سینے تک ہاتھ اٹھانے۔ پست سجدہ کرنے اور سجدہ کی حالت میں پیٹ کو رانوں سے چپکانے کا حکم کون دے رہا ہے۔ کیا یہ کوئی حنفی عالم ہیں۔ کیا یہ کسی قیاسی فقہ کا مبنی بررائے فیصلہ ہے۔ یا نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ کے ترجمان ایک الشیخ العلام محدث اور اہل حدیث عالم کا ارشاد ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس کتاب پر شہر بنارس کے سردار اہل حدیث مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی مرحوم کا حاشیہ ہے۔ مرحوم نے بعض مواقع پر مصنف کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن اس موقعہ پر نہ صرف یہ کہ اس مسئلہ سے کوئی اختلاف نہیں کیا بلکہ اس کی تائید میں جس درجہ کا استدلال ممکن تھا وہ بھی پیش کر دیا۔ چنانچہ نزل الابرار کی اس عبارت پر حاشیہ لگاتے ہوئے مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی فرماتے ہیں۔

روی ابن عدی عن ابن عمر مرفوعا اذا سجدت الصقت بطنها علی فخذیها ۔ الحدیث ، ضعفه ۔ منه (۱)

ابن عدی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو ران سے چپکا لے، ابن عدی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

حدیث سے متعلق گفتگو استدلال کے مرحلہ میں کی جائے گی۔ یہاں صرف اس اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ مولانا سیف بنارسی نے مسئلہ سے اتفاق کرتے ہوئے جس درجہ کا استدلال ممکن تھا اسے پیش کر دیا۔ خود اپنے مطبع سے کتاب شائع کی اور ہمارے علم میں کسی اہل حدیث کی ایسی کوئی تحریر نہیں ہے جس میں نزل الابرار کی عبارت

---

(۱) حاشیہ نزل الابرار ص ۸۵

یا مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی کی حمایت کی تغلیط کی گئی ہو، جب کہ کتاب کی اشاعت کو ۹۳ رسال گزر چکے ہیں۔

عورتوں اور مردوں کی نماز میں یہ تفریق اگر من مانی تفریق ہے، دین میں اضافہ ہے بلکہ تشریع کی جسارت بے جا ہے تو

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز می کنند

ممکن ہے کوئی زندہ دل اس وزنی تحریر کو بھی ایک عالم کی انفرادی رائے اور دوسرے عالم کی انفرادی تائید قرار دے اور جماعت کی گلوخلاصی کرنا چاہے تو ہم جاننا چاہیں گے کہ علم وفضل کا وہ کون سا معیار ہے جس پر کھرا اترنے والا عالم جماعت کی نمائندگی کر سکے۔ اور اس کے فیصلہ کو جماعت کا فیصلہ قرار دیا جا سکے۔

واقعہ یہ ہے کہ عوتوں اور مردوں کی نماز میں تفریق کا فیصلہ صرف نواب وحید الزماں صاحب کا نہیں ہے بلکہ جماعت اہل حدیث کے ممتاز اور سر برآوردہ علماء کرام کا اجتماعی اور متفقہ فیصلہ ہے۔

ہمارے پیش نظر ایک مختصر رسالہ ہے جس کا نام ہے تعلیم الصلوٰۃ۔ جس کا تعارف ٹائٹل پر ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔...... رسالہ تعلیم الصلوٰۃ۔ جس میں اسلام کے رکن اعظم (نماز) کے متعلق تمام ضروری مسائل ہیں (جن کا جاننا تمام مسلمانوں مردوں اور عورتوں پر لازم ہے) سادہ اور سلیس اردو میں بیان کئے گئے ہیں منجانب اہل حدیث کانفرنس (دہلی) بمنظوری اراکین مجلس شوریٰ، سید عبدالسلام صاحب کے مطبع فاروقی دہلی میں چھپی اور دفتر اہل حدیث کانفرنس دہلی بازار بلّی ماران سے مفت تقسیم کرنے کے لئے شائع ہوئی۔ بلاقیمت پانچ ہزار۔

اس رسالہ کے ص ۱۴ پر یہ عبارت ہے۔ ف سجدہ سات عضو پر کرے ماتھا۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنے۔ اطراف ہر دو قدم (متفق علیہ) سجدے میں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے بلکہ ہتھیلی زمین پر رکھے۔ اور کہنی اٹھائے رہے، اور درمیان دونوں ہاتھوں کے اتنی کشادگی رہے کہ سفیدی بغلوں کی ظاہر ہو۔ (متفق علیہ) مگر عورت ایسا نہ کرے۔ اھ

مردوں کے لئے سجدہ کا مسنون طریقہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد صاف لفظوں میں صراحت کردی گئی کہ مگر عورت ایسا نہ کرے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا نہ کرے تو کیسا کرے؟ اتنا تو طے ہے کہ مردوں کی طرح سجدہ نہ کرے اب اگر وہ طریقہ جو نزل الابرار کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے یعنی عورت کا زمین سے چپک کر سجدہ کرنا بھی خلاف سنت ہو۔ اور مردوں کی طرح عورت سجدہ کر گی نہیں تو تیسرا طریقہ کون سا ہے۔ کس نے ایجاد کیا۔ کہاں منقول ہے اس کی صراحت ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ ۱۳۲۸ھ میں نواب وحید الزماں صاحب کی تصنیف اور مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی کی تحشیہ وتائید سے عورتوں کا جو متفق علیہ طریقہ سجود شائع کیا گیا تھا۔ ۱۳۳۰ھ میں اہل حدیث کانفرنس کی مجلس شوری میں اسی کی توثیق کی گئی ہے۔

رسالہ تعلیم الصلوٰۃ اگر چہ ۴ رجمادی الآخر ۱۳۰۵ھ کو ہوئی ہے۔ لیکن اس کی اشاعت ۱۳۳۰ھ میں ہوئی ہے یعنی نزل الابرار کی اشاعت کے دو برس بعد ہمارے سامنے ایسی کوئی فہرست موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ ۱۳۳۰ھ میں اہل حدیث کانفرس کی مجلس شوری کے ارکان کون حضرات تھے لیکن یہ باور کرنا چاہئے کہ جماعت اہل حدیث کی مرکزی نمائندہ تنظیم کے ارکان معمولی افراد نہ ہوں گے بلکہ علماء محدثین۔ مبلغین اور دانشور حضرات ہوں گے اس مجلس شوری کی منظوری سے شائع شدہ رسالہ جو پانچ ہزار کی تعداد میں مفت شائع کیا گیا ہے تاکہ ہر گھر میں پہونچ سکے اور اس کے مطابق عمل کیا جا سکے اس رسالہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی نماز میں تفریق اور وہ بھی طریق سجود میں امتیاز جماعت کا اجتماعی فیصلہ ہے

اس بات کا اعادہ نامناسب نہ ہوگا کہ ہمارے علم میں ۱۳۳۰ھ کے بعد شائع ہونے والی کوئی ایسی اجتماعی تحریر نہیں ہے جو ۱۳۳۰ھ کے اجتماعی فیصلہ کی تنسیخ یا تغلیط کرے۔

جماعت کی یہ خاموشی اگر اپنے اکابر کی تحریرات اور فیصلوں سے ناواقفیت اور غفلت کی بنا پر ہے تو قابل افسوس ہے۔ اور اگر مصلحۃ چشم پوشی کی جارہی ہے تو اس کی توجیہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

اب دو ہی صورت رہ جاتی ہیں کہ یا تو وہ حضرات جو عورتوں کے اجتماعات کے ذریعہ اور اپنی تحریر اور تقریر کے ذریعہ عورتوں کے رائج طریقہ سجود کو خلاف سنت کہتے نہیں تھکتے وہ اپنی حرکت سے باز آ جائیں اور کھلے لفظوں میں اعتراف کرلیں کہ بلاشبہ عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق ہے۔ عورتوں کو مردوں کی طرح سجدہ کرنا درست نہیں انھیں سمٹ کر سجدہ کرنا چاہئے۔ تحریمہ کے وقت ہاتھ سینہ تک اٹھانا چاہئے اور قعدہ وجلسہ میں دونوں پیر دائیں جانب نکال کر بیٹھنا چاہئے۔ کیونکہ یہی بات تمام مسلک کے علماء نے لکھی ہے۔یہی حکم نزل الابرار من فقه النبي المختار میں اہل حدیث عالم نواب وحید الزماں صاحب حیدر آبادی نے دیا ہے۔ اسی کی تائید مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے کی ہے۔

اور اسی فرق کی طرف تعلیم الصلوٰۃ نامی رسالہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اس اعلان کے کسی اور کی تقلید نہیں بلکہ اہل حدیث کانفرنس کے متفقہ منشور اور فقہ اہل حدیث پر مبنی کتاب کی تصریح پر عمل ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور ۱۳۳۰ھ تک کے علماء اہلحدیث کے مختار طریقہ کو چھوڑ کر اگر روش اختیار کی جائے ان سب کو عورتوں اور مردوں کی نماز میں من مانی تفریق دین میں اضافہ اور تشریع کی جسارت کا مجرم قرار دیا جائے۔ یعنی جو زبان بے چارے احناف کے سلسلہ میں استعمال کی جاتی تھی وہی ائمہ ثلثہ، نواب وحید الزماں صاحب حیدر آبادی۔ مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی، نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی اور ارکین مجلس شوریٰ اہل حدیث کانفرنس دہلی کے بارے میں بھی روا رکھی جائے۔

اب یہ فیصلہ کرنا اہل حدیث عوام کا کام ہے کہ وہ موجودہ دور کے علماء اہل حدیث کی تقلید کرتے ہیں یا نزل الابرار ، تعلیم الصلوۃ اور اس کے ہم نوا علماء اہل حدیث کی اپنے بارے میں وہ جو بھی فیصلہ کریں لیکن اتنا کرم ضرور کریں کہ دوسروں کے بارے میں ٹانگ اڑانا چھوڑ دیں۔ بطور شاہد ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔

المغنی لابن قدامہ حنبلی مسلک کی بڑی مستند اور معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے وہ سعودی عرب کے مقتدر علمی وتحقیقی ادارہ ادارات البحوث

العلمیه والافتاء والدعوة والارشاد کی طرف سے شائع ہوا ہے۔اس ادارہ کے سربراہ اعلیٰ سعودی عرب کی اعلیٰ ترین شخصیت سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ باز رحمه الله ہیں۔جن کا علم بہت وسیع ہے۔واقف کار حضرات جانتے ہیں کہ اگر ان کے نزدیک دلائل کی بنیاد پر کوئی بات ثابت ہو تو وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔اور کسی کے اختلاف کی کوئی پرواہ نہیں کرتے عقیدہ کے لحاظ سے مضبوط سلفی ہیں۔مسلکاً ان کو کسی مخصوص جماعت سے وابستہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔اس لئے دارالافتاء کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتابوں کو انکی سرپرستی کی وجہ سے کم از کم اس جماعت کے نزدیک کسی حد تک درجہ استناد حاصل ہونا چاہئے جوان سے حسن تعلق اور حسن عقیدت کا اظہار کرتی ہے۔اس تمہید کے بعد المغنی لابن قدامه سے زیر بحث مسئلہ سے متعلق ایک عبارت نقل کی جارہی ہے۔متن کی عبارت ہے۔

مسألة : قال : و الرجل والمرأة فی ذالك سواء الاان المرأة تجمع نفسها فی الرکوع والسجود و تجلس متربعة او تسدل رجلیها فتجعلهما فی جانب یمینها

مسئله :—(علامہ ابوالقاسم الخرقی صاحب مختصر نے) فرمایا کہ مرد و عورت اس سلسلہ میں ایک جیسے ہیں سوائے اس کے کہ عورت اپنے آپ کو رکوع و سجود میں سمیٹے رہے گی اور قعدہ میں چارزانو بیٹھے گی یا اپنے دونوں پیر دائیں جانب نکال لے گی۔

اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں۔

الاصل ان یثبت فی حق المرأة من احکام الصلوٰةمایثبت للرجال لان الخطاب یشملهاغیر انهاخالفته فی ترك التجافی لانهاعورة فاستحبّ لهاجمع نفسهالیکون استرلها فانه لایؤمن ان یبدومنهاشئی حال التجافی وذلك فی الافتراش قال احمد :والسّدُل اعجب الیّ واختاره الخلال ـقال علی رضی الله عنه :اذا صلت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذیها،وعن ابن عمر رضی الله عنهماانه کان یامر النساء ان یتربعن فی الصّلوٰة۔(۱)

(۱) المغنی لابن قدامہ ج ۱ ص ۵۶۲ طبع ۱۴۰۱ھ

اصل یہ ہے کہ عورتوں کیلئے نماز کے وہی احکام ثابت ہوں جو مردوں کیلئے ہیں کیونکہ حکم شرعی کے مخاطب دونوں ہیں لیکن عورت ترک تجافی میں مردوں کی مخالفت کرے گی یعنی عورت کشادہ سجدہ نہ کرے گی۔ وجہ یہ ہے کہ عورت پردہ کی چیز ہے اس کیلئے اپنے آپ کو سمیٹے رہنا مستحب ہوگا، جس سے اس کا جسم خوب اچھی طرح مستور رہے کیونکہ کشادہ سجدہ کرنے کی صورت میں اندیشہ رہتا ہے کہ اسکے بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہوجائے۔ اور یہ کشادگی افتراش میں ہوتی ہے (یعنی پیر کھڑا کرکے بیٹھنے کی صورت میں اسلئے عورت اس طرح نہ بیٹھے)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ سدل یعنی عورت کا دونوں پیر دائیں جانب نکال کر بیٹھنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور امام خلال نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ عورت نماز ادا کرے تو سمٹ کر نماز پڑھے۔ اور اپنی رانوں کو ملالے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو بیٹھیں۔

اب تک کے حوالوں سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ قرن اول سے چودھویں صدی کے اوائل تک عالم اسلام میں رائج تمام فقہی مکاتب فکر کے متبعین اور ابتدائی دور کے علماء اہل حدیث بھی اس مسئلہ میں متفق تھے کہ عورتوں اور مردوں کے طریقۂ نماز میں فرق ہے بالخصوص طریقۂ سجود اور طریقۂ قعود میں۔ حوالہ کی عبارتوں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان علماء اعلام نے اس فرق کی بنیاد اس اصول پر بھی رکھی ہے کہ شریعت میں عورتوں کے جملہ احوال میں تستر اور پوشیدگی مطلوب ہے۔ اور اس ستر کا تقاضا یہ ہے کہ عورت رکوع و سجود اور ہیئت جلوس میں مردوں سے الگ طریقہ اختیار کرے۔

یہ امر بھی طے شدہ ہے کہ ان ائمہ اعلام اور علماء کرام کے پیش نظر وہ روایات بھی ہیں جن میں مردوں کو چوپایوں کی طرح حالت سجود میں زمین پر کلائی بچھانے سے صراحۃً منع کیا گیا ہے۔ وہ روایات بھی پیش نگاہ ہیں جن میں سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود یہ اکابر عورتوں کے لئے نہ تو ہاتھ بچھانے کو منع فرماتے

ہیں نہ سجدہ میں کشادگی کا حکم دیتے ہیں بلکہ اس کے برخلاف اسطرح سمٹ کر سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ جس میں سات ہڈیوں کا گوشت بھی زمین سے لگ جائے۔(۱)

اسی طرح مردوں کی ہیئت جلوس کی جگہ سدل یا تربع کا حکم دیتے ہیں، جو بہرحال مردوں سے الگ طریقہ ہے۔

ان عبارتوں کے درمیان میں بعض آثار اور روایات کا بھی ذکر ہے۔ لیکن انداز بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے عورتوں کا یہ طریقہ نماز ایک متداول اور طے شدہ معمول کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ اور روایات کو مدار استدلال کے طور پر نہیں بلکہ شاہد کے طور پر پیش فرمارہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سنن کبریٰ بیہقی، مراسیل ابوداؤد، مصنف ابن ابی شیبہ، کنز العمال، السلسبیل، المغنی لابن قدامہ اور نزل الابرار وغیرہ میں جو روایات مرفوعہ آثار صحابہ اور اقوال تابعین پیش کئے ہیں ان میں سے بعض کی تضعیف کے باوجود نفس مسئلہ میں اپنی رائے پر قائم ہیں امام بیہقی نے اپنی کتاب میں عورتوں کیلئے کشادگی کے ساتھ سجدہ کرنے کا نہ کوئی باب قائم کیا نہ کوئی روایات ذکر کی ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی تصنیف میں المرأة کیف تکون فی سجودھا(۲) کا عنوان قائم کر کے ۶ آثار نقل کئے ہیں اور وہ سب عورتوں کے پست سجدہ سے متعلق ہیں، ایک قول یا اثر بھی مرد کی طرح سجدہ کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی ابن عدی کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث مرفوع نقل فرمارہے ہیں لیکن نفس مسئلہ میں صاحب نزل الابرار سے اختلاف نہیں فرماتے اور صاحب نزل الابرار سجدہ کا بعینہ وہی طریقہ بیان فرمارہے ہیں جو احناف اور دیگر ارباب مذاہب فقہ کے یہاں منقول ہے۔

اس لئے ہماری ان معروضات کے جواب میں یہ کہ دینا کافی نہ ہوگا کہ عورتوں کے لئے پست سجدہ کرنے کے باب میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں فلاں روایت ضعیف ہے۔ اور فلاں مرسل ہے۔ بلکہ یہ نشاندہی بھی ضروری ہوگی کہ ان کے بالمقابل

---

(۱) اس سلسلہ میں المغنی لابن قدامہ کی عبارت بہت صریح ہے۔ المغنی ص ۵۶۲ ج ۱۔ (۲) --۰ ۱۲۰، ۱۳۱، ج ۲ مطابع الرشید مدینہ منورہ

وہ کون سی روایات ہیں جن میں صراحۃً عورتوں کو مردوں کی طرح رکوع وسجود اور قعدہ وجلسہ کا حکم دیا گیا ہے۔ گرچہ وہ روایتیں ہماری شاہد روایات وآثار سے قوی نہ ہوں انکے برابر ہی درجہ کی ہوں بلکہ ان سے بھی ضعیف اور کم درجے کی ہوں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ہمیں عرض کرنے دیجئے۔

۱- کسی مسئلہ کے ثبوت میں اگر متعدد روایات اور آثار موجود ہوں وہ فرداً فرداً اگر ضعیف بھی ہوں جب بھی ان کے مجموعہ سے تعدد طرق اور کثرت آثار کی بنا پر یہ ثبوت ملتا ہے کہ اس کی اصل موجود ہے۔ یہ اصول تمام محدثین نے قبول کیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی اور خود صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کے یہاں کثرت سے اس کا ذکر ملتا ہے۔

۲- کسی مسئلہ میں اگر مستدل ضعیف ہو لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مستدل سرے سے موجود ہی نہ ہو تو یہ ضعف چنداں مضر نہیں ہوتا۔

نامور اہل حدیث مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ اپنے رسالہ اہل حدیث امرتسر میں فرماتے ہیں: حدیث کا ضعف اسے درجۂ استدلال سے اس وقت گراتا ہے جب اس کے مقابل حدیث صحیح موجود ہو۔ (۱)

جو حضرات عورتوں اور مردوں کے طریقہ نماز میں کسی بھی تفریق کے قائل نہیں ہیں ان کی طرف سے بطور استدلال ہمارے علم میں تین چیزیں آئی ہیں۔

۱- وہ روایات جن میں مردوں کے لئے سجدہ کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ یا سجدہ میں ہاتھ بچھانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح وہ حدیث جس میں حکم ہے

صلّوا کما رأیتمونی اصلیّ

۲- حضرت ابراہیم نخعی کا ایک قول۔

تفعل المرأۃ فی الصلوٰۃ کما یفعل الرجل (۲)

عورت نماز میں اسی طرح عمل کرے جیسے مرد کرتا ہے۔

---

(۱) اہل حدیث امرتسر۔ ۴ مارچ ۱۹۳۸ء ص ۱۳ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ

۳- ام الدرداؒ (زوجہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ) کا عمل۔

انها كانت تجلس فی صلوتها جلسة الرجل و كانت فقيهةً (۱)

ام الدرداء نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ فقیہ تھیں۔

اس سلسلہ میں ہماری طرف سے مندرجہ ذیل معروضات پیش ہیں۔

۱- جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن میں عام خطاب کے ذریعہ نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ یا بعض ہیئتوں سے منع کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ابتدائی صفحات میں درج حوالوں سے یہ بات آشکارا ہوچکی ہے کہ جمہور علماء نے ان احادیث اور روایات کو بظاہر عام ہوتے ہوئے بھی عموم پر محمول نہیں کیا ہے۔ بلکہ عورتوں کو زیر بحث ارکان صلوٰۃ میں مستثنیٰ قرار دیا ہے اپنی کتابوں میں ان عام روایات کو ذکر کرنے کے باوجود عورتوں کے لئے مخصوص طریقہ ذکر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہمیشہ عموم خطاب کی بناپر کسی تفریق کو روانہ رکھنا صحیح نہیں ہوتا۔ احکام شرع کا جائزہ لینے سے ایسے بہت سے مسائل سامنے آئیں گے جہاں خطاب اگرچہ عام ہے لیکن عورتوں کو اس خطاب سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ بطور مثال حج کے متعدد مسائل پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً تلبیہ میں رفع صوت کا حکم عام ہے لیکن عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ تلبیہ پست آواز سے کہتی ہیں طواف میں رمل واضطباع کا حکم خطاب عام کے ذریعہ ہے لیکن عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں سعی بین الصفا والمروہ کے وقت میلین اخضرین کے درمیان دوڑنے کا حکم عام ہے مگر عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اس استثناء کی دونوں صورتیں ہوتی ہیں کہیں خطاب عام کے بعد عورتوں کو الگ طریقۂ عمل کی ہدایت دی گئی ہے جیسا کہ عورتوں کے سجدہ کے باب میں منقول ہے اور کہیں عورتوں کے تستر کا لحاظ کرتے ہوئے اصولاً ان کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین اور علماء اعلام نے عموم خطاب کے باوجود عورتوں کو الگ انداز اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

---

(۱) تاریخ صغیر للبخاری۔

۲- حضرت ابراہیم نخعی کا یہ ارشاد کہ عورت ویسا ہی عمل کرے جیسا مرد کرتا ہے ایک مجمل قول ہے ۔اول تو نماز میں رکوع سجود اور تحریمہ وجلسہ کے علاوہ اکثر ارکان میں عورتوں اور مردوں کے عمل میں سے کسی کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے اس لئے ابراہیم نخعی کے قول کا تعلق انہیں ارکان سے ہوگا۔

دوسرے انھیں ابراہیم نخعی سے اس کے برخلاف عورت کے لئے تستر کے ساتھ پست سجدہ کرنے کی صراحت منقول ہے۔جو جمہور کے موافق ہے اس لئے پہلے قول سے استدلال صحیح نہیں ہوسکتا۔

۳- جہاں تک ام الدرداء کا عمل ہے تو اول تو یہی طے شدہ نہیں کہ یہ ام الدرداء کبریٰ (صحابیہ) ہیں یا ام الدرداء (تابعیہ)۔دوم ان کے اس عمل کا تعلق صرف ہیئت جلوس سے ہے۔ ہیئت سجود میں عدم تفریق کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔سوم حدیث مرسل تک کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے باوجود ایک خاتون (صحابیہ یا تابعیہ) کے ذاتی عمل سے استدلال کچھ زیب نہیں دیتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حضرت امام بخاری کا انداز بیان خود اشارہ کررہا ہے کہ عورتوں کا انداز نشست مردوں سے الگ ہے یہ ام الدرداء کا ایک انفرادی عمل ہے کہ وہ مردوں کی طرح نماز میں بیٹھتی تھیں "وکانت فقیھۃ" کا جملہ ان کی طرف سے اعتذار بھی ہو سکتا ہے کہ وہ فقیہ تھیں اس لئے ان کے عمل پر اعتراض نہ کیا جائے۔

گفتگو طویل ہوتی جارہی ہے۔اس لئے ہم آخر میں صرف وہ روایات پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جن میں عورتوں کو سجدہ میں انخفاض اور تستر کی تعلیم دی گئی ہے۔

۱- روی ابن عدی عن عمر مرفوعا اذا سجدت الصقت بطنها علی فخذیها ـالحدیث و ضعفه ،(۱)

ابن عدی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا نقل کیا ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے۔ابن عدی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۱) مولانا ابوالقاسم بنارسی حاشیہ نزل الابرار ص ۸۵۔

۲- عن یزید بن ابی حبیب ان رسو ل اللہ ﷺ مر علی امرأ تین تصلیان فقال اذا سجد تما فضما بعض اللحم الی الارض ان المر أۃ لیست فی ذلک کالر جل۔ (۱)

حضرت یزیدؒ بن حبیب سے (مرسلاً) منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گذرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو۔ کیونکہ عورت اس بارے میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

۳- حضرت یزید بن ابی حبیب کی مرسل روایت امام ابوداؤد نے بھی اپنے مراسیل میں نقل کی ہے۔ (۲)

اور اسی روایت کو حنابلہ نے اپنی کتابوں میں بطور مستدل پیش کیا ہے (۳)

۴- عن علیؓ قال اذا سجدت المرأ ۃ فلتحتفر ولتضم فخذیھا ۔ (۴)

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ جب عورت سجدہ کرے تو سمٹ جائے اور اپنی رانوں کو ملا لے۔

۵- عن ابن عباس انہ سئل عن صلو ۃ المر أۃ فقال تجتمع و تحتفر ۔ (۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عورتوں کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ عورت مل کر اور سمٹ کر سجدہ کرے گی۔

۶- عن ابر اھیم قال اذا سجدت المر أۃ فلتضم فخذیھا و لتضع بطنھا علیھا ۔ (۶)

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنی رانوں کو آپس میں ملالے اور اپنے پیٹ کو رانوں پر رکھے۔

۷- عن مجاھد انہ کان یکرہ ان یضع الرجل بطنہ علی فخذیھا

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی ج۲ ،ص ۲۲۳ ۔(۲) مراسیل ابو دائو د ص ۸ ۔(۳) السلسبیل فی معر فۃ الدلیل ص ۱۱۹ ۔ (۴) مصنف ابن ابی شیبہ ج۱، ص ۲۶۹ مطبوعہ حیدرآباد یہی روایت امام بیہقی نے سنن کبری ج ۲، ص ۲۳۲ پر نقل کی ہے اور ابن قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب المغنی ج۱، ص ۵۶۲ میں بطور شاہد پیش کی ہے۔ (۵) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ، ص ۲۶۹ ۔(۶) بحوالہ بالا۔

اذا سجد کماتضع المرأة (۱)

حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ وہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا پیٹ رانوں پر رکھے جیسے کہ عورت رکھتی ہے۔

۸- عن الحسن قال المرأة تضم فی السجود ۔(۲)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عورت مل کر اور سمٹ کر سجدہ کرے گی۔

۹- عن ابراهيم قال اذا سجدت المرأة فلتلزق بطنها بفخذيها و لا ترفع عجيزتها و لا تجافى كما يجافى الرجل ۔(۳)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چپکا لے اور اپنی سرین اونچی نہ کرے۔ اور مرد کی طرح کشادہ نہ رہے۔

محدث ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی کتاب میں عورتوں کے سجدہ کے بیان سے فارغ ہو کر اس کی ہیئت جلوس سے متعلق مستقل باب قائم کیا ہے۔ اور اس میں ام الدرداء کے عمل کے علاوہ متعدد اقوال اور آثار نقل فرمائے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کے لئے نماز میں مردوں کی ہیئت جلوس مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ اس کی نشست کا طریقہ وہ ہے جو اس مضمون کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے ان آثار و روایات کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابن عباسؓ ابراہیم نخعیؒ۔ مجاہدؒ اور حسن بصریؒ کا فتوی یہی ہے کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے گی۔

دوسری طرف ابن عمرؓ کی مرفوعا اور یزیدؒ بن حبیب کی مرسل روایت میں یہی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

ہمیں یہاں حدیث مرسل سے استدلال کی بحث نہیں چھیڑنی ہے۔ اور نہ روایات کی سندوں پر کلام کرنا ہے۔ کیونکہ ہم یہ بات پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ان اقوال و آثار کو تمام ارباب مسالک نے بطور شاہد اختیار کیا ہے۔ ورنہ نفس مسئلہ سب کے نزدیک مسلم

---

(۱) بحوالہ بالا۔ (۲) بحوالہ بالا۔ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۲۶۹۔ ج ۱، ص ۲۷۰۔

اور متفق علیہ ہے۔ آخر کے حوالوں میں نمبر ۷ پر مجاہد کا قول پڑھئے۔ کس قدر صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے حالت سجدہ میں پیٹ رانوں پر رکھنا مکروہ ہے جیسا کہ عورت رکھتی ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کا حالت سجدہ میں ران اور پیٹ کو ملا لینا ایک ایسا معمول تھا کہ اس کے حوالہ سے مرد کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

ایک اہم سوال

ان تمام تفصیلات کے باوجود بھی یہ مدعیان عمل بالحدیث اگر یہی دعویٰ کریں کہ مرد و عورت کی نماز میں کچھ فرق نہیں تو ان سے یہ سوال ہے۔ (الف) مثل مردوں کے اگر عورتیں اپنی مسجد الگ بنانا چاہیں تو تمہارے نزدیک ان کو اجازت ہونی چاہئے۔

(ب) عورت کو خطبہ پڑھنا، اذان دینا، اقامت کہنا، مردوں کی طرح درست ہونا چاہئے۔

(ج) عورت امام ہو اور تمام مقتدی مرد ہوں اس کا حق بھی عورت کو تمہارے نزدیک ہونا چاہئے۔

(د) جب تمہارے نزدیک کوئی فرق نہیں تو عورتوں کو پچھلی صف میں کھڑے ہونے کی پابندی کیوں ہے مردوں کی برابر میں آ کر مثل مردوں کے کھڑی ہوا کریں یہ حکم دینا چاہئے۔

(ہ) جماعت، جمعہ، عیدین جس طرح مردوں پر تاکیداً لازم ہیں اسی طرح عورت کو بھی حکم ہونا چاہئے وغیرہ۔

تمہارے مذہب کی اساسی کتب ان جیسے احکام میں مرد و عورت کے مابین فرق پر شاہد ہیں یہ فرق کس طرح درست ہوا؟ حالانکہ دعویٰ تمہارا یہ ہے کہ مرد و عورت کی نماز میں کچھ فرق نہیں۔

امید ہے کہ اتنی گفتگو کافی ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص بنظر انصاف مسئلہ کا جائزہ لینا

چاہے تو علی وجہ البصیرۃ جمہور کی رائے سے اتفاق کرے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین ۔و الصلوۃ و السلام علی سیدنا و مولانا محمد و علی اٰلہ و اصحابہ اجمعین ۔

مقالہ نمبر ۱۸

خیر مساجد النساء قعر بیوتھن

(رواہ احمد وابوداؤد)

خواتینِ اسلام

کی

بہترین مسجد

تالیف

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند و مدیر ماہنامہ دارالعلوم

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

صحافت کی آزادی کے اس دور میں اظہارِ خیال کے لیے مختلف موضوعات سامنے آتے رہتے ہیں، زیرِ بحث موضوع کے دونوں گوشوں پر گفتگو کرنے والے اپنے اپنے نقطۂ نظر کی تائید کے لیے قرطاس و قلم کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ موضوع کی تنقیح اور ذہن کی بالیدگی کے لیے یہ طریقہ افادیت کا حامل ہے۔

لیکن فکر و نظر کی اس آزادی کا بے جا استعمال بھی دیکھنے میں آرہا ہے، کچھ حضرات ذہنی انتشار پیدا کرنے کے لیے مذہبی موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں اور بحث میں حصہ لینے والے بسا اوقات پس منظر سے واقفیت کے بغیر شریک ہو جاتے ہیں۔

اسلامی احکام کو موضوعِ بحث بنانے میں یہ ذہنیت زیادہ کارفرما نظر آتی ہے۔ ماضی میں ایسے کئی موضوعات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ جیسے تین طلاق کا مسئلہ، عورتوں کی آزادی کا مسئلہ، عورتوں کی سربراہی کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ اور ابھی ماضی قریب میں عورتوں کے مسجدوں میں حاضر ہو کر شریکِ نماز ہونے کا مسئلہ مجلّات و رسائل میں زیرِ بحث رہ چکا ہے۔

عورتوں سے متعلق مسائل کی ان بحثوں کا پسِ منظر- و العلم عنداللہ - یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین و مستبشرین نے اسلامی معاشرے کی پاکیزہ اقدار کو پامال کرنے کے لیے "صنفِ نازک" کو سب سے زیادہ موثر سمجھا ہے اور وہ اس صنف سے متعلق کسی بھی مسئلہ کو اسلامی معاشرے میں فساد انگیزی کے لیے استعمال کرنے میں مہارت کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کی منفی

ہنیت رکھنے والی جماعتیں اور ان کے اوپر اعتماد کرنے والے سادہ لوح عوام ان کی سازشوں کا شکار ہوتے رہے ہیں، لیکن شرار بولہبی کے اس ٹکراؤ کی وجہ سے، چراغِ مصطفوی کی لو کو تیز کرنے والے طائفہ منصورہ کے علماء کو حقیقتِ حال روشن کرنے کی توفیق ملتی رہی ہے۔

ماضی قریب میں "خواتین اسلام کی مسجد میں حاضری" کا موضوع زیر بحث رہا، تو ملک کے مختلف اہلِ علم نے حقیقت حال کی تنقیح، اور مقاصدِ شریعت کی وضاحت کے لیے قلم اٹھایا، مضامین تحریر کیے اور کچھ علماء نے رسائل مرتب کر دیے۔

دار العلوم دیو بند کے صف علیا کے کامیاب مدرس اور ماہنامہ دار العلوم کے مدیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی زید مجدہم نے تقاضائے حال کے مطابق محدثانہ انداز پر اس موضوع کی تنقیح کی ہے۔

سب سے پہلے ان احادیث اور روایت کو جمع فرمایا ہے جن سے عورتوں کی مسجد میں حاضری کے لیے اباحتِ مرجوحہ نکلتی ہے، پھر ان احادیث کو نقل کیا ہے، جن میں عورتوں کی مسجد میں حاضری کے لیے شرائط مقرر کی گئی ہیں، پھر وہ روایات ذکر کی ہیں، جن سے شرائط کے باوجود مسجد میں نہ جانا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ان روایت کی قابلِ قبول اور آسان تشریح اور ان کے ذیل میں دی گئی مختصر وضاحتوں سے یہ بات مکمل طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ اس دور میں عورتوں کو مسجد میں حاضری کی اجازت دینا شریعت کے منشا کے خلاف ہے۔

دعا ہے کہ پروردگارِ عالم سب مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم و گامزن رکھے اور مولفِ محترم کی سعی مشکور کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازے۔ (آمین)

و الحمد للہ اولاً و آخراً

ریاست علی غفرلہ

خادم تدریس دار العلوم دیو بند

۱۹ر شوال ۱۴۱۸ھ

تمہید

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلامٌ علٰی عبادہٖ الّذین اصطفٰی ۔ امّا بعد :

یہ انسانی دنیا جب سے وجود میں آئی ہے اس میں کوئی خطہ ، کوئی قوم اور کوئی مذہب ایسا نہیں ملتا جس میں فواحش و بدکاری، زنا اور حرام کاری کو مستحسن اور اچھا یا مباح و جائز کام سمجھا گیا ہو بلکہ ساری دنیا اور اس کے مذاہب ان جرائم کی مذمت اور برائی میں متفق و ہم رائے رہے ہیں کیونکہ یہ مذموم جرائم نہ صرف یہ کہ فطرت انسانی کے خلاف ہیں بلکہ اس درجہ فساد افزا اور ہلاکت خیز ہیں جن کے تباہ کن اثرات صرف اشخاص وافراد ہی کو نہیں بلکہ بسا اوقات سارے خاندان اور پورے شہر وقصبہ کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس وقت فتنہ وفساد اور قتل وغارتگری کے جتنے واقعات سامنے آرہے ہیں ان کی صحیح تحقیق کی جائے تو اکثر واقعات کے پس منظر میں شہوانی جذبات اور ناجائز جنسی تعلقات کا عمل دخل ملے گا۔

البتہ بہت سی قوموں اور اکثر مذاہب میں زنا اور فواحش کی ممانعت کے باوجود اس کے مقدمات اور اسباب وذرائع کو معیوب وممنوع نہیں سمجھا جاتا اور نہ ان پر خاص قدغن اور بندش لگائی جاتی ہے۔

مذہب اسلام چونکہ ایک کامل ومکمل نظام حیات اور فطرت کے مطابق قانون الٰہی ہے اس لئے اسلام میں جرائم ومعاصی کی حرمت کے ساتھ جرائم ومعاصی کے ان اسباب وذرائع کو بھی حرام وممنوع قرار دیدیا گیا جو بالعموم بطور عادت جاریہ کے ان جرائم تک پہنچانے والے ہیں۔ مثلاً شراب پینے کو حرام کیا گیا تو شراب کے بنانے ، بیچنے ، خریدنے اور کسی کو دینے کو بھی حرام

کر دیا گیا۔ سود کو حرام کیا تو سود سے ملتے جلتے سارے معاملات کو بھی ناجائز اور ممنوع کر دیا گیا۔ شرک و بت پرستی کو جرم عظیم اور نا قابل معافی جرم ٹھہرا لیا گیا تو اس کے اسباب وذرائع ______ مجسمہ سازی و بت تراشی اور صورت گری کو بھی حرام اور ان کے استعمال کو ناجائز کر دیا گیا۔

اسی طرح جب شریعت اسلامی میں زنا کو حرام کر دیا گیا تو اس کے تمام قریبی اسباب وذرائع اور مقدمات پر بھی سخت پابندی لگا دی گئی چناں چہ اجنبی عورت پر شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا، اس کی باتوں کے سننے کو کانوں کا زنا، اس کے چھونے کو ہاتھوں کا زنا، اس کے پاس جانے کو پیروں کا زنا ٹھہرالیا گیا۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں وارد ہے۔

العینان زنا هما النظر، والاذنان زنا هما الاستماع، واللسان زناه الکلام، و الید زناها البطش، والرجل زناها الخطیٰ

"الحدیث" (مشکوٰۃ، ص: ۲۰ باب الایمان بالقدر)

آنکھوں کا زنا (اجنبی عورت کی جانب شہوت سے) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا، شہوت سے اجنبی عورت کی باتوں کی طرف کان لگانا ہے، زبان کا زنا اس سے گفتگو کرنا ہے، ہاتھ کا زنا اس کو چھونا و پکڑنا ہے، پیروں کا زنا اس کی طرف (غلط ارادہ سے) جانا ہے۔

برے ارادے سے کسی اجنبی عورت کی جانب دیکھنا اس کی باتوں کی جانب متوجہ ہونا، اس سے بات چیت کرنا اس کو چھونا و پکڑنا اس کے پاس جانا یہ سارے کام حقیقتاً زنا نہیں بلکہ زنا کے اسباب ومقدمات میں سے ہیں مگر انہیں بھی حدیث میں زنا سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ امت سمجھ جائے کہ زنا کی طرح اس کے مقدمات واسباب بھی شریعت میں حرام وممنوع ہیں۔ انہیں شہوانی جرائم سے بچانے کے لئے عورتوں کے واسطے پردہ کے احکام نازل

و نافذ کئے گئے۔

اس موقع پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ شریعت اسلامی کا مزاج تنگی و دشواری کے بجائے سہولت و آسانی کی جانب مائل ہے اس سلسلے میں کتاب الٰہی کا واضح اعلان ہے "مَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ" دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں ڈالی گئی ہے اس لئے اسباب و ذرائع کے بارے میں فطرت سے ہم آہنگ یہ حکمت آمیز فیصلہ کیا گیا کہ جو امور کسی معصیت کا ایسا سبب قریب ہوں کہ عام عادت کے اعتبار سے ان کا کرنے والا اس معصیت میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے، ایسے قریبی اسباب کو شریعتِ اسلام نے اصل معصیت کے حکم میں رکھ کر انہیں بھی ممنوع و حرام کر دیا۔ اور جن اسباب کا تعلق معصیت اور گناہ سے دور کا ہے کہ ان کے اختیار کرنے اور عمل میں لانے سے گناہ میں مبتلا ہونا عادتاً لازم و ضروری تو نہیں مگر ان کا کچھ نہ کچھ دخل گناہ میں ضرور ہے ایسے اسباب و ذرائع کو مکروہ قرار دیا اور جو اسباب ایسے ہیں کہ معصیت میں ان کا دخل شاذ و نادر کے درجہ میں ہے ان کو مباحات میں داخل کر دیا۔

اس سلسلے کی یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب قرار دیکر حرام کر دیا ہے وہ تمام مسلمانوں کے لئے حرام ہیں خواہ وہ کام کسی کے لئے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنیں یا نہ بنیں اب وہ خود ایک حکم شرعی ہے جس پر عمل سب کے لئے لازم اور اس کی مخالفت حرام ہے۔

اس کے بعد سمجھئے کہ عورتوں کا پردہ بھی شرعاً اسی سد ذرائع کے اصول پر مبنی ہے کہ ترکِ پردہ گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ اس میں کسی جوان مرد کے سامنے جوان عورت کا بدن کھولنا گناہ میں مبتلا ہونے کا قریبی سبب ہے کہ عادتاً آدمی ایسی صورت حال میں بالعموم گناہ میں لازمی طور پر مبتلا

ہو جاتا ہے اس لئے یہ صورت شریعت کی نظر میں زنا کی طرح حرام ہے کیونکہ شریعت میں اس عمل کو فاحشہ کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا یہ سب کے حق میں حرام ہوگا۔ البتہ مواقع ضرورت علاج وغیرہ کا مستثنیٰ ہونا ایک الگ حکم شرعی ہے اس استثنائی حکم سے اصل حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پھر یہ مسئلہ اور حکم اوقات وحالات سے بھی متاثر نہیں ہوتا اسلام کے عہد زریں اور خیر وصلاح میں بھی اس کا حکم وہی تھا جو آج کے دور ظلمت اور شر وفساد کے زمانہ میں ہے۔

دوسرا درجہ ترک پردہ کا یہ ہے کہ گھر کی چہار دیواری سے باہر برقع یا دراز چادر سے پورا بدن چھپا کر نکلے۔ یہ فتنہ کا سبب بعید ہے۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر ایسا کرنا فتنہ کا سبب ہو تو ناجائز ہے اور جہاں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو وہاں جائز ہوگا۔ اسی لئے اس صورت کا حکم زمانے اور حالات کے بدلنے سے بدل سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد خیر مہد میں اس طرح سے عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا فتنہ کا سبب نہیں تھا اس لئے آپ (ﷺ) نے عورتوں کو برقع وغیرہ میں سارا بدن چھپا کر چند شرائط کے ساتھ مسجدوں میں آنے کی اجازت دی تھی اور ان کو مسجدوں میں آنے سے روکنے کو منع فرمایا تھا اگرچہ اس وقت بھی عورتوں کو ترغیب اسی کی دی جاتی تھی کہ وہ گھروں میں ہی نماز ادا کریں کیونکہ ان کے لئے مسجد کے مقابلہ میں گھر کے اندر نماز پڑھنا زیادہ باعث ثواب اور افضل ہے۔ چناں چہ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں "**لم یختلفوا ان صلاۃ المراۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی المسجد**" (التمہید، ج:۱۱، ص:۱۹۶) اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت کی گھر میں نماز مسجد میں نماز سے افضل و بہتر ہے۔

آپ کی وفات کے بعد وہ حالات باقی نہیں رہے۔ بلکہ طبیعتوں میں تغیر اور قلبی اطمینان میں فتور پیدا ہو گیا چناں چہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

کا بیان ہے "ما نفضنا ایدینا عن قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انکرنا قلوبنا" (التمہید للحافظ ابن عبدالبر، ج:۳، ص:۳۹۴ مطبوعہ ۱۴۱۰ھ رواہ الترمذی فی الشمائل، ص:۲۷، عن انس رضی اللہ عنہ) ہم نے ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی کہ اپنے دلوں کی بدلتی ہوئی کیفیت کو محسوس کیا علاوہ ازیں جن شرائط کے ساتھ مسجد میں حاضری کی اجازت دی گئی تھی ان کی پابندی میں دن بدن کوتاہی بڑھتی رہی اسی تغیر حالات کی جانب مزاج شناس نبوت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرماتے ہوئے امت کو متنبہ فرمایا ہے کہ آج کے حالات اگر رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے اس لئے عام صحابہ کرام نے یہی فیصلہ کیا کہ حالات کی اس تبدیلی کی بناء پر اب عورتوں کا مسجد میں آنا فتنہ سے خالی نہیں رہا اس لئے ان حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا۔

موضوع زیر بحث سے متعلق اس ضروری تمہید کے بعد احادیث و آثار ملاحظہ کیجئے جن پر اس مسئلہ کا مدار ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و اقوال پیش نظر رہیں تو مسئلہ کی اصل حقیقت تک پہنچنے میں انشاء اللہ کوئی دشواری نہیں ہوگی اور صحیح حکم منقح ہو کر سامنے آجائے گا۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ جمہور فقہاء و محدثین اس پر متفق ہیں کہ خواتین اسلام پر مسجد میں حاضر ہو کر جماعت میں شرکت از روئے شریعت واجب اور ضروری نہیں اور نہ انہیں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ ان تمام احادیث سے جن میں عورتوں کو اپنے گھروں میں نماز ادا

کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔یہی حکم شرعی ثابت ہوتا ہے۔اسی طرح حضرات فقہاء و محدثین بغیر کسی اختلاف کے اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں خواتین اسلام جمعہ و جماعت میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور انہیں بارگاہ رسالت سے چند شرطوں کے ساتھ اجازت حاصل تھی۔ مسئلہ زیر بحث کا یہ پہلو بھی اس وقت ہمارے غور و فکر کا اصل محور نہیں ہے، بلکہ بحث و نظر کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ اس دور فتنہ و فساد میں جبکہ جنسی انارکی اور شہوانی بے راہ روی کی قدم قدم پر نہ صرف افزائش بلکہ ہمت افزائی ہو رہی ہے۔ دین و مذہب اور حیا و مروت کے سارے بندھن ٹوٹ گئے ہیں کوچہ و بازار کا کیا ذکر شرور و فتن کی خود سر موجیں گھروں کی چہار دیواری سے ٹکرانے لگی ہیں، کیا ایسے فساد انگیز حالات میں بھی خواتین اسلام اور عفت مآب ماؤں بہنوں اور بہو بیٹیوں کو گھروں کی چہار دیواری سے باہر نکل کر جمعہ و جماعت میں مردوں کے دوش بدوش شریک ہونے کی اجازت مقاصد شریعت سے ہم آہنگ اور اصول سد ذرائع کے مطابق ہے۔

فقہائے اسلام بیک زبان یہ کہتے ہیں کہ ایسے فساد آمیز حالات میں عورتوں کے لئے گھر سے باہر آ کر مسجدوں میں حاضر ہونا مقاصد شریعت اور اصول سد ذرائع کے خلاف ہے اس لئے ان حالات میں شرعاً اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جبکہ بعض لوگ گرد و پیش سے آنکھیں بند کر کے اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ خیر القرون اور عہد رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرح آج بھی عورتوں کو مسجدوں میں آ کر جمعہ و جماعت میں شریک ہونا جائز اور اسلامی تقاضے کے مطابق ہے۔ اب احادیث و آثار کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ کس فریق کا نقطہ نظر اسلامی اصول و ضوابط کے تحت درست اور صحیح ہے۔

وہ احادیث جن سے بظاہر کسی قید و شرط کے بغیر مساجد میں حاضری کا جواز سمجھ میں آتا ہے

۱- عن سالم بن عبدالله عن ابیهؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اذا استاذنت امرأة احدکم فلا یمنعها.

(صحیح بخاری، ج:۲، ص:۸۸۷، و صحیح مسلم، ج:۱، ص:۱۸۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، تمہاری بیوی جب (مسجد آنے کی) اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرو۔

۲- عن ابن عمرؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا تمنعوا اماء الله مساجد الله (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۱۸۳)

و سنن ابی داؤد، ج:۱، ص:۱۸۴ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مساجد میں آنے سے نہ روکو۔

۳- عن ابن عمرؓ یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اذا استاذنکم نساء کم الی المساجد فاذنوا لهن.

(صحیح مسلم، ج:۱، ص:۱۸۳)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم سے تمہاری عورتیں مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دیدو۔

٤- وعن عمر بن خطابؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تمنعوا اماء الله مساجد الله.

(رواہ ابو یعلیٰ ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد، ج: ۲، ص: ۳۳)

عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

تشریح: ان احادیث میں عورتوں کو مساجد جانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے اور خود جانا چاہیں تو انہیں آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کا مساجد میں نماز کے لئے جانا بھی مرد کی اذن واجازت ہی سے ہونا چاہیے، اب مرد کو اختیار ہے کہ وہ جیسی مصلحت سمجھے اجازت دے یا نہ دے کیوں کہ اگر وہ اجازت دینے پر مجبور ہوتا تو "استیذان" اجازت مانگنے کی قید عبث اور بے فائدہ تھی، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدس اور بابرکت دور میں عورتوں کے قیم اور ان کے امور کے کار پرداز (شوہروں) کو یہ صلاح اور ہدایت دیتے رہے ہیں کہ ہر وقت نہیں صرف شب میں (جیسا کہ آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا) جو نسبتاً ستر اور پوشیدگی کا وقت ہوتا ہے اگر عورتیں مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو خواہ مخواہ اوہام اور وساوس کی بناء پر انہیں مساجد آنے سے روکنے کی ضرورت نہیں۔

مشہور شارح حدیث امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

هٰذا وشبهه من احادیث الباب ظاهر فی انها لا تمنع المسجد، لکن بشروط ذکرها العلماء ماخوذة من الاحادیث وهو ان لاتکون متطیبة، ولا متزینة، ولاذات خلاخل یسمع صوتها، ولاثیاب فاخرة، ولا مختلطة بالرجال ولاشابة، ونحوها ممن یفتتن بها، وان لا یکون فی الطریق ما یخاف به مفسدة ونحوها، وهٰذالنهی عن منعهن من الخروج محمول علی کراهیة التنزیه. (صحیح مسلم مع شرح النووی، ج: ۱، ص: ۱۸۳)

یہ حدیث اور اس باب سے متعلق اسی معنی کی دوسری حدیثوں کا ظاہری

مفاد یہی ہے کہ عورتوں کو مطلقاً مسجد میں آنے سے روکا نہ جائے۔ لیکن علمائے دین نے اس خروج کے لئے کچھ شرطیں بیان کی ہیں جو احادیث سے اخذ کی گئی ہیں وہ شرطیں یہ ہیں کہ (گھر سے نکلنے کے وقت) خوشبو لگائے ہوئے نہ ہو، بنی سنوری نہ ہو، بجتے ہوئے پازیب پہنے ہوئے نہ ہو، دلکش وجاذب نظر کپڑے زیب تن نہ ہوں، (راستے و مسجد میں) مردوں کے ساتھ اختلاط گتھی اور ملی نہ ہو۔ جوان نہ ہو، اور نہ ایسی ہو کہ جوانوں کی طرح اس سے فتنہ کا اندیشہ ہو، اور (مسجد آنے کا راستہ بھی) فتنہ وفساد وغیرہ سے مامون ہو اور عورتوں کو مسجد آنے سے روکنے کے متعلق حدیث میں وارد نہی کراہیت تنزیہی پر محمول کی گئی ہے یعنی ان تمام مذکورہ شرطوں کی پابندی کرتے ہوئے اگر کوئی عورت مسجد آئے تو اس صورت میں اسے روکنا شرعاً مکروہ تنزیہی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان شرائط کے ساتھ عورتوں کی مسجد میں حاضری صرف جائز و مباح ہے سنت یا واجب نہیں ورنہ انہیں مساجد آنے سے روکنا مکروہ تنزیہی کے بجائے مکروہ تحریمی یا حرام ہوتا۔ اور نہ اس حاضری کے لئے انہیں اپنے شوہروں اور سرپرستوں سے اجازت لینی پڑتی چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"وفیه اشارة الیٰ ان الاذن المذکور لغیر الوجوب لانه لوکان واجبا لا نتفیٰ معنی الاستیذان، لان ذالك انما یتحقق اذا کان المستاذن مخیرا فی الاجابة او الرد"

فتح الباری، ج: ۲، ص: ۴۴۲ باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس)(۱)

اور حدیث میں مذکور اجازت دینے کا حکم اس بات کو بتارہا ہے کہ اجازت امر غیر واجب کے لئے ہے اس لئے کہ مسجدوں کی حاضری اگر عورتوں پر واجب ہوتی تو اجازت لینے کا سوال ہی نہیں کیوں کہ اجازت ایسے موقع پر لی

جاتی ہے جہاں مستاذن (جس سے اجازت لی جائے) کو اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار ہو (اور کسی امر واجب سے روکنے کا کسی کو شرعاً اختیار نہیں)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ مذکورہ بالا حدیث صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:

”قال ابن دقيق العيد هٰذا الحديث عام فی النساء الا ان الفقهاء خصوه بشروط منها ان لا تطيب وهو فی بعض الروايات– ”وليخرجن تفلات“ ...... وقال يلحق با لطيب مافی معناه لان سبب المنع منه مافيه من تحريك داعية الشهوة كحسن الملبس،والحلى الذى يظهر، والزينة الفاخرة ، وكذا الاختلاط بالرجال ـــــــ وقد ورد فی بعض طرق هٰذالحديث وغيره مايدل ان صلوٰة المرأة فی بيتها افضل من صلوٰتها فی المسجد وذٰلك فی رواية حبيب بن ابی ثابت عن ابن عمر بلفظ ”لاتمنعوا نساء كم المساجد وبيوتهن خير لهن“ اخرجه ابو داؤد وصححه ابن خزيمة ووجه كون صلوٰتها فی الاخفاء افضل تحقيق الامن من الفتة ويتاكد ذٰلك بعد وجود مااحدث النساء من التبرج والزينة ومن ثم قالت عائشة ما قالت“

(فتح الباری، ج: ۲، ص: ۴۴۴)

حافظ ابوالفتح ابن دقیق العید فرماتے ہیں یہ حدیث تمام عورتوں کے حق میں (بظاہر) عام ہے مگر فقہاء اسلام نے اس عموم کو شرطوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ (مسجد میں حاضر ہونے والی عورت) خوشبو سے معطر نہ ہو، یہ شرط بعض احادیث میں ”وليخرجن تفلات“ (یعنی گھروں سے بغیر خوشبو کے استعمالی کپڑوں کی بو کے ساتھ نکلیں) کے الفاظ کیساتھ مصرح ہے۔ اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہوگا جس کے اندر خوشبو کی

طرح تحریک شہوت کی صفت پائی جائے کیونکہ (گھر سے نکلنے کے وقت) خوشبو استعمال کرنے کی ممانعت کا سبب یہی ہے کہ اس سے جذبہ شہوت میں تحریک اور بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ (لہٰذا ہر وہ حالت جو اس جذبہ کی تحریک کا سبب بنے وہ بھی استعمال خوشبو کی طرح ممنوع ہوگی) جیسے خوبصورت کپڑے، نمایاں زیورات، قابل ذکر آرائش، اور اسی طرح مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونا ——— پھر اس حدیث کی بعض سندوں میں اور اس کے علاوہ دیگر احادیث میں وہ الفاظ آتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا اپنے گھر میں نماز ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے افضل و بہتر ہے جیسے حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر کی روایت میں ہے "**لاتمنعوا نساء کم المساجد وبیوتھن خیر لھن**" (اپنی عورتوں کو مساجد آنے سے نہ روکو اور ان کے گھر ادائے نماز کے واسطے ان عورتوں کے حق میں بہت بہتر ہیں) اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور امام الائمہ ابن خزیمہ نے اس کو صحیح بتلایا ہے۔

زیادہ سے زیادہ پوشیدگی اور پردے کی حالت میں عورتوں کی نماز افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں فتنہ سے پوری طرح امن و حفاظت حاصل ہو جاتی ہے ——— اور عورتوں میں (بلا لحاظ حکم شریعت) آرائش جمال اور مردوں کے سامنے جلوہ آرائی کی رسم بد پیدا ہو جانے کے بعد ان کے لئے مساجد کی حاضری کے بجائے گھروں میں نماز ادا کرنے کا حکم مزید مؤکد ہو جاتا ہے (اس لئے ان حالات میں ان کی حاضری سے متعلق حکم سابق باقی نہیں رہ سکتا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ارشاد "**لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ماحدث النساء لمنعهن المسجد**" الخ. (اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عہد مبارک میں عورتوں کی اس رسم بد کا ظہور ہو گیا ہوتا تو آپ انہیں مسجدوں میں آنے سے

روک دیتے) میں اسی تبدیلیٔ حالات سے تبدیلیٔ حکم کی بات کہی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس اثر سے متعلق تفصیلات آئندہ صفحات میں آرہی ہیں۔ وہیں اس اثر کے بارے میں تفصیلات ملاحظہ کی جائیں۔

شارحین حدیث کی ان تشریحات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چند شرطوں کی پابندی کے ساتھ مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت تھی اور اس وقت بھی ان کے لئے اپنے گھر میں نماز ادا کرنا ہی افضل و بہتر تھا۔

مشہور غیر مقلد عالم و محدث مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری نے بھی امام نووی شارح مسلم اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکوہ بالا عبارت شرح ترمذی میں نقل کی ہے اور صراحت کے ساتھ یہ بات لکھی ہے کہ عورت کی نماز اپنے گھر میں اس کی مسجد کی نماز سے افضل ہے۔

(دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج: ۳، ص: ۱۴۳ مطبوعہ المکتبہ التجاریہ مصطفےٰ احمد الباز ۱۴۱۵ھ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک (جسے زبان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے "خیر القرون قرنی" کا شرفِ لازوال حاصل ہے، اپنے اندر جس قدر خیر و صلاح کو سمیٹے ہوئے تھا آج کے اس پرفتن دور میں اس کا صحیح اندازہ بھی بس سے باہر ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت سے ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آگیا تھا جسے خود خدائے علیم و خبیر نے خیر امت کا انتہائی عظیم و قابل فخر خطاب مرحمت فرمایا ہے اس معاشرہ کے ایک ایک فرد کے دل ایمان و یقین سے مزین تھے کفر و معصیت سے انہیں طبعی نفرت ہو گئی تھی جس کی شہادت قرآن میں ان الفاظ میں دی ہے **حبب الیکم الایمان وزینہٗ فی قلوبکم و کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان**۔ ان کی تمام تر توجہات اور جہد و عمل کا مرکز و محور بس

فضل ربانی کی طلب اور رضاء الٰہی کی جستجو تھی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کے شب و روز کا مشغلہ تھا۔ ایک ایسے صالح ترین اور مثالی معاشرے میں عورتوں کو اجازت دی گئی تھی کہ اگر وہ مسجد میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں با جماعت نماز ادا کرنے کا دینی شوق رکھتی ہیں تو شرائط کی پابندی کے ساتھ اپنی اس ایمانی خواہش کو پورا کرسکتی ہیں اور انہیں اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کے شوہروں وغیرہ کو ہدایت دی گئی کہ وہ انہیں مسجدوں میں حاضر ہونے سے نہ روکیں۔ پھر ان کی اس حاضری میں یہ عظیم فائدہ بھی مضمر تھا کہ انہیں براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی سعادت بے نہایت کا موقع بھی مل جاتا تھا۔

مسند ہند شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اس سلسلہ میں بڑی دلنشیں بات کہی ہے وہ لکھتے ہیں۔

ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم: "اذا استاذنت امرأة احدكم الى المساجد فلا يمنعها" وبين ما حكم جمهور الصحابة من منعهن اذالنهى الغيرة التى تنبعث من الانفة دون خوف الفتنة، والجائز مافيه خوف الفتنة، وذالك قوله صلى الله عليه وسلم الغيرة غير تان الحديث" (يعنى احدهما ما يحب الله وثانيهما ما يبغض الله فالاولىٰ الغيرة فى الريبة اى موضع التهمة والثانية الغيرة فى غير ريبة)

(الحجۃ اللہ البالغہ مترجم، ج: ۳، ص: ۶۰ مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۹۸۶)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے نہ روکو، اور جمہور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو عورتوں کو اس سے روکا، تو اس میں کوئی اختلاف نہیں

ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس روکنے سے منع فرمایا ہے۔

یہ وہ رکاوٹ ہے جو اس غیرت کی وجہ سے ہو جس کا سرچشمہ کبر ونخوت ہے نہ کہ فتنہ وابتلائے معصیت کا اندیشہ (اور صحابۂ کرام نے اپنے زمانہ میں جو عورتوں کو مسجد سے روکا) تو وہ اس جائز غیرت کی وجہ سے جو خوف فتنہ کی بناء پر تھی چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہے کہ "الغیرۃ غیرتان" تا آخر حدیث۔یعنی غیرت کی دو قسم ہے ان میں کی ایک اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور دوسری اللہ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ ہے پسندیدہ وہ غیرت ہے جو موقع تہمت اور خوفِ فتنہ ومعصیت کی وجہ سے ہو اور ناپسندیدہ وہ غیرت ہے جو کبر ونخوت کی بناء پر ہو۔

مطلب یہ ہے کہ عہدِ رسالت جو خیر وصلاح سے معمور اور فتنہ وفساد سے مامون تھا اس نور افشاں ہدایت افزا اور پاکیزہ ماحول میں مردوں کا عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکنا کسی جذبہ خیر کی بناء پر نہ ہوتا بلکہ اپنی شیخی وبے جا احساس برتری جتانے کے لئے ہوتا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی اصلاح باطن کے پیش نظر منع فرمادیا کہ وہ اللہ کی بندیوں کو مسجد وں میں آنے سے نہ روکیں۔

پھر اس مسئلہ میں یہ نفسیاتی پہلو بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے حضرات صحابہ وصحابیات رضوان علیہم اجمعین کے اندر طلب فضل وخیر کا طبعی داعیہ پیدا ہو گیا تھا جس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ اس مقدس جماعت کا ہر ہر فرد رضاء الٰہی اور حصول حسنات کے لئے بے چین رہتا تھا بالخصوص خصوصی مواقع خیر مثلاً جمعہ جماعت اور جہاد وغیرہ میں پیچھے رہ جاتا ان کے لئے سوہان روح سے کم نہ تھا۔تحصیل فضل وکرامت کے اسی جذبۂ فراواں کے تحت عورتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں اپنی

عدم شرکت کا شکوہ بھی کیا اور اس کی مکافات چاہی۔

چناں چہ خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال (انس) جئن النساء الی رسول الله علیه وسلم فقلن یا رسول الله ذهب الرجال بالفضل والجهاد فی سبیل اله فمالنا عمل ندرك به عمل المجاهدین فی سبیل الله فقال رسول الله علیه وسلم من قعدت - او کلمة نحوها-منکن فی بیتها تدرك عمل المجاهدین. (ذکره الحافظ ابن کثیر فی جامع المسانید وقال رواه ابو یعلیٰ عن نصر بن علی ومحمد بن الحسن وغیرهما عن ابی رجاء عن (روح بن المسیب) به" جامع المسانید، ج: ۲۱، ص: ۲٤۰ وذکره ایضا الحافظ الهیثمی وقال رواه ابو یعلیٰ والبزار وفیه روح بن المسیب (ابو رجاء) وثقه ابن معین والبزار وضعفه ابن حبان وابن عدی" مجمع الزوائد، ج: ٤، ص: ۳۰٤) فهو حدیث حسن علی اصول المحدثین.

اب اگر ایسے جذباتی مسئلہ میں شوہروں اور دیگر سرپرستوں کی جانب سے عورتوں پر بندش عائد کی جاتی تو قوی اندیشہ تھا کہ عورتیں اس بندش کو برداشت نہ کر سکیں جس کے نتیجہ میں معاشرتی نظام اور گھریلو زندگی میں انتشار ہو سکتا تھا۔ اس لئے حکمتِ نبوت نے اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ مردوں کو روک دیا کہ وہ براہِ راست عورتوں کو جمعہ و جماعت میں شرکت سے منع نہ کریں اور خود عورتوں کو پابند کیا کہ اگر وہ اپنے اس جذبہ خیر کی تکمیل چاہتی ہیں تو فلاں فلاں شرائط کی پابندی کریں اور اسی کے ساتھ انہیں ترغیب بھی دیتے رہے کہ مساجد کے مقابلہ میں ان کے لئے گھروں میں نماز ادا کرنا بہتر اور افضل ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے شرح مسلم میں اس نفسیاتی مسئلہ

اور نبوی حکمت عملی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ویمکن ان یقال ان الزوج لا یمنع زوجته من تلقاء نفسه اذا استاذنته ان لم یکن فی خروجها مایدعوالی الفتنة من طیب اوحلی اوزینة وغیرها نعم یمنعهاالعلماء المفتون والامراء القائمون بدفع الفتنة وتغییر المنکرات لشیوع الفتن وعموم البلویٰ والزوج ایضاً یخبرها بمنع العلماء واولی الامر والله اعلم۔" (فتح الملہم، ج:۲، ص:۶۹)

اور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب عورتیں شرائط کی پابندی کرتے ہوئے مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو ان کے شوہر براہ راست خود انہیں نہ روکیں ہاں اہل فتویٰ علماء اور معاشرہ کو فتنہ ومنکرات سے محفوظ رکھنے کے ذمہ دار امراء و حکام فتنوں کے پھیل جانے اور اس میں عمومی ابتلاء کے پیش نظر عورتوں کو مساجد میں آنے اور جمعہ و جماعت میں شریک ہونے سے روک دیں اور ان کے شوہر بھی علماء و حکام کی اس پابندی کی انہیں خبر کر سکتے ہیں"۔

۵- عن سالم بن عبدالله بن عمر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لاتمنعوا نساء کم المساجد اذا استاذنکم الیها قال فقال بلال بن عبدالله والله لنمنعهن فا قبل علیه عبدالله فسبّه سباً ما سمعته سبه مثله قط وقال اخبرك عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وتقول والله لنمنعهن .

(مسلم، ج:۱، ص:۱۸۳)

سالم بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکو جب وہ تم سے اس کی اجازت طلب کریں۔

سالم نے بیان کیا (یہ سن کر) بلال بن عبد اللہ نے کہا کہ بخدا ہم تو انہیں روکیں گے۔ تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور انہیں اس قدر برا بھلا کہا کہ میں نے انہیں بلال کو اس طرح برا بھلا کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا اور فرمایا کہ میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان (مبارک) بیان کر رہا ہوں اور تو (اس کے مقابلہ میں) کہتا ہے کہ ہم انہیں ضرور روکیں گے۔

تشریح: اس حدیث سے بھی بظاہر یہی ثابت ہو رہا ہے کہ عورتوں کو بغیر کسی قید و شرط کے مسجد جانے کی اجازت ہے لیکن یہ حدیث بھی مذکورہ بالا حدیثوں کی طرح مشروط ہے چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں "**ولا یخفیٰ ان محل ذالك اذا امنت المفسدة منهن وعلیهن**" (فتح الباری، ج: ۲، ص: ۴۴۳) یہ بات مخفی نہیں ہے یہ اجازت اسی وقت ہوگی جب کہ عورتوں کی ذات سے کسی فساد کا اندیشہ نہ ہو اور اسی طرح خود عورتیں دوسروں کے مفسدہ سے مامون ہوں۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سن کر ان کے بیٹے بلال نے کہا بخدا میں تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کروں گا، طبرانی کی روایت میں خود ان کی زبانی یہ الفاظ ذکر کئے گئے۔ **فقلت امالنا فساء منع اهلی فمن شاء فلیسرح اهله** (فتح الباری، ج: ۲، ص: ۴۴۲) بلال کہتے ہیں میں نے کہا بہر حال میں تو اپنی بیوی کو منع کروں گا اور جس کا جی چاہے وہ اس پابندی سے اپنی بیوی کو آزاد کردے۔

بلال نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اب عورتوں میں پہلے جیسی احتیاط نہیں رہی اور جن شرائط کے ساتھ انہیں مسجد آنے کی اجازت دی گئی تھی ان کی پابندی سے غفلت ولا پرواہی برتی جارہی ہے۔ بلال نے معاذ اللہ فرمان نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے معارضہ ومقابلہ کے طور

پر یہ بات نہیں کہی تھی بلکہ دینی غیرت وحمیت کے تحت کہا تھا۔
مگر تعبیر میں ان سے چوک ہوگئی جس کی وجہ سے بظاہر معارضہ ومقابلہ کی صورت پیدا ہوگئی اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسا فدائی سنتِ رسول اسے کیونکر برداشت کر سکتا تھا اس لئے بیٹے کی اس بات پر وہ انتہائی ناراض ہوئے اور سخت وست کہا۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکانه قال لمارایٔ من فساد بعض النساء فی ذالك الوقت وحملته علی ذالك الغیرة،وانما انکر علیه ابن عمر لتصریحه بمخالفة الحدیث،والافلو قال مثلا ان الزمان قد تغیر وان بعضهن ربما ظهر منه قصد المسجد واضمارغیره لکان یظهران لا ینکر علیه" (فتح الباری،ج:۲،ص:۳۴۴)

بلال بن عبد اللہ نے یہ بات عورتوں کے بگاڑ کے پیش نظر دینی غیرت کی بناء پر کہی تھی۔ اور عبد اللہ بن عمر نے ان کی اس بات پر انکار اور اظہار ناراضگی اس وجہ سے کیا کہ (انہوں نے بغیر وجہ بیان کیے) براہ راست فرمان رسول کی مخالفت کی ورنہ اگر وہ یوں کہتے کہ اب حالات بدل گئے ہیں اور بعض عورتیں بظاہر مسجد جانے کے لئے ہی گھر سے نکلتی ہیں لیکن ان کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے تو اس صورت میں ظاہر یہی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ناراض نہ ہوتے۔
حافظ ابن حجر کی اس توجیہ وتشریح کا مفاد یہی ہے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن تغیر زمانہ اور حالات کی تبدیلی کے بعد یہ حکم بھی بدل گیا اور اب عورتوں کا مسجد میں نہ آنا ہی مقتضائے شریعت کے مطابق ہے۔

﴿۲﴾ وہ احادیث جن سے صرف شب کی تاریکی میں مسجد جانے کا جواز ثابت ہوتا ہے

۶- عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا استاذنکم نساء کم باللیل الی المسجد فأذنوا لھن،

(بخاری، ج:۱، ص:۱۱۹، و ۱۲۳، ج:۲، ص:۷۸۸)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تمہاری عورتیں تم سے رات میں مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دیدو۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ائذنوا النساء باللیل الی المساجد فقال ابن لہ یقال لہ واقد اذاً یتخذ نہ دغلاً قال فضرب فی صدرہ وقال احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول لا، (مسلم، ج:۱، ص:۱۸۳)

عبداللہ بن عمر رضی للہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ رات میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دو (یہ حدیث سن کر) ان کے بیٹے واقد نے کہا اس اجازت کو عورتیں فساد اور مکر و فریب کا ذریعہ بنالیں گی (یعنی اس صورت میں انہیں اجازت نہیں دی جائے گی) راویٔ حدیث مجاہد نے کہا (بیٹے کا یہ جملہ سن کر) حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کے سینے پر تادیباً مارا اور فرمایا کہ میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تو (اس کے جواب) لا کہہ رہا ہے یعنی ہم تو انہیں اجازت نہیں دیں گے۔ حدیث نمبر پانچ میں اسی سے ملتا جلتا واقعہ حضرت عبداللہ کے دوسرے صاحبزادے بلال کا گزر چکا ہے اس جگہ

بھی واقد کے قول اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ردِ عمل کی وہی توجیہہ ہے جو بلال کے واقعہ میں بیان کی گئی ہے۔

تشریح: بخاری و مسلم کی ان دونوں روایتوں میں عورتوں کے لئے یہ اجازت رات کے وقت کے ساتھ مقید ہے بخاری کی حدیث نمبر ۶ کے تحت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری لکھتے ہیں:

قال الکرمانی فیه الدلیل ان النهار یخالف اللیل لنصه علی اللیل وحدیث لم تمنعوا اماء الله مساجد الله محمول علی اللیل ایضا،وفیه ینبغی ان یاذن لها و لا یمنعها مما فیه منفعتها وذٰلك اذالم یخف الفتنة علیها ولا بها وقد کان هو الا غلب فی ذالك الزمان انتهیٰ. (بخاری،ج:۱،ص:۱۱۹حاشیہ:۱۲)

اس حدیث میں لیل (رات) کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ دن کا حکم رات کے بر خلاف ہے (یعنی دن کو یہ اجازت نہیں ہو گی) اور حدیث لم تمنعوا اماء الله الخ جس میں عورتوں کو مسجد جانے سے روکنے کو مطلقاً منع کیا گیا ہے اس میں بھی رات کی یہ قید ملحوظ ہو گی یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ عورتوں کو ان امور سے نہ روکا جائے جن میں ان کا نفع ہو بشرطیکہ ہر طرح سے فتنہ وفساد سے امن ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں امن وصلاح ہی کا غلبہ تھا۔"

علامہ بدرالدین عینی نے بھی اپنے الفاظ میں بعینہ یہی بات لکھی ہے البتہ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: بخلاف زماننا هٰذا الفساد فیه فاش والمفسدون کثیر وحدیث عائشة رضی الله عنها الذی یاتی یدل علی هٰذا.

(عمدۃ القاری،ج:۶،ص:۱۵۷مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ پاکستان ۱۴۰۲ھ)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو صلاح وخیر اور امن

وامان کے غلبہ کا دور تھا رات کی تاریکی میں عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت تھی۔ برخلاف ہمارے زمانہ کے جب کہ فساد اور بگاڑ کا دور دورہ اور مفسدین کی کثرت ہے (یہ اجازت بھی نہیں رہی) جس پر حضرت عائشہؓ کی آگے آرہی حدیث دلالت کر رہی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب هل على من لايشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرهم" میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورتوں پر جمعہ واجب نہیں کیوں کہ اس حدیث کی رو سے انہیں رات میں مسجد آنے کی اجازت ہے دن میں نہیں اور نماز جمعہ دن میں ادا کی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ جمعہ ان پر فرض نہیں ورنہ انہیں دن میں آنے سے روکا نہ جاتا۔　(بخاری، ج:۱،، ص: ۱۲۳، حاشیہ: ۴)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

قال الاسماعيلي اور دالبخاری حديث مجاهد عن ابن عمر بلفظ"ائذنوا للنساء بالليل الى المساجد" او اراد بذالك ان الاذن انما وقع لهن بالليل فلا تدخل فيه الجمعة و رواية ابى اسامة التى اوردها بعدذالك تدل على خلاف ذالك يعنى قوله فيهما"لا تمنعوا اماء الله مساجد الله" انتهىٰ. والذى يظهر انه جنح الى ان هذا المطلق يحمل على ذالك المقيد والله اعلم فتح الباری، ج: ۲، ص: ۴۸۷،

حافظ عسقلانیؒ کی عبارت سے بھی صاف ظاہر طور پر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ بخاری کے نزدیک عورتوں کو یہ اجازت رات کے ساتھ مقید تھی۔

٭— عن ابن عمر قال كانت امرأة لعمر تشهد صلوٰة الصبح والعشاء فى الجماعة فى المسجد فقيل لها لم تخرجين وقد تعلمين ان عمر يكره ذالك ويغار، قالت فما يمنعه ان ينهانى قال

يمنعه قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تمنعوا اماء الله مساجد الله، (بخاری، ج:۱، ص:۱۲۳)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی فجر اور عشاء کے وقت مسجد جاکر جماعت میں شریک ہوتی تھیں، ان سے کہا گیا آپ (نماز کے لیے) مسجد کیوں جاتی ہیں حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور آپ کے باہر نکلنے پر انہیں غیرت آتی ہے، انہوں نے جواب دیا (اگر میرا مسجد میں جانا انہیں ناپسند ہے) تو مجھے اس سے روک دینے پر انہیں کیا چیز مانع ہے ان سے یہ گفتگو کرنے والے نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **لاتمنعوا اماء الله** الخ (اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو) اس سے مانع ہے۔

تشریح: امام بخاری نے اس حدیث کو مذکورہ باب کے تحت ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ زوجہ حضرت عمر مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اس قدر دلدادہ تھیں کہ حضرت عمر کی ناپسندیدگی کے باوجود اسے چھوڑنے پر تیار نہیں تھیں بایں ہمہ وہ ظہر وعصر کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتی تھی جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے حق میں یہ اجازت شب کی تاریکی کے ساتھ مقید تھی۔ ورنہ ان کے اس شوق فراواں کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ ظہر وعصر وغیرہ کی جماعت میں بھی شریک ہوں۔

مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تغیر احوال اور خوف فتنہ کی بناء پر شب میں بھی عورتوں کے مسجد میں آنے کو پسند نہیں کرتے تھے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے جب کہ زوجہ حضرت عمر کا خیال یہ تھا کہ ابھی حالات اس درجہ نہیں بگڑے ہیں کہ مسجد جانے میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اس لئے وہ اپنی ذات اور رائے پر اعتماد کرتے ہوئے جماعت میں شریک ہوتی رہیں لیکن بعد میں

جب انہیں یہ احساس ہوا کہ اب مسجد جا کر نماز پڑھنے کا زمانہ نہیں رہا تو انہوں نے مسجد جانا ترک کر دیا۔ ائمہ حدیث و سیر نے ان کے حالات وواقعات کی جو تفصیلات ذکر کی ہیں ان سے صاف طور پر یہی حقیقت سامنے آتی ہے، اس سلسلے میں حافظ ابن عبد البر قرطبی متوفی ۴۶۵ھ نے اپنی مشہور محققانہ تالیف التمہید میں جو تفصیلات درج کی ہیں اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ زوجہ جن کا ذکر اس روایت میں ہے وہ مشہور صحابی سعید بن زید (یکے از عشرہ مبشرہ) رضی اللہ عنہ کی بہن عاتکہ ،رید بن عمرو بن نفیل ہیں" یہ پہلے حضرت صدیق اکبر کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما کی زوجیت میں تھیں، حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا، عاتکہ نے تین شرطوں پر اپنی رضامندی ظاہر کی (۱) مجھے زدوکوب نہیں کریں گے (۲) حق بات سے منع نہیں کریں گے (۳) مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جا کر عشاء کی نماز ادا کرنے سے روکیں گے نہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان شرطوں کو منظور کر لیا اور عاتکہ ان کے حبالۂ نکاح میں آگئیں اور حضرت فاروق کی شہادت تک انہیں کی زوجیت میں رہیں"۔

"اضافہ ازمرتب" اور اپنی اس شرط کے مطابق عشاء اور فجر کی نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرتی رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوف فتنہ کی بناء پر ان کا مسجد جانا گراں گذرتا تھا۔ مگر ایفائے شرط کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں مسجد جانے سے صراحتاً منع نہیں کیا البتہ اپنی اس گرانی کا تذکرہ ان سے کرتے رہتے تھے چناں چہ امام زہری (مرسلاً) بیان کرتے ہیں کہ:

ان عاتکه بنت زید ابن عمرو بن نفیل و کانت تحت عمر بن الخطاب و کا[illegible] الصلاة فی المسجد و کان عمر یقول لها

انك لتعلمين ما احبَ هٰذا فقالت والله لا انتهى حتىٰ تنهانى قال انى لا انهاك، قالت فلقد طعن عمر يوم طعن وانهالفى المسجد .

مصنف عبدالرزاق، ج: ۳، ص: ۱۴۸)

حضرت عمر فاروق کی زوجہ عاتکہ بنت زید نماز باجماعت کے لئے مسجد جایا کرتی تھیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے کہتے بخدا تمہیں خوب معلوم ہے کہ مجھے تمہارا یہ جانا پسند نہیں ہے۔ وہ ان کے جواب میں کہتیں جب تک آپ صراحتاً منع نہیں کریں گے میں جاتی رہوں گی، (حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کی شرط اور اپنے وعدہ کے پاس ولحاظ میں) فرماتے میں تو تمہیں صاف منع نہیں کروں گا۔ حضرت عاتکہ بیان کرتی ہیں (میں حسب معمول فجر وعشاء مسجد نبوی میں ادا کرتی رہی حتی کہ) جس دن بحالت نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا گیا میں مسجد میں تھی" انتہی۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

"حضرت فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے انہیں سابقہ تینوں شرطوں پر اظہار رضا کیا حضرت زبیرؓ نے بھی یہ شرطیں منظور کرلیں اور نکاح ہو گیا۔ اور وہ حضرت زبیر کے گھر آگئیں، اور حسب معمول مسجد جاکر نماز باجماعت ادا کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بات حضرت زبیر پر شاق گذری جس پر حضرت عاتکہ نے کہا، کیا ارادہ ہے (شرط کی خلاف ورزی کرکے) کیا مجھے مسجد جانے سے روکنا چاہتے ہیں۔ (حضرت زبیر خاموش ہو گئے اور وہ مسجد جاتی رہیں) پھر جب حضرت زبیر پر صبر دشوار ہو گیا (اور قوت برداشت جواب دینے لگی) تو ایفائے شرط کا لحاظ کرتے ہوئے صراحتاً تو انہیں مسجد جانے سے منع نہیں کیا البتہ ایک لطیف تدبیر کے ذریعہ حضرت عاتکہ کو اس بات کا

احساس دلادیا کہ اب زمانہ مسجد جا کر نماز ادا کرنے کا نہیں رہا چنانچہ)ایک شب حضرت عاتکہ کے گھر سے نکلنے سے پہلے حضرت زبیر جا کر راستہ میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے اور حضرت عاتکہ جب وہاں سے گزریں تو پیچھے سے ان کے کمر کے نیچے ہاتھ مار کر وہاں سے کھسک گئے۔ خلاف توقع اچانک اس لا معلوم ہاتھ کی ضرب سے انہیں بڑی وحشت ہوئی اور تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگیں۔ اس واقعہ کی اگلی شب میں اذان کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی مگر وہ خلاف معمول مسجد جانے کی تیاری کرنے کے بجائے بیٹھی رہیں تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا خیریت تو ہے؟ اذان ہوگئی اور تم بیٹھی ہو؟ حضرت عاتکہ نے فرمایا "فسد الناس "لوگوں میں بگاڑ آگیا ہے (اب زمانہ مسجد جا کر نماز ادا کرنے کا نہیں رہا) "ولم تخرج بعد" اور اس کے بعد پھر کبھی مسجد جانے کے لئے گھر سے نہیں نکلیں (دیکھئے التمہید، ج: ۲۳، ص: از ۴۰۴ تا ۴۰۷)

حافظ ابن عبدالبر نے اپنی دوسری کتاب الاستیعاب میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ میں حضرت عاتکہ کے ترجمہ میں پوری تفصیل کے ساتھ ان کے حالات تحریر کئے اور اسی ضمن میں اس مذکورہ واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت عاتکہ نے اس تجربہ سے گذرنے کے بعد جو فیصلہ کیا حضرت عمر فاروق اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما نے چشم بصیرت سے ہی اس فساد اور بگاڑ کو دیکھ لیا تھا۔ اسی لئے انہیں ان کے باہر نکلنے پر ناگواری ہوتی تھی۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی تغیر حالات کو دیکھ کر فرمایا تھا "لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد" اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارک میں عورتوں کی موجودہ بے اعتدالیاں دیکھ لیتے تو انہیں مسجد آنے سے روک دیتے۔ اور اسی لئے حضرات فقہاء و محدثین اس زمانہ شر و فساد میں

گھر کی محفوظ چہار دیواری سے باہر نکل کر جمعہ و جماعت میں شریک ہونے سے عورتوں کو منع کرتے ہیں۔

وہ احادیث جن میں مسجد کی حاضری کے وقت پردہ کی پابندی زیب وزینت، خوشبو کے استعمال اورمردوں کے ساتھ اختلاط سے اجتناب کاحکم ہے

ضروری وضاحت: اس موقع پر یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ خواتین اسلام کے لئے اصل حکم تو یہی ہے کہ بغیرضرورت کے گھر سے باہر قدم نہ رکھیں چناں چہ سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ میں ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے "وَقَرنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الجَاھِلِیَّۃِ الأُولی" الآیۃ، تم اپنے گھروں میں قرار گیر رہو (مراد یہ ہے کہ پردہ میں اس طرح رہو کہ بدن اور لباس کچھ بھی نظر نہ آئے جو گھروں میں ٹھہرے رہنے سے حاصل ہوگا اور اسی حکم کی تاکید کے لئے فرمایا) قدیم زمانۂ جاہلیت کے رواج کے موافق مت پھرو (جس میں بے پردگی رائج تھی)

حافظ ابن کثیر آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ھٰذہ آداب امر اللہ تعالی بھانساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونساء الامت تبع لھافی ذالک............ "وقرن فی بیوتکن" ای الزمن بیوتکن فلاتخرجن لغیر حاجۃ ومن الحوائج الشرعیۃ الصلوٰۃ فی المسجد بشرطہ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لاتمنعوا اما ء اللہ مساجداللہ ولیخرجن وھن تفلات-وفی روایۃ-وبیوتھن خیر لھن" وقال الحافظ

ابوبکرالبزار حدثنا حمید بن مسعدة حدثنا ابو رجاء الکلبی روح بن المسیب ثقة حدثنا ثابت البنانی عن انس رضی الله عنه قال: جئن النساء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلن یا رسول الله ذهب الرجال بالفضل والجهاد فی سبیل الله تعالی فما لنا عمل ندرك به عمل المجاهدین فی سبیل الله تعالی؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم "من قعدت-او كلمة نحوها-منكن فی بیتها فانها تدرك عمل المجاهدین فی سبیل الله تعالی" ....وقال البزار ایضاً.......... عن عبدالله رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال" المرأة عورة فاذا اخرجت استشرفها الشیطان واقرب ماتكون بروحة ربها وهی قعر بیتها" رواه الترمذی.....نحوه.

یہ چند آداب ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کو حکم فرمایا ہے اور خواتین اسلام ان احکام میں ازواج مطہرات کی تابع ہیں........وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" یعنی اپنے گھروں سے چمٹی رہو اور بلا ضرورت (بشری یا شرعی) باہر نہ نکلو اور شرعی ضرورتوں میں سے ایک شرائط مقررہ کی پابندی کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنا بھی ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو اور وہ مسجد کے لئے نکلیں تو خوشبو نہ لگائے ہوں، اور ایک روایت میں (یہ زیادتی ہے) اور نماز پڑھنے کے لئے ان کے گھر ہی انکے لئے بہتر ہیں۔

اور حافظ ابوبکر بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ کچھ عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرد تو فضل

وجہاد کو لے اڑے لہٰذا ہمیں بھی کوئی ایسا کام بتایا جائے جس سے ہم جہاد کے ثواب کو پالیں؟

آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں جمی بیٹھی رہے (یا اسی کے ہم معنی کوئی کلمہ فرمایا) اسے راہِ خدا میں جہاد کا ثواب حاصل ہو جائے گا"

(اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستورات کا اپنے گھر کی چہار دیواری میں اپنے آپ کو مقید رکھنا ہی ان کے حق میں جہاد فی سبیل اللہ ہے اور بغیر اجازت شرعی کے گھر سے باہر نکلنا جہاد سے بھاگنا ہے)

اور حافظ بزار حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت سراپا پردہ ہے (اور جب وہ اپنے آپ کو بے پردہ کر کے) باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔ اور عورت اپنے رب کی رحمت و مہربانی سے سب سے قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔ امام ترمذی نے بھی اسی معنی کی حدیث ایک اور سند سے روایت کی ہے"۔

قرآن حکیم اور ان مذکورہ احادیث سے جنہیں حافظ ابن کثیر نے آیت کی تفسیر کے تحت نقل کی ہیں صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اسلامی شریعت میں عورت کی عملی سرگرمیوں کا مرکز اس کا اپنا گھر ہے اور اس کی زندگی کے سہانے اور رحمت آگیں لمحات وہی ہیں جو گھر کی چہار دیواریوں کے پرامن ماحول میں بسر ہوتے ہیں۔

فرمان الٰہی اور ارشاد رسول (ﷺ) کے مطابق عورت کے لئے اصل حکم تو "قرار فی البیوت" ہی ہے۔ لیکن اسلام چوں کہ دین فطرت ہے جس میں بیجا تنگی اور ناقابل تحمل پابندی کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے اس اصل حکم کے ساتھ یہ رخصت و رعایت بھی دی گئی ہے کہ بوقت ضرورت چند

باتوں کی رعایت کرتے ہوئے باہر نکل سکتی ہیں۔

چناں چہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "**قد اذن الله لكن ان تخرجن لحوائجكن (صحيح بخارى كتاب التفسير و كتاب النكاح باب خروج النساء لحوائجهن)** اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکل سکتی ہو۔

لیکن اس اجازت ورخصت کے ساتھ ایسے انتظامات کئے گئے کہ باہر کے ماحول سے عزت مآب خواتین اسلام کی عفت اور طہارت اخلاق مجروح نہ ہونے پائے اور نہ اسلامی معاشرہ ان کی وجہ سے ابتلاء و آزمائش کا شکار ہو۔اس لئے انہیں حکم دیا گیا کہ جب وہ کسی بشری یا شرعی ضرورت کے تحت گھروں سے باہر نکلیں تو درج ذیل امور کی پابندی کریں۔

الف: يُدنين عليهنَّ من جلابيبهنّ" بڑی چادر اوڑھ لیں جس سے آنکھوں کے سوا سر سے پاؤں تک پورا بدن ڈھک جائے۔

ب: "**يَغضُضنَ مِنْ اَبْصَارِهِنّ**" اپنی نظریں پست رکھیں، حتی الوسع کسی نامحرم پر نظر نہیں پڑنی چاہیے۔

ج: "**وَلاَ يُبدِينَ زِيْنَتَهُنَّ إلاَّ ماظَهَرَ مِنهَا**" اور اپنی پیدائشی اور بناوٹی زینت و آرائش کو ظاہر نہ ہونے دو البتہ جو بے قصد وارادہ خود سے کھل جائیں یا جن کا چھپانا بس سے باہر ہو اس کے کھلنے میں کوئی حرج نہیں۔

د: "**وَلاَيَضرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنّ**" زمین پر اس طرح پاؤں نہ ماریں کہ ان کے پازیب وغیرہ کی جھنکار سنی جائے۔یہی حکم عورت کے ہر اس حرکت وعمل کا ہے جس سے اس کے حسن و آرائش کی نمائش ہو اور وہ مردوں کی توجہ کا ذریعہ بنے۔اس باب سے متعلق جملہ احادیث درحقیقت انہیں احکام خداوندی کی تفسیر وتشریح اور احکام سے ماخوذ دیگر

شرطوں کا بیان ہیں اس ضروری وضاحت کے بعد عنوان سے متعلق ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کیجئے۔

پہلی شرط پردہ

۹ – عن عروة بن الزبير ان عائشة اخبرته قالت: كن نساء المؤمنات يشهدن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر متلففات بمروطهن ثم ينقلبن الى بيوتهن حين يقضين الصلٰوة لا يعرفن احد من الغلس"

(بخاری، ج:۱، ص: ۸۲و۱۲۰و مسلم، ج:۱، ص: ۲۳۰)

"عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ انہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ ایمان لانے والی عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر میں اس حال میں حاضر ہوتیں کہ وہ اپنی رنگین موٹی چادروں میں سر سے پیر تک لپٹی ہوتی تھیں پھر نماز سے فراغت کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں۔ صبح کی تاریکی کی وجہ سے انہیں کوئی پہچان نہیں پاتا تھا"

۱۰ – عن ابی هريرة قال كن النساء يصلّين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الغداة ثم يخرجن متلففات بمروطهن " رواه الطبرانی فی الاوسط من طريق محمد بن عمروبن علقمه واختلف فی الاحتجاج به"مجمع الزوائد ج: ۲ ،ص: ۳۳. ولكن معناه صحيح لثبوته من وجه آخر ازمرتب.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتی تھیں پھر اپنی رنگین موٹی چادروں میں لپٹی مسجد سے نکل جاتی تھیں"۔

یہ دونوں حدیثیں فرمان الٰہی ''یُدنین عَلیهن من جلا بیبهن'' کی عملی تعبیر ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ضرورت شرعی کے تحت عورتوں کے لئے باہر نکلنا اور مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے آنا اسی وقت جائز ہے کہ وہ اچھی طرح سے برقعہ یا لمبی چادر میں اپنے پورے جسم کو ڈھکے ہوئے ہوں۔

دوسری شرط خوشبو کے استعمال سے اجتناب

۱۱ - عن زینب امرأة عبدالله قالت قال لنا رسول الله : اذاشهدت احدی کن المسجد فلا تمس طیبا'' (مسلم ج:۱، ص: ۱۸۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم عورتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا مسجد آنے کا ارادہ ہو تو خوشبو نہ استعمال کرے۔

۱۲ - عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ایما امرأة اصابت بخورافلاتشهد معنا العشاء الآخرة'' (مسلم: ج:۱، ص: ۱۸۳)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے بھی خوشبو کی دھونی لی ہو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی جماعت میں حاضر نہ ہو''۔

۱۳ - عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ولکن لیخرجن وهن تفلات.

حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو لیکن وہ گھروں سے اس حالت میں نکلیں کہ ترک خوشبو کی وجہ سے ان کے کپڑوں سے بو آتی ہو'' مسند احمد، ج:۱۹،

ص:۳۸او قال المحقق الشیخ احمد محمد شاکر اسنادہ صحیح وسنن ابی داوٗد، ج:۱، ص:۸۴ واسنادہ حسن و موارد الظمآن، ص:۱۰۲)

١٤ – عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ائذنوا للنساء بالليل الى المساجد تفلات،ليث الذى ذكر تفلات"

(مسند احمد، ج۸، ص۸۲ وقال المحقق الشیخ احمدمحمد شاکر اسنادہ صحیح)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا عورتوں کو اجازت دو کہ وہ رات میں مسجد میں آئیں اس حال میں کہ ترک خوشبو سے ان کے کپڑوں سے خراب بو آرہی ہو۔

تنبیہ: "لیث الذی ذکر تفلات" امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ اس جملہ سے یہ وضاحت کررہے ہیں کہ اس حدیث کو مجاہد عن ابن عمر سے روایت کرنے والے دو راویوں لیث (ابن ابی سلیم) اور ابراہیم بن المہاجر میں سے لیث نے تفلات کا لفظ مجاہد سے روایت کیا ہے اور ابراہیم بن المہاجر نے اس کو روایت نہیں کیا ہے۔

١٥ – عن زيد بن خالد الجهنى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم 'لا تمنعوا اماء الله المساجد وليخرجن تفلات"

(رواہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن مجمع الزوائد، ج: ۳۲، ۳۳ موارد الضمأن، ص: ۱۰۲)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے نہ روکو اور وہ مسجد جانے کے لئے اس حال میں نکلیں کہ تیل، خوشبو (وغیرہ) استعمال نہ کرنے سے ان کے کپڑوں سے ناپسند بو آرہی ہو"

١٦ – :عن عائشة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لاتمنعوا

اماء الله مساجد الله وليخرجن تفلات،قالت :عائشة ولورأىٰ حالهن اليوم منعهن." (جامع المسانید والسنن، ج:۳۷، ص:۳۶۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے نہ روکو اور چاہیے کہ وہ میلی کچیلی نکلیں حضرت عائشہ کہتی ہیں اگر حضور ان کی آج کی حالت کو دیکھتے تو انہیں مسجد آنے سے روک دیتے۔

۱۷ – :عن موسیٰ بن يسار رضى الله عنه قال: مرت بابى هريرة امرأة وريحها تعصب فقال لها اين تريدين يا امة الجبار؟ قالت: الى المسجد قال وتطبت؟قالت : نعم،قال: فارجعى فاغتسلى فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول'لا يقبل الله من امرأة صلاةً خرجت الى المسجد وريحها تعصب حتى ترجع فتغتسل."

(رواه ابن خزيمة فى صحيحه قال الحافظ (المنذرى) اسناده متصل ورواته ثقات...الترغيب والترهيب:ج: ۳، ص : ۸۸) ورواه ابوداؤد، ج: ۲ ،ص: ۵۷۵ ونسائى ،ص: ۲۸۲.

حضرت موسیٰ بن یسار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قریب سے ایک عورت گذری اور خوشبو اس کے کپڑوں سے بھبک رہی تھی، ابو ہریرہؓ نے پوچھا اے خدائے جبار کی بندی کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا مسجد کا، پوچھا تو نے خوشبو لگا رکھی ہے؟ اس نے کہا ہاں، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا لوٹ جا اور اسے دھو ڈال کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی عورت کی نماز قبول نہیں کرتا جو اس حالت میں مسجد کے لئے نکلے کہ خوشبو اس کے کپڑوں سے پھوٹ رہی ہو"

یہ مذکورہ حدیثیں اس بارے میں صریح ہیں کہ کسی قسم کی بھی خوشبو لگا کر عورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلنا اور مردوں کے اجتماعات میں جانا خواہ وہ اجتماع مسجد میں نمازیوں کا کیوں نہ ہو جائز نہیں ہے۔ ایک حدیث میں تو ایسی عورت کے لئے یہاں تک فرمایا ہے کہ

۱۸ – کل عین زانیة والمرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهی کذاو کذا یعنی زانیة" رواه الترمذی قال هٰذا حدیث حسن صحیح) ہر آنکھ زنا کار ہے (یعنی زنا میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے) اور عورت جب خوشبو لگا کر (مردوں) کی مجلس کے پاس گزرتی ہے تو وہ ایسی نابکار ہے ایسی نابکار ہے حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ "کذا وکذا" کے الفاظ سے آنحضرت کی مراد زنا ہے۔

۱۹ – چناں چہ سنن نسائی اور صحیح ابن خزیمہ وصحیح ابن حبان میں یہی حدیث ان الفاظ میں ہے۔

"ایما امرأة استعطرت، فمرت علی قوم لیجدوا ریحها فهی زانیة و کل عین زانیة" رواه الحاکم ایضاً وقال صحیح الاسناد

(الترغیب والترھیب، ج: ۳، ص: ۸۵)

جو عورت بھی خوشبو لگائے پھر گزرے کسی جماعت پر تاکہ وہ لوگ اسکی خوشبو کو محسوس کریں تو وہ زانیہ ہے (اور اسکی طرف دیکھنے والی) ہر آنکھ زناکار ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عورت کا اس طرح معطر ومشکبار ہو کر غیر مردوں کے پاس جانا انہیں دعوتِ گناہ دینا ہے اس لئے اس کا یہ عمل اسی گناہ کے حکم میں ہے، اسی طرح کسی اجنبی عورت کی جانب شہوت ورغبت سے دیکھنا بھی گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے لہٰذا یہ بھی اسی گناہ کے درجے میں ہے۔

چناں چہ حضرت عبد اللہ سے مروی ہے:

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. يعنى عن ذبه عزوجل. النظرة سهم مسموم من سهام ابليس من تركها من مخافتى ابدلته ايمانا يجد حلاوته فى قلبه" رواه طبرانى ورواه الحاكم من حديث حذيفة قال صحيح الاسناد"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ (اجنبیہ پر نگاہ) ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے جو شخص میرے خوف سے اپنی نگاہ کو اس کے دیکھنے سے بچالے گا میں اس کے بدلے میں ایمان کی دولت سے مالامال کردوں گا جس کی لذت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو خوشبو کی طرح داعیہ شہوت میں تحریک کا سبب بنے جیسے خوشنما، دیدہ زیب ملبوس، نمایاں زیورات تزئین و آرائش مردوں سے اختلاط اور ان سے رل مل جانا، ص: ۴، پر فتح الباری کی عبارت گذر چکی ہے اسے دیکھ لیا جائے اور درحقیقت یہ سب چیزیں آیت قرآنی " وَلاَ يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ " کے حکم میں داخل ہیں۔

تیسری شرط ترک زینت

۲۰ – عن عائشة رضى الله عنها قالت: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم جالس فى المسجد اذدخلت امرأة من مزينة ترفل فى زينة لها فى المسجد فقال النبى صلى الله عليه وسلم : يا ايهاالناس انهوانساء كم عن لبس الزينةوالتبختر فى المسجد فان بنى اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نسائهم الزينه وتبخترن فى المساجد (رواه ابن ماجه ،ص: ۲۹۷ باب فتنه النساء والحافظ ابن عبد البر

فی التمهيد لما فی الموطاء من المعانی والاسانيد، ج:٢٣، ص:٤٠٧،طبع: ١٤١٠هـ) هو حديث ضعيف، ولكن حديث عائشة "لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائيل " وحديث ابی هريره "ولكن ليخرجن وهن تفلات" يؤيد معناه والله اعلم:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ مزینہ کی ایک عورت خوبصورت کپڑوں میں مزین ناز و نخوت کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئی (اس کی یہ ناپسندیدہ کیفیت دیکھ کر) آپ نے فرمایا اے لوگو اپنی عورتوں کو زینت سے آراستہ ہو کر ناز اور خوش رفتاری کے ساتھ مسجد میں آنے سے روکو، بنی اسرائیل اسی وقت ملعون کئے گئے جب ان کی عورتیں سج دھج کر ناز و نخوت سے مسجدوں میں آنے لگیں۔

تشریح: عورتوں کا خوش منظر لباس میں سج دھج کر مساجد میں آنا اللہ کی رحمت و مغفرت اور اس کے قرب سے دوری کا سبب ہے اس لئے ایسی حالت میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی قطعاً اجازت نہیں ہو سکتی۔

چوتھی شرط مردوں سے عدم اختلاط:

٢١ - "عن حمزة بن ابی اسيد الانصاری عن ابيه انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فی الطريق فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :للنساء استاخرن فانه ليس لكن ان تحققن الطريق عليكن بحافات الطريق فكانت المرأة تلصق بالجداد حتىٰ ان

ثوبها ليتعلق بالجدار من لصوقها به" (ابوداؤد، ج:۲، ص:۷۱۴)

حضرت ابواسید الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب کہ (آپ مسجد سے باہر تھے اور راستے میں مرد اور عورتیں باہم رل مل گئی تھیں) عورتو! پیچھے ہٹ جاؤ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ تم راستے میں (مردوں) سے مزاحمت کرو تمہیں راستے کے کنارے ہی سے چلنا چاہیے، (راوی حدیث بیان کرتے ہیں) فرمان نبوی سننے کے بعد عورتیں راستوں کے کنارے بنے مکانوں کی دیوار سے اس قدر سٹ کر چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔

۲۲ — عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليس للنساء نصيب للخروج وليس لهن نصيب في الطريق الافى جوانب الطريق" (رواه الحافظ ابن عبدالبر في التمهيد :ج:۲۳،ص:۳۹۹، ٤٠٠ والطبراني كما في الجامع الصغير وهو حديث ضعيف فیض القدیر، ج:۵، ص:۳۷۸ و۳۷۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو گھروں سے نکلنے کا حق نہیں (البتہ اگر وہ نکلنے پر مجبور ہو جائے تو نکل سکتی ہے) اور راستہ میں ان کا حق صرف راستہ کا کنارہ ہے۔

۲۳ . ۲٤ — عن ابی عمرو بن حماس (مرسلاً) عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ليس للنساء وسط الطريق" وعن ابی هريرةؓ مثله .

(الجامع الصغیر مع فتح القدیر، ج:۵، ص:۳۷۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچ راستہ میں چلنا عورتوں کے لئے درست نہیں۔

۲۵ — عن ام سلمة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

اذا سلم قام النساء حین یقضی تسلیمیه ویمکث هو فی مقامه یسیر اقبل ان یقوم،قال (الزهری) نری والله اعلم ان ذالك كان لكی تنصرف النساء قبل ان یدر کهن الرجال" وفی موضع قال ابن شهاب فنری والله اعلم بالصواب لکی ینفذ من ینصرف من النساء" (بخاری،ج:۱،ص:۱۱۷،۱۱۹،۱۲۰)

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پوری فرما کر سلام پھیرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پورا ہوتے ہی بلا تاخیر عورتیں صف سے اٹھ کر چلی جاتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونے سے پہلے تھوڑی دیر اپنی جگہ پر ٹھہرے رہتے (اور مرد بھی آپ کی اتباع میں رکے رہتے جیسا کہ بخاری ہی کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے)

اپنے دور کے امام المحدثین مشہور تابعی ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے فراغت کے بعد مصلیٰ پر کچھ دیر تشریف فرما رہنا اس مصلحت کی بناء پر تھا کہ عورتیں پہلے مسجد سے نکل جائیں تاکہ مردوں اور عورتوں کا باہم اختلاط واز دحام نہ ہو۔

۲۶- حدثنا عبدالوارث ثنا ایوب عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لوترکنا هٰذا الباب للنساء، قال نافع فلم یدخل منه ابن عمر حتی مات" قال ابو داؤد رواه اسمعیل بن ابراهیم عن ایوب عن نافع قال قال عمر وهٰذا اصح (ابوداؤد،ج:۱،ص:۶۶و۸۴)

وفی بعض النسخ قال ابو داؤد وحدیث ابن عمر وهم من عبد الوارث ای رفعه وهم منه ، وقال المحدث خلیل احمد السهارنفوری ولم أجد دلیلا ما ادعاه المصنف من الوهم فان

الراوین کلهما ثقتان ،بذل المجهود، ج: ۱،ص: ۳۲۰.

وهو كما قال لان الصحيح بل الصواب الذى عليه الفقهاء الاصوليون ومحققو المحدثون انه اذاروى الحديث مرفوعا وموقوفا او موصولاً ومرسلا حكم بالرفع والوصل لانها زيادة ثقة سواء كان الرافع والواصل اكثر واقل فى الحفظ والعدد (شرح مسلم اللنووى ،ج: ۱،ص: ۲۵٦ و كتاب القرآة للبيهقى ،ص: ٤۸، كتاب الاعتبار للحازمى ، ص: ۱۲ وتلخيص الحبير للحافظ ابن حجر،ص: ۱۲٦ وايضا قال النواب صديق حسن فى "دليل الطالب" ،ص: ۲۷۰ اذا كان الواصل ثقة فهو مقبول.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد نبوی کے اس دروازہ کی جانب جسے اب باب النساء کہا جاتا ہے) اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کاش کہ اس دروازہ کو لوگ عورتوں کے لئے چھوڑ دیتے (یعنی مرد اس دروازہ سے آنا جانا بند کردیں صرف عورتیں ہی اسے اپنی آمد ورفت کے لئے استعمال کریں تو یہ بہتر ہوتا کیونکہ اس صورت میں مرد وعورت کے باہمی اختلاط سے امن رہے گا) نافع کہتے ہیں (اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر اس دروازہ کے استعمال کرنے سے مردوں کو منع نہیں فرمایا تھا مگر منشائے نبوت کی اتباع میں) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پھر تاحیات اس دروازہ سے مسجد نبوی میں داخل نہیں ہوئے۔

تشریح: حدیث نمبر ۲۱ سے ۲٦ تک کی تمام روایتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت شرعی طور پر اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ راستے اور مسجد میں عورتوں و مردوں کا باہم اختلاط نہ ہونے پائے۔ پھر اسی

اختلاط مرد وزن سے حفاظت کے لئے عورتوں کو صف میں پیچھے رکھا اور مردوں وعورتوں کے درمیان بچوں کی صف حائل کردی چناں چہ امام احمد نے مسند احمد میں صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک دن انہوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور فرمایا:

۲۷ — یامعاشر الاشعرین اجتمعوا،واجمعوا نساء کم وابناء کم حتی اعلمکم صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بنا المدنیۃ، فاجتمعوا نسائہم وابنائہم فتوضاء وأداہم کیف یتوضأ ......حتی لما فاء الفیئ وانکسر اظل قام فاذن فصف الرجال فی ادنی الصف،وصف الولدان خلفہم وصف النساء خلف الولدان" الحدیث(مسندامام احمد،ج:۵، ص: ۳۴۳ وجامع المسانید والسنن،ج:۱۴،ص:۴۵۳) رواہ ابو شیبۃ فی مصنفہ عن ابی مالک الاشعری بلفظ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی،فاقام الرجال یلونہ واقام الصبیان خلف ذالک، واقام النساء خلف ذالک"کما فی نصب الرایۃ، ج:۲، ص:۳۶. وقدوری ابو داؤد الطرف الاول منہ فی سننۃ ، ج:۱، ص:۹۸ فی باب مقام الصبیان من الصف.

(حضرت ابومالک رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم سے کہا) اے اشعریو جمع ہوجاؤ اور اپنی عورتوں وبچوں کو بھی اکٹھا کرلو تاکہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سکھاؤں جو آپؐ ہمیں مدینہ میں پڑھایا کرتے تھے، تو سارے لوگ جمع ہوگئے اور اپنی عورتوں وبچوں کو بھی جمع کرلیا۔ (پہلے تو) انہیں وضو کرکے دکھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو فرماتے تھے، پھر جب سایہ ڈھل گیا اور گرمی کی تیزی میں کمی آگئی تو کھڑے ہوئے اور اذان دی پھر مردوں کی صف اپنے سے قریب قائم کی اور مردوں کی صف کے

پیچھے بچوں کی صف بنائی اور ان کی صف کے پیچھے عورتوں کی صف بندی کی۔
مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کا ترجمہ یہ ہے:

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو مردوں کو اپنے قریب کھڑا کیا اور مردوں کے پیچھے بچوں کو اور بچوں کے پیچھے عورتوں کو کھڑا کیا پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عورتوں کو ترغیب دی کہ وہ مردوں سے زیادہ سے زیادہ فاصلے پر رہیں چناں چہ امام بخاری کے علاوہ سب اصحاب صحاح ستہ نے ابوہریرہؓ کی یہ روایت تخریج کی ہے "قال قال رسول الله عليه وسلم :خير صفوف الرجال اولها،وشرها آخرها، وخير صفوف النساء آخرها ،وشرها اولها"۔ یعنی ثواب کے لحاظ سے مردوں کی سب سے بہتر پہلی صف ہے اور سب سے خراب آخری۔ اور ان عورتوں کی جو مردوں کے ساتھ نماز پڑھ رہی ہیں ثواب کے اعتبار سے سب سے اچھی پچھلی صف ہے اور سب سے خراب آخری۔ امام نووی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما صفوف الرجال فهي على عمومها فخيرها اولها ابدا وشرها آخرها ابداً، اما صفوف النساء فالمراد بالحديث صفوف النساء اللواتي يصلين مع الرجال واما اذا صلين متميزات لا مع الرجال فهن كالرجال خير صفوفهن اولها وشرها آخرها والمراد بشر الصفوف في الرجال والنساء اقلها ثوابا وفضلا وبعدها من مطلوب الشرع.

وانما فضل آخر صفوف النساء الحاضرات مع الرجال لبعدهن من مخالطة الرجال ورويتهم وتعلق القلب بهم عند روية حركاتهم وسماع كلامهم. (مسلم مع شرح النووی، ج:۱، ص:۱۸۲)

مردوں کی صفوں کا حکم اپنے عموم پر ہے یعنی خواہ صرف مردوں کی جماعت ہو یا مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہوں بہر حال مردوں کی پہلی صف باعتبار ثواب وفضیلت کے بہتر ہے اور آخری صف اس کے برعکس رہا عورتوں کی صف کا حکم تو حدیث میں اس سے مراد ان عورتوں کی صفوں کا ہے جو مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوں اور اگر عورتیں الگ اپنی جماعت کریں تو اس صورت میں ان کی بھی اگلی ہی صف بہتر ہوگی اور پچھلی خراب جیسا کہ مردوں کی صف کا حکم ہے۔

اور مردوں کے ساتھ ہونے کی حالت میں ان کی آخری صفوں کی فضیلت صرف اس وجہ سے ہے کہ اس وقت وہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور رلنے ملنے سے دور ہو جاتی ہیں اور بالکل پیچھے ہونے (اور بیچ میں مزید بچوں کی صف کے حائل ہو جانے سے)

مردوں کو اور ان کی حرکات کو دیکھنے اور ان کی باتیں سننے سے بھی دور ہو جاتی ہیں جس سے ان کا قلبی اطمینان (شیطانی ادہام وہوا جس سے بالکل مامون و محفوظ رہتا ہے۔

چناں چہ اسی مصلحت کے پیش نظر عورتوں کو حکم تھا کہ جب تک مرد سجدہ سے اٹھ کر بیٹھ نہ جائیں وہ سجدہ سے سر نہ اٹھائیں "**یا معاشر النساء لاترفعن رؤسکن حتی یرفع الرجال**" (مسلم، ج:۱، ص: ۱۸۲)

اور اسی غایت درجہ احتیاط کے تحت اگر امام کو نماز میں سہو پیش آجائے تو اسے آگاہ اور متنبہ کرنے کے لئے مرد سبحان اللہ کہے گا مگر مجمع میں عورت کو اس قدر بھی بولنے کی اجازت نہیں دی گئی **التسبیح للرجال والتصفیق للنساء** (مسلم، ج:۱، ص: ۱۸۰) یعنی امام کو سہو پر آگاہ کرنے کے لئے عورت بجائے زبان سے تسبیح پکارنے کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو

بائیں ہاتھ کی پشت پر تھپتھپادے اور بس۔

خیال کیجئے نماز مذہب اسلام میں سب سے اہم وافضل عبادت ہے، مسجد نبوی کی نماز تمام مساجد سے ہزار گنا فضیلت وزیادتی رکھتی ہے امام المرسلین والانبیاء کی اقتداء میں ایک نماز بھی وہ گنج گراں مایہ ہے جس کے مقابل دنیا مع اپنے تمام تر خزانوں کے پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی، پھر عام طور پر مقتدی وہ لوگ ہیں (کہ بجز انبیاء) جن سے بڑھ کر پاکباز ومقدس جماعت چشم آسمان نے نہیں دیکھی، اسلامی معاشرہ ایسے مردو عورت پر مشتمل ہے جن کی عفت مآب زندگی آگے چل کر امت کے لئے طہارت اخلاق اور پاک دامنی کی تعلیم کا مثالی نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام سے بہرہ ور ہونے کے لئے ہر مرد وعورت دربار نبوت میں حاضر ہوتا رہے، پوری فضا خشیتِ الٰہی اور طہارت و تقویٰ سے معمور ہے، ایسے مامون ومقدس ماحول اور ایسی پاکیزہ وستھری فضا میں نبی مکرم وہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین اسلام کو بازاروں ومیلوں میں گھومنے کے لئے نہیں، پارکوں اور مرغزاروں میں تفریح کے لئے نہیں، الورا اور ارجنٹا کی گھپاؤں اور کشمیر کی وادیوں میں سیر کے لئے نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں، خود اپنی اقتداء میں اور اتقیائے امت کی جماعت میں خدائے بزرگ وبرتر کی سب سے بڑی عبادت ادا کرنے کے لئے اس قدر مقید کیا کہ رات کی تاریکی میں، سر سے پیر تک پورا بدن چھپا کر، خوشبو کے استعمال سے بالکلیہ اجتناب کرتے ہوئے میلی کچیلی حالت میں اس طرح آئیں کہ مردوں کا سایہ بھی نہ پڑنے پائے اور مردوں سے دور بالکل کنارے نماز ادا کر کے بغیر کسی توقف کے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں ان سارے احکامات وہدایات اور پابندیوں کا مقصد بجز اس کے اور کیا ہے کہ ان کے

جوہر شرافت اور گوہر حفاظت پر ایسے پہرے بٹھا دیئے جائیں تا کہ اختلاط مرد وزن سے تخم فتنہ کو اسلامی معاشرہ میں نشو ونما کا موقع فراہم نہ ہو سکے۔

پھر ان تمام تر پابندیوں کے باوجود بار بار اپنی رضا کا اظہار یوں فرمایا کہ عورتوں کے لئے مسجد کے بجائے اپنے گھر میں نماز ادا کرنا بہتر ہے اور خواتین اسلام کو گھروں ہی میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔ ملاحظہ کیجئے:

وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اپنے گھروں میں نماز ادا کرنا افضل ہے

۲۸– عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تمنعوا نسائكم المساجد وبيوتهن خير لهن"

(رواه ابو داؤد في سننه، ج:١، ص:٨٤ واخرجه الحاكم وقال صحيح على شرط الشيخين وصححهُ ايضا ابن خزيمة)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو اور ان کے گھر (نماز کے واسطے) ان کے حق میں زیادہ بہتر ہیں (یعنی مسجدوں میں نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ان کے لئے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے)

۲۹– عن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال صلوٰة المرأة في بيتها افضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها افضل من صلاتها في بيتها. (رواه ابو داؤد في سننه، ج: ١، ص: ٨٤)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی نماز اپنے گھر کے اندر گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز گھر کی چھوٹی کوٹھری میں گھر کی نماز سے بہتر ہے (مطلب

یہ ہے کہ عورت جس قدر پوشیدہ ہوکر نماز ادا کرے گی اسی اعتبار سے زیادہ مستحق ثواب ہو گی)

۳۰ — عن ام حمید امرأةابی حمید الساعدی انها جاء ت النبی صلی الله علیه وسلم فقالت: یا رسول الله انی احب الصلوٰة معك ،قال: قد علمت انك تحبین الصلاة معی،وصلاتك فی بیتك خیرمن صلاتك فی حجرتك،وصلاتك فی حجرتك خیر من صلاتك فی دارك، وصلاتك فی دارك خیر من صلاتك فی مسجد قومك،وصلاتك فی مسجد قومك خیر من صلاتك فی مسجدی قال: فامرت فبنی لها مسجد فی اقصیٰ شیٔ من بیتها واظلمه فکانت تصلی فیه حتی لقیت الله عزوجل"

(رواه احمد ورجاله رجال الصحیح غیر عبدالله بن سوید الانصاری ووثقه ابن حبان مجمع الزوائد ،ج:۲،ص:۳۳و ۳٤)

ابو حمید ساعدی کی بیوی ام حمید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش ہے، آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تو میرے ساتھ نماز پڑھنے کو پسند کرتی ہے، حالانکہ تیری کوٹھری کی نماز تیرے لئے بڑے کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور تیری بڑے کمرہ کی نماز گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور تیری صحن کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلہ کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔ راوی حدیث نے کہا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء سمجھ کر) انہوں نے اپنے گھر والوں کو (گھر کے اندر مسجد بنانے کا حکم دیا) چناں چہ گھر کی ایک تیرہ و تار کوٹھری میں ان کے لئے مسجد بنائی گئی اور وہ اسی میں نماز پڑھتی رہیں

یہاں تک کہ اللہ کو پیاری ہو گئیں"۔

اس حدیث کی تخریج ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیحین میں کی ہے اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کا باب (عنوان) یہ قائم کیا ہے:

"باب اختيار صلاة المرأة فی حجرتها علی صلاتهافی دارها وصلاتها فی مسجد قومها فی مسجد علی صلاتها فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم، وان كانت صلاة فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم تعدل الف صلاة فی غیره من المساجد، والدلیل علی ان قول النبی صلی الله علیه وسلم صلاة فی مسجدی هٰذا افضل من الف صلاة فیما سواه من المساجد انما ارادبه صلاة الرجال دون صلاة النساء" (الترغیب والترہیب، ج:۱، ص:۲۲۵)

یہ بات (اس بیان میں ہے کہ) عورت کی نماز اپنی کوٹھری میں اس کے گھر کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی محلّہ کی مسجد میں پڑھی ہوئی نماز مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نماز سے بہتر ہے اگرچہ مسجد نبوی کی نماز دیگر مساجد کی نمازوں سے ہزار درجہ افضل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "میری مسجد کی نماز دیگر مسجدوں کی نماز سے ہزار گنا بہتر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ یہ افضلیت خاص مردوں کو حاصل ہوتی ہے عورتیں اس حکم میں شامل نہیں ہیں"۔

۳۱ – عن ام سلمة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها، وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها فی مسجد قومها.

(رواه الطبرانی فی الاوسط باسنا د جید الترغیب والترهیب، ج:۱، ص: ٤٤٦)

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا" عورت کی اپنی کوٹھری کی نماز بہتر ہے اپنے بڑے کمرے کی نماز سے اور اس کے بڑے کمرے کی نماز بہتر ہے گھر کے صحن کی نماز سے اور اس کی صحن کی نماز مسجد کی نماز سے بہتر ہے"۔

۳۲: وعنها رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: خیر مساجد النساء قعر بیوتهن"

(رواہ احمدابو یعلی ولفظه خیر صلوٰۃ فی قعر بیوتهن ورواہ الطبرانی فی الکبیر وفیه ابن لهیعة وفیه کلام مجمع الزوائد،ج:۲،ص:۳۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کی بہتر مسجدیں ان کے گھروں کا اندرونی حصہ ہے۔

۳۳ – وعنها رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها ،وصلاتها فی حجرتهاخیر من صلاتها فی دارها وصلوٰۃ فی دارهاخیر من صلاتها خارج".

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحیح خلا زید بن المهاجر،قال ابن ابی حاتم لم یذکر عنه راوغیر ابنه محمد بن زید،مجمع الزوائد، ج: ۲،ص: ۳٤)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" عورت کی نماز اپنی کوٹھری میں بہتر ہے اس کی بڑے کمرے میں نماز سے اور اس کی بڑے کمرے کی نماز بہتر ہے گھر کے صحن میں نماز سے اور گھر کے صحن کی نماز بہتر ہے گھر سے باہر کی نماز سے"۔

۳٤ – عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : صلاة المرأة فی داخلتها وربما قال فی مخدعها اعظم لاجرها من ان تصلی فی بیتها،ولان تصلی فی بیتها اعظم لاجرها من ان تصلی فی

دارھا،ولان تصلی فی دارھا اعظم لاجرھا من ان تصلی فی المسجد الجماعة ولان تصلی فی الجماعة اعظم لاجرھا من الخروج یوم الخروج. (رواہ الحافظ ابن عبدالبر بسندہ فی التمھید ، ج:۲۳،ص:۳۹۹)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت کا نماز پڑھنا گھر کے اندرونی حصہ میں اور کبھی کہتے ہیں گھر کی اندرونی کوٹھری میں اپنے اجر میں بڑھا ہوا ہے بڑے کمرے میں نماز پڑھنے سے،اور اس کا نماز پڑھنا کمرے میں صحن خانہ میں نماز پڑھنے کے ثواب سے بڑھا ہوا ہے۔اور اس کا گھر کے صحن میں نماز پڑھنا مسجد جماعت (یعنی محلّہ کی مسجد)میں نماز پڑھنے کے ثواب سے بڑھا ہوا ہے اور اس کا مسجد جماعت میں نماز سے پڑھنا باہر جانے کے دن باہر کی نماز کے ثواب سے بڑھا ہوا ہے"۔

۳۵- عن عائشة رضی اللہ عنھاقالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :صلاۃ المرأۃ فی بیتھاخیر من صلاتھا فی حجرتھا، وصلاتھا فی حجرتھا خیر من صلاتھا فی دارھا وصلاتھا فی دارھا خیر من صلاتھا فیما وراء ذٰلک".

(رواہ الحافظ ابن عبدالبر بسندہ فی التمھید،ج:۲۳:ص:۴۰۱)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی اپنی کوٹھری کی نماز بڑے کمرے کی نماز سے بہتر ہے،اور بڑے کمرے کی نماز گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے صحن کی نماز اس کے علاوہ دیگر مقامات کی نماز سے افضل ہے۔"

۳۶ - عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: المرأۃ عورۃ وانھا اذاخرجت من بیتھا استشرفھا الشیطان،وانھا لاتکون اقرب الی اللہ منھا فی قعر بیتھا".

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح، الترغیب والترھیب ، ج:١ ، ص:٢٢٦)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا عورت تو مکمل پردہ ہے (کیونکہ یہ جب بے پردہ ہوتی ہے تو شریف لوگوں کو اس کی بے پردگی سے شرم آتی ہے جس طرح پردہ کے اعضاء کے کھلنے سے شریف النفس کو شرم و عار محسوس ہوتی) اور عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان (یعنی جن وانس) اس کی تاک جھانک اور اس کے چکر میں پڑ جاتا ہے اور اللہ سے زیادہ قریب اسی وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر میں ہوتی ہے (لہٰذا اس کی گھر کی نماز مسجد کی نماز کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب سے زیادہ قریب کرنے والی ہوگی)

٣٧: عنه رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: صلاة المرأة تفضل علی صلاتها فی الجمع بخمس وعشرین درجة"

(الجامع الصغیر مع فیض القدیر ج:٤، ص:٢٢٣ ورمز المصنف لصحته وفیه بقیة بن الولید وھو صدوق کثیر التدلیس عن الضعفاء، کما فی التقریب، ص:١٢٦، ورواه مسلم متابعة)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: عورتوں کی اکیلے کی نماز مردوں کے ساتھ جماعت کی نماز سے پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔

٣٨ - عن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان، اقرب ماتکون من ربها اذاھی فی قعر بیتها"

(موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ، ص:١٠٣، وقال الھیثمی رواه

الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۳۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا عورت سر لپا پردہ ہے اور جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک اور چکر میں لگ جاتا ہے اور عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اسی وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر اندرونی گھر میں ہوتی ہے۔

۳۹ - عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان احب صلاۃ المرأۃ الی اللہ فی اشد مکان فی بیتها ظلمۃ" (رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ من روایۃ ابراهیم الهجری عن ابی الاحوص عنہ الترغیب والترهیب، ج:۱، ص:۲۲۷)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عورت کی وہ نماز ہے جو تاریک تر کوٹھری میں ہو۔

۴۰ - وعنہ رضی اللہ عنہ (موقوفاً) قال: صلاۃ المرأۃ فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها، وصلاتها فی حجرتها افضل من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها افضل من صلاتها فیما سواہ ثم "قال ان المرأۃ اذا خرجت استشرفها الشیطان."

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۳۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عورت کا اپنی کوٹھری میں نماز پڑھنا افضل ہے بڑے کمرے میں نماز پڑھنے سے اور اس کا بڑے کمرے میں نماز پڑھنا افضل ہے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے، اور اس کا گھر کے صحن میں نماز پڑھنا افضل ہے اس کے

علاوہ اور جگہ پڑھنے سے۔ پھر اس فضیلت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ گھر میں رہتی ہے تو شیطان کے فتنہ سے محفوظ رہتی ہے اور باہر نکلنے کی حالت میں وہ شیطان کی نگاہوں میں آجاتی ہے اور اسے کسی نہ کسی افتاد میں مبتلا کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔

٤١ – وعنه رضی الله عنه قال: ماصلت امرأة فی موضع خیرلها من قعر بیتها الا ان یکون المسجد الحرام اومسجد النبی صلی الله علیه وسلم الاالمرأة تخرج فی منقلبها یعنی خفیها".

(رواه الطبرانی فی الكبير ورجاله رجال الصحيح ، مجمع الزوائد، ج:٢، ص:٣٥)

٤٢ – وعنه رضی الله عنه انه كان يحلف فيبلغ فی اليمين ،ما من مصلی للمرأة خير من بيتها الا فی حج اوعمرة الا امرأة قدنيست من البعولة وهی فی منقلبها،قلت ما منقلبها قال امرأة عجوز قد تقارب خطوها."

(رواه الطبرانی فی الكبير ورجاله موثقون " مجمع الزوائد ،ج:٢،ص:٣٥)

دونوں حدیثوں کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اور بطور تاکید کے) سخت قسم کھا کر فرماتے تھے کہ عورت کے لئے اس کے گھر کے اندرونی حصہ سے بہتر کوئی جگہ نماز کی نہیں سوائے مسجد حرام اور مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام (یا حج اور عمرہ میں) مگر وہ عورت جو شوہروں سے ناامید ہوگئی ہو (یعنی ایسی بوڑھی عورت جسے شوہر کی ضرورت نہیں رہی) اور اپنے موزے میں ہو راوی نے پوچھا (منقلبین) موزوں سے آپ کی کیا مراد ہے تو فرمایا کہ ایسی بڑھیا (کہ بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے اس کے قدم قریب قریب پڑنے لگیں"۔

٤٣ - وعنه رضی الله عنه قال: ماصلت امرأة من صلاة احب الی الله من اشد مکان فی بیتها ظلمةً.

(رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله موثقون" مجمع الزوائد، ج: ٢، ص: ٣٥)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا عورت کی کوئی نماز خدا کو اس نماز سے زیادہ محبوب نہیں جو اس کی تاریک تر کوٹھری میں ہو۔

٤٤ - وعنه رضی الله عنه قال: انما النساء عورة وان المرأة لتخرج من بیتها وما بها من بأس فیستشرفها الشیطان فیقول انك لاتمرین باحد الااعجبته وان المرأة لتلبس ثیابها فیقال این تریدین، فتقول اعود مریضا اواشهد جنازة اواصلی فی مسجد، وما عبدت امرأة ربها مثل تعبده فی بیتها.

(رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله ثقات، مجمع الزوائد، ج: ٢، ص: ٣٥ وذکره الحافظ المنذری فی الترغیب، ج: ١، ص: ٢٢٧ وقال اسناد هذه حسن)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورتیں سراپا پردہ ہیں، عورت گھر سے اس حال میں نکلتی ہے کہ اس کا قلب بے عیب صاف ستھرا ہوتا ہے (لیکن گھر سے نکلتے ہی) شیطان اس کی فکر میں پڑ جاتا ہے اور وہ اس کی نگاہوں میں آ جاتی ہے۔ اور اس کے دل میں ڈالتا ہے تو جس کے پاس سے بھی گزرے گی اسے اچھی لگے گی اور عورت (باہر جانے کے لئے کپڑا پہنتی ہے تو گھر والے پوچھتے ہیں کہاں کا ارادہ ہے۔ تو وہ کہتی ہے بیمار کی عیادت کو جا رہی ہوں یا جنازہ میں جا رہی ہوں یا مسجد میں نماز کو جا رہی ہوں حالانکہ عورت کی سب سے بہتر اور اچھی عبادت یہی ہے کہ وہ (کسی کار خیر کے لئے باہر جانے کے بجائے) اپنے گھر میں اللہ کی عبادت کرے۔

٤٥ - عن ابن عباس ان امرأة سألته عن الصلوٰة فی المسجد

یوم الجمعة فقال: صلاتك فی مخدعك افضل من صلاتك فی بیتك، وصلاتك فی بیتك افضل من صلاتك فی حجرتك، وصلاتك فی حجرتك افضل من صلاتك فی مسجد قومك.

(رواه ابن ابی شیبة فی مصنفه، ج: ۲، ص: ۳۸٤)

رجاله رجال الجماعة سوی عبدالاعلی وهو صدوق یهم وروی عنه الاربعة وحسن له الترمذی وصحح الطبری حدیثه فی الکسوف.

"عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے ان سے مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا تمہارا نماز پڑھنا اپنی چھوٹی کوٹھری میں افضل ہے کمرے میں نماز پڑھنے سے، اور تمہارا کمرے میں نماز پڑھنا افضل ہے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے اور گھر کے صحن میں نماز پڑھنا محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

ان سب حدیثوں کا حاصل یہی ہے کہ عورت جس قدر اپنے پردہ کی جگہ سے دور ہوتی جاتی ہے اسی قدر ثواب کم ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ جتنا گھر اور پردہ سے دور ہوگی فتنہ اور گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ اتنا ہی بڑھتا جائے گا ورنہ ثواب کی کمی کی کوئی وجہ نہیں چنانچہ مردوں کے دور جانے میں یہ احتمال نہیں ہے اس لئے ان کے دور جانے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے "اعظم الناس اجرا فی الصلوٰة ابعدهم فابعدهم ممشی" (متفق علیہ) ثواب میں وہ لوگ بڑھے ہوتے ہیں جو دور سے آتے ہیں اور ان سے زیادہ ان کا ثواب ہے جو اور دور سے آتے ہیں"۔

ضروری وضاحت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات عالیہ آپ کے سامنے ہیں جو تعدد طرق اور کثرت میں شہرت بلکہ تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں جن سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا محل فتنہ ہے اور ان کا اپنے مکان کے اندر رہنا اللہ کی رضا اور تقرب کا باعث ہے حدیث ۷،۳-۳۸ اور ۳۹ کو ایک بار پھر غور سے ملاحظہ کر لیا جائے۔ نیز یہ احادیث مبارکہ واضح الفاظ میں بتا رہی ہیں کہ عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت واجب و سنت نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کا گھر کے اندر نماز پڑھنا افضل و بہتر ہے اور خواتین اسلام کو اپنے گھروں میں نماز ادا کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب دلاتے رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ترغیبات کی موجودگی میں کیا کوئی عقل مند، ذی ہوش جس کے دل میں حکم خداوندی اور فرمودات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کچھ بھی قدر اور اہمیت ہے وہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ جمہور محدثین و فقہاء معاشرہ کے بگاڑ اور ماحول میں ہر چہار سو پھیلے ہوئے شر و فساد کے پیش نظر عفت مآب مستورات کو جو مسجد آنے سے منع کرتے ہیں وہ فرمان الٰہی "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" اور منشا نبوی "وبیوتھن خیر لھن" (ان کے گھر ہی ان کے لئے بہتر ہیں) کی خلاف ورزی کر رہے ہیں؟

لاریب کہ رسول اللہ ﷺ نے صاف لفظوں میں یہ نہیں فرمایا کہ عورتوں کو کسی حال میں گھر سے نکلنے مت دو، لیکن اس نکلنے پر جو قیود اور شرطیں

عائد کی ہیں (جن کی تفصیل گذشتہ سطور میں آچکی ہے) اور ان سب کے بعد بھی جس طرح صاف اور واضح لفظوں میں بار بار عورتوں کو گھر میں نماز ادا کرنے کی جانب متوجہ کیا، رغبت دلائی اور جس کثرت سے اپنی مرضی مبارک کا اظہار فرمایا ان کا سرسری مطالعہ بھی ایک صاحب ایمان کے دل میں یہ یقین پیدا کرنے کے لئے کافی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تائید وحمایت اس گروہ کے ساتھ ہرگز نہیں ہے جو مستورات کو گھر سے باہر نکلنے کی دعوت وترغیب دے رہے ہیں اور اپنی کم فہمی یا گمراہی کے سبب آنحضرت ﷺ کے خلاف منشا عمل کو "سنت" ٹھہرا رہے ہیں ذرا غور تو کیجئے اگر عورتوں کے لئے جماعت کی حاضری سنت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ جماعت ترک کر کے گھروں میں نماز پڑھنے کو افضل و بہتر کیونکر فرماتے اور اس کی ترغیب کیوں دیتے۔ جب کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ جماعت میں نہ ہونے والوں پر اس درجہ سخت ناراض ہوئے کہ اپنی تمام تر صفت رحمت وشفقت کے باوجود انہیں مع ان کے گھروں کے جلانے کی دھمکی دی سچی بات تو یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک ایک لفظ اور ہر ہر فقرہ سے یہی مترشح ہو رہا ہے کہ خواتین اسلام کو ان ساری شرطوں کی رعایت کے باوجود آپ گو زبان مبارک سے صاف طور پر مساجد سے روک تو نہیں رہے ہیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ خود مستورات آپ کی مرضی ومنشا سے واقف ہو کر باہر نکلنے اور جماعت میں حاضر ہونے سے رک جائیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور کی منشاء کو بلا کم وکاست سمجھا اور اپنی بیوی عاتکہ کو جو ان کے ساتھ مسجد جایا کرتی تھیں صاف لفظوں میں منع تو نہیں کیا مگر اپنی ناگواری سے گاہ بگاہ ان کو مطلع کرتے رہے۔ اور شہادت عمر فارق رضی اللہ عنہ کے بعد جب یہی خاتون حضرت زبیر بن

عوام رضی اللہ عنہ (یکے از عشرہ مبشرہ) کے عقد میں آئیں تو حضرت زبیر نے انہیں زبان سے تو نہیں روکا مگر ایک لطیف تدبیر اور درست حکمت عملی کے ذریعہ ان کو باور کرادیا کہ مسجد جانے کا ان کا یہ عمل منشاء نبوی کے خلاف ہے اور خطرات سے بھی خالی نہیں ہے چنانچہ اسی وقت سے اس اللہ کی بندی نے مسجد جانا ترک کر دیا۔

ام حمید رضی اللہ عنہا اسی منشاء نبوی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی شدید خواہش کے باوجود گھر کی ایک کوٹھری میں نماز پڑھتی رہیں اور مرضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل میں تادم حیات مسجد جانے کے لئے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا احساس تو اس سلسلہ میں بہت قوی اور نہایت صحیح تھا اور بالخصوص نسوانی مسائل میں ان سے بڑھ کر اسرار شریعت سے واقف اور کون تھا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صاف لفظوں میں اعلان فرمادیا تھا "لو ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رأى ما احدث النساء لمنعهن المسجد الحدیث" اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی اس بدلتی ہوئی حالت کو ملاحظہ فرمالیتے تو انہیں ضرور مسجد آنے سے روک دیتے۔

(۵) وہ احادیث جن سے مساجد میں جانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے

٤٦ — عن عائشة قالت: لوادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل، فقلت: لعمرة او منعن؟ قالت نعم." (بخاری، ج:۱، ص:۱۲۰ و مسلم، ج:۱، ص:۱۸۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا عورتوں نے زیب وزینت اور نمائش جمال کا جو طریقہ ایجاد کرلیا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ملاحظہ فرمالیتے تو انہیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں" امام تیمی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ اثر اس کی دلیل ہے کہ جب عورتوں میں بگاڑ پیدا ہوجائے تو پھر ان کا مسجدوں میں جانا درست نہیں۔

(عمدۃ القاری، ج:٦ص:١٥٩)

٤٧ – عن عائشة قالت كن نساء بنى اسرائيل يتخذن ارجلا من خشب يتشرفن للرجال فى المساجد فحرم الله عليهن، وسلطت عليهن الحيضة ص: ٤٤٥" اخرجه عبدالرزاق باسناد صحيح وهوان كان موقوفا حكمه حكم الرفع لانه لايقال بالرائے.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بنی اسرائیل کی عورتیں لکڑی کے پاؤں بنالیا کرتی تھیں کہ ان پر اونچی ہو کر مسجدوں میں مردوں کو جھانکیں تو اللہ نے ان پر مسجدیں حرام کردیں اور ان پر حیض مسلط کردیا گیا۔

٤٨ – عن ابن مسعود قال كان الرجال والنساء فى بنى اسرائيل يصلون جميعا فكانت المرأة (اذا كان) لها الخليل تلبس القالبين تطول بهما لخليلها فالقى عليهن الحيض، فمكان ابن مسعود يقول اخروهن حيث اخرهن الله، فقلنا لابى بكرما القالبين؟ قال رفيضين من خشب."

(اخرجه عبدالرزاق فى المصنف ،ج:٣،ص:١٤٩وذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد ، ج: ٢،ص: ٣٥ وقال رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله رجال الصحيح وقال الحافظ اخرجه عبدالرزاق باسناد صحيح وعنده عن عائشة

مثله" فتح الباری، ج: ۱، ص: ۵۲۷)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مرد وزن اکٹھا نماز پڑھا کرتے تھے جب کسی عورت کا کوئی آشنا ہوتا تو وہ کھڑاؤں پہن لیتی تھی جن سے وہ لمبی ہو جاتی اپنے آشنا کو (دیکھنے) کے لئے (تو ان کی اس نازیبا حرکت پر بطور سزا کے) ان پر حیض مسلط کر دیا گیا (یعنی ان کے حیض کی مدت دراز کر دی گئی اور اس حالت میں مسجدوں میں آنا حرام کر دیا گیا حضرت عبد اللہ اس کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے ان عورتوں کو پیچھے رکھو جس جگہ سے اللہ نے انہیں پیچھے کر دیا ہے۔

اور طبرانی کی روایت میں اخروجوھن حیث اخرجھن اللہ کے الفاظ ہیں یعنی ان عورتوں کو نکال دو جہاں سے اللہ نے ان کو نکالا ہے۔

توضیح: حدیث ۴۶ میں مزاج شناس نبوت اور واقف اسرار شریعت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑے بلیغ پیرائے میں امت کو تنبیہ فرماتی ہیں کہ اسلامی شریعت اس درجہ کامل اور لازوال ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ایسے جامع اور ابدی ہدایت کے حامل ہیں کہ زمانہ کے انقلابات کوئی بھی رنگ اختیار کرلیں ایک صاحب بصیرت پھر بھی آپ کے انہیں ارشادات کی روشنی میں یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوتے تو ان حالات کے سلسلہ میں کیا کیا احکامات صادر فرماتے۔

چناں چہ وہ اپنی اسی دینی بصیرت کی بنیاد پر کامل وثوق اور پوری قوت کے ساتھ فرما رہی ہیں کہ عفت مآب خواتین اسلام کی آبرو اور شریفانہ اخلاق کی حفاظت کی غرض سے گھر سے باہر نکلنے کے لئے جو قیود اور شرطیں عائد کی گئی تھیں اب عورتوں میں ان کا پاس ولحاظ نہیں رہا اور پاکیزگی اخلاق کے جس بلند معیار پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فائز تھیں اب

اس میں گراوٹ آگئی ہے (اسی اخلاقی گراوٹ کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے نے "فیخذن دخلا" (اگر انہیں مسجد جانے کی اجازت دی گئی تو وہ اسے مکر و فریب کا ذریعہ بنالیں گی) کے الفاظ سے اور حضرت عاتکہ زوجہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے "فسدالناس" کے جملہ سے بیان کیا) ایسی حالت میں حضور انہیں مسجد میں آنے کی ہرگز اجازت نہ دیتے اس لئے تغیر احوال اور عورتوں میں در آئی بے احتیاطیوں کا تقاضہ یہی ہے کہ انہیں مسجد آنے سے قطعی طور پر روک دیا جائے۔ پھر اپنے اس بصیرت افروز فیصلہ کی تائید میں حدیث ۴۷ کو پیش فرمارہی ہیں کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت تھی مگر جب ان کی نیتوں میں بگاڑ آیا اور اس اجازت کو انہوں نے دجل و فریب کا ذریعہ بنالیا تو ان پر مسجدوں کی آمد حرام کردی گئی حدیث ۴۸ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی لفظ بہ لفظ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قول کی تائید و تصویب اور حمایت فرمارہے ہیں اور اس مضبوطی کے ساتھ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جس بات کو اصولی رنگ میں بیان کیا تھا حضرت ابن مسعودؓ نے اسی کو "اخرجوھن حیث اخرجھن الله" کے الفاظ میں نہایت واضح اور صاف طور پر بیان کیا یعنی جس جگہ (مسجد) سے اللہ نے ان (عورتوں) کو نکال دیا ہے (حکم خداوندی کی اتباع میں اے فرزندان اسلام) تم بھی وہاں (مسجدوں) سے انہیں نکال دو" پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صرف زبانی ہدایت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس اہم اور دور رس نتائج کے حامل مسئلہ میں اپنے عمل کے ذریعہ بھی امت کی رہنمائی فرمائی چناں چہ ابو عمرو الشیبانی بیان کرتے ہیں کہ

۴۹ — انه رای عبدالله یخرج النساء من المسجد یوم الجمعة ویقول اخرجن الی بیوتکن خیر لکن"

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون" مجمع الزوائد ،ج: ۲، ص :۳۵" وقال المنذری باسناد لابأس بہ" الترغیب ،ج: ۱، ص: ۲۲۸)

ابو عمرو الشیبانی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جمعہ کے دن عورتوں کو کنکری مار مار کر مسجد سے باہر نکال رہے تھے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی اسوہ اور طرز عمل نقل کیا ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں۔

۵۰ :"وکان ابن عمر رضی اللہ عنہما یقوم یحصب النساء یوم الجمعۃ یخرجھن من المسجد" (عمدۃ القاری، ج: ۶، ص: ۱۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن کھڑے عورتوں کو کنکریاں مار مار کر مسجد سے باہر نکال رہے تھے۔

خلیفہ راشد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی زیادہ حساس تھے چناں چہ حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ :

۵۱ – سئل الحسن عن امرأۃ جعلت علیھا ان اخرج زوجھا من السجن ان تصلی فی کل مسجد تجمع فیہ الصلوٰۃ بالبصرہ رکعتین؟فقال الحسن تصلی فی مسجد قومھا فانھا لا تطیق ذالک لو ادرکھا عمر بن الخطاب لاوجع رأسھا" (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۲، ص: ۳۸۴)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک عورت کے بارے میں پوچھا گیا جس نے یہ نذر مان رکھی تھی کہ اگر اس کے شوہر کو جیل سے رہائی مل گئی تو وہ بصرہ کی ہر اس مسجد میں جس میں نماز باجماعت ہوتی ہے دو رکعت نفل پڑھے گی تو حسن بصری نے فرمایا کہ وہ اپنے محلّہ میں دوگانہ نفل پڑھ لے اسے ساری

مسجدوں میں جاکر نماز ادا کرنے کی قدرت نہیں کیوں کہ اگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کو پاتے، تو ایسا کرنے پر انہیں ضرور سزا دیتے۔

۵۲ — مشہور تابعی حضرت عطار حمہ اللہ سے ان کے شاگرد ابن جریج نے پوچھا:

ایحق علی النساء اذا سمعن الا ذان ان یجئن کما ھو حق علی الرجال؟قال لالعمری" (مصنف عبدالرزاق، ج: ۳، ص: ۱۴۷)

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا سے پوچھا کیا عورتوں کے حق میں بھی شرعاً یہ ثابت ہے کہ وہ جب اذان سنیں تو مسجد حاضر ہوں جس طرح اجابت اذان کا یہ حق مردوں پر ثابت ہے تو انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ نہیں۔

ایک اور تابعی وفقیہ و مجتہد حضرت ابراہیم نخعی کے بارے میں متعدد سندوں سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ:

۵۳ — کان لابراھیم ثلاث نسوۃ فلم یکن یدعھن یخرجن الی جمعۃ ولاجماعۃ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۲، ص: ۸۵ ۳ و مصنف عبدالرزاق، ج: ۳، ص: ۱۵۰ و ۱۵۱)

مشہور امام و محدث اعمش بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی تین بیویاں تھیں وہ کسی کو بھی جمعہ و جماعت میں حاضر ہونے کے لئے مسجد جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

۵۴: حضرت عبداللہ بن مسعود کے مشہور تلامذہ اور مجتہد فقیہ علقمہ اور اسود کے بارے میں بھی منقول ہے۔

ان علقمۃ والاسود کانا یخر جان نسائھم فی العیدین ویمنعانھن من الجمعۃ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۲، ص: ۱۸۲)

عبدالرحمٰن بن الاسود بیان کرتے ہیں کہ علقمہ اور اسود یہ دونوں بزرگ اپنی عورتوں کو عیدگاہ لے جاتے تھے مگر جمعہ میں حاضر ہونے سے منع کرتے تھے

(۶) عیدین کے موقع پر عید گاہ جانے سے متعلق روایات

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو گئی کہ فرائض پنجگانہ اور جمعہ کی جماعتوں میں عورتوں کی حاضری افضل اور بہتر نہیں تو عیدین کی نمازوں میں (جو کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں) کیوں کر سنت و مستحب ہو سکتی ہے علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی بھی عورتوں کو عیدین کی نماز میں آنے کی ترغیب دی ہو اور اس کی فضیلت بیان فرمائی ہو اس لئے جن حدیثوں سے بھی اس زمانہ خیر و صلاح میں عورتوں کا عیدین کی جماعت میں حاضر ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے وہ خواہ کسی بھی صیغے اور الفاظ پر مشتمل ہوں ان سے محض رخصت واباحت ہی ثابت ہو گی۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ بچے، عورتیں بالخصوص دوران حیض تو سرے سے نماز عیدین کے شرعاً مکلف ہی نہیں ہیں تو پھر یہ عید گاہ جانے کے کیوں کر مکلف ہوں گے چناں چہ امام قرطبی لکھتے ہیں:

"لایستدل بذالك علی الوجوب لان هٰذا انما توجه لیس بمکلف بالصلوٰة بالاتفاق،وانما المقصود التدرب علی الصلوٰة والمشارکة فی الخیر واظهار جمال الاسلام،وقال القشیری لان اصل الاسلام کانوا اذ ذاك قلیلین"

ان حدیثوں سے (جن میں عورتوں کو عیدین کے موقع پر عید گاہ جانے کا حکم ہے) اس کے وجوب پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حکم ان کو دیا گیا ہے جو سرے سے اس نماز کے مکلف ہی نہیں ہیں، بلکہ

عورتوں (اور بچوں) کو عید گاہ لے جانے کا مقصد تو یہ تھا کہ انہیں نماز کا عادی بنایا جائے۔ (مسلمانوں کی دعاؤں کی) اور خیر و برکت میں ان کی بھی شرکت ہو جائے بقول امام قشیری اور چونکہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی) اس لئے عورتوں اور بچوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ عیدین کے موقع پر مردوں کے ساتھ عید گاہ حاضر ہوں تا کہ جماعت مسلمین کی کثرت سے اسلام کے جمال اور شوکت کا اظہار ہو۔

تقریباً یہی بات امام طحاوی بھی فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں چونکہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اس لئے تکثیر جماعت کے پیش نظر عورتوں (اور بچوں) کو عیدین میں نکلنے کا حکم دیا گیا تا کہ ان کی کثرت دیکھ کر دشمنان اسلام کے اندر خوف وہراس پیدا ہو، اب جب کہ اللہ نے اسلام کو غلبہ دیدیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی۔

اس تفصیل کے بعد اس باب سے متعلق احادیث اور آثار صحابہ و تابعین کے پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن فریب خوردگان تہذیب مغرب خاص طور پر اس سے متعلق احادیث کو اپنی بیمار رائے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور عامۃ المسلمین کو یہ باور کرانے کی سعی رائگاں کرتے ہیں کہ علمائے دین حدیث رسول کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے عورتوں کو عیدین کے موقع پر عید گاہ جانے سے روکتے ہیں۔

۵۵ - عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج اهله فى العيدين "

(جامع المسانید والسنن، ج:۳۱، ص:۹ (واسنادہ حسن۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کو عیدین میں لے جاتے تھے"

اس روایت سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو عیدین میں لے جاتے تھے۔ لیکن صرف لے جانے کے ثبوت سے استحباب یا سنت کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یُقبّل بعض نسائه وهو صائم وكان املككم لاربه" رسول اللہ صلی اللہ وسلم بحالت روزہ بعض ازواج کو بوسہ لے لیتے تھے اور آپ اپنی حاجت پر تم سے زیادہ قابو رکھتے تھے، اس حدیث پاک سے حضور علیہ السلام کا روزہ کی حالت میں بوسہ لینے کا ثبوت ہو رہا ہے تو کیا بحالت روزہ بوسہ لینا مستحب یا سنت ہے؟

اسی طرح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ نے وضو میں اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھویا، نہایت قوی حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ نے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی، تو کیا اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھونا سنت یا مستحب ہے یا صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے؟ بلکہ ان سب سے صرف جواز واباحت کا ثبوت ہوتا ہے، اسی طرح عیدین میں آپ کے اہل خانہ کو لے جانے سے بھی جواز واباحت ہی کا ثبوت ہوگا اور بس۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ اباحت اس شر وفساد کے زمانہ میں بھی باقی ہے جب کہ باہر نکلنے کی اجازت جن شرطوں پر موقوف تھی ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل بالعموم باقی نہیں رہا۔

٥٦ - عن ام عطية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج الابكار والعواتق وذوات الخدور والحيض في العيدين فاما الحيض فيعتزلن المصلى ويشهدن دعوة المسلمين، قالت احداهن يا رسول الله ان لم يكن لها جلباب؟ قال فلتعرها اختها من جلبابها۔

قال ابو عيسى حديث ام عطية حديث حسن صحيح وقد

ذهب بعض اهل العلم الى هٰذا ورخص النساء في الخروج الى العيدين،وكرهه بعضهم،وروى عن ابن المبارك انه قال اكره اليوم الخروج للنساء فى العيدين فان ابت المرأة الا ان تخرج فياذن لها زوجها ان تخرج في اطمارها ولاتتزين فان ابت ان تخرج كذالك فللزوج ان يمنعها عن الخروج ويروى عن عائشة قالت: لورأى رسول الله صلى الله عليه وسلم مااحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل، ويروى عن سفيان الثورى انه كره اليوم الخروج للنساء الى العيد. (جامع ترمذی،ج:۱،ص:۱۲۰)

"حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیر شادی شدہ، نوجوان اور پردہ نشیں عورتوں کو عیدین میں (عید گاہ) جانے کا حکم فرماتے تھے، لیکن حائضہ عورتیں مصلّی (نماز گاہ) سے علیحدہ رہتیں اور صرف مسلمانوں کی دعاء میں حاضر رہتیں، ہم عورتوں میں سے کسی نے کہلیا رسول خدا اگر کسی کے پاس پردہ کے واسطے بڑی چادر (برقع) نہ ہو (تو وہ کس طرح نکلے گی) فرمایا اس کی بہن اپنا جلباب (جو فاضل ہو) اسے عاریت پر دیدے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ام عطیہ کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ اور بعض علماء نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کو اختیار کیا ہے اور عیدین میں عورتوں کو عید گاہ جانے کی رخصت دی ہے، اور بعض دوسرے علماء اس نکلنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک (مشہور امام حدیث) سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک آج کے زمانہ میں عورتوں کا عیدین میں عید گاہ جانا مکروہ ہے اور اگر کوئی عورت جانے پر بضد ہو تو اس کا شوہر اس شرط کے ساتھ اجازت دیدے کہ وہ اپنے پرانے کپڑوں میں بغیر زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کے جائے اور اگر اس طرح سادگی کے ساتھ

جانے پر تیار نہ ہو اور سج دھج کر جانا چاہے تو شوہر اس کو نکلنے سے روک دے، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو دیکھ لیتے جنہیں عورتوں نے ایجاد کرلیا ہے تو انہیں مسجد جانے سے ضرور روک دیتے جس طرح سے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔ اور سفیان ثوری (مشہور امام حدیث و مجتہد) کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی آج کے زمانہ میں عورتوں کو عید کے موقع پر عید گاہ جانے کو مکروہ کہتے ہیں"۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ یہ ائمہ حدیث وفقہ اس حدیث پاک کو مصالح کی بنیاد پر ایک وقتی رخصت واباحت پر محمول کرتے ہیں ورنہ اپنے عہد میں عورتوں کے عید گاہ جانے کو حدیث کے خلاف مکروہ کیوں کر کہتے۔ پھر تنہا عبد اللہ بن مبارک اور سفیان ثوری ہی عورتوں کے عید گاہ جانے کو ناپسند نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ساتھ اکابر امت کی ایک جماعت ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل روایتیں۔

۵۷ — عن نافع عن ابن عمر انه کان لا یخرج نساء ه فی العیدین (اخرجه ابن ابی شیبة ورجال اسناده رجال الجماعة غیر عبدالله بن جابر وقال الذهبی فی الکاشف هو ثقة وقال الحافظ فی التقریب مقبول من السادسة)

نافع مولیٰ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر اپنی عورتوں کو عیدین میں (عید گاہ) نہیں لے جاتے تھے"

۵۸ — مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت بھی ہے "**وکان عبدالله بن عمر یخرج الی العیدین من استطاع من اهله**"

حضرت عبد اللہ بن عمر اپنے گھر والوں میں جسے بھی لے جاسکتے اسے

لے کر عید گاہ جاتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے معمول سے متعلق بظاہر یہ دونوں روایتیں متعارض ہیں حافظ عسقلانی نے اس تعارض کو یہ کہہ کر ختم کیا ہے "فیحتمل ان یحمل علی حالتین" یعنی ان ہر دو روایتوں کو دو حال پر محمول کیا جائے کہ کبھی گھر والوں کو عید گاہ لے جاتے تھے اور کبھی نہیں لے جاتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سنت رسول اللہ (ﷺ) پر جس وارفتگی اور شدت کے ساتھ عامل تھے وہ جماعت صحابہ میں ان کی خصوصیت شمار کی جاتی ہے اس لئے عورتوں کو عیدین میں لے جانے سے متعلق آنحضرت ﷺ کے قول وعمل کے بعد ابن عمر جیسے شیدائی سنت کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو عید گاہ لے جائیں اس لئے بظاہر یہی احتمال قوی ہے کہ ابتداء میں ان کا عمل یہی تھا کہ پورے اہتمام کے ساتھ وہ اپنے گھر والوں کو عید گاہ لے جایا کرتے تھے، لیکن جب احوال متغیر ہو گئے اور فتنہ کا اندیشہ قوی ہو گیا تو سنت رسول ہی کی اتباع میں اہل خانہ کو عید گاہ کو لے جانا ترک کر دیا۔

۵۹ – عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان لا يدع امرأة من اهله تخرج الى فطر ولا اضحىٰ

(اخرجه ابن ابی شيبة فی مصنفه، ج: ۲، ص: ۱۸۳ ورجاله رجال الجماعة)

ہشام اپنے والد عروہ (یکے از فقہائے سبعہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر کی کسی عورت کو بھی عیدین کے لئے گھر سے نکلنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔

۶۰ – عن عبدالرحمٰن بن القاسم قال: كان القاسم اشد شئ على العواتق لايدعهن يخرجن فی الفطر والاضحىٰ"

(اخرجه ابن ابی شيبه فی مصنفه، ج: ۲، ص: ۱۸۳)

عبدالرحمٰن اپنے والد قاسم (یکے از فقہائے سبعہ) کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ قاسم نوجوان عورتوں پر بطور خاص بہت سخت گیر تھے انہیں عید اور بقر عید میں نکلنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔

٦١ - عن ابراهيم قال يكره للشابة ان تخرج الى العيدين "ايضاً

ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جوان عورتوں کا عیدین کے لئے نکلنا مکروہ ہے۔

٦٢ - عن ابراهيم قال يكره خروج النساء في العيدين "ايضاً.

ابراہیم نخعی ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا عورتوں کا عیدین کے لئے نکلنا مکروہ ہے۔ الحاصل یہ احادیث رسول، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور ائمہ حدیث وفقہ کی تصریحات آپ کے سامنے ہیں جن سے، بغیر کسی خفا اور پوشیدگی کے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ پردہ کے مسئلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرطیں اور قیود خواتین اسلام کی عزت وآبرو اور شریفانہ اخلاق کی حفاظت کی غرض سے لگائی ہیں وہ درحقیقت حکم خداوندی "**قرن بیوتکن**" کی پیغمبرانہ ابدی تفسیر ہے جس سے علماء اسلام کو سبق دیا گیا ہے کہ جب مستورات ان شرطوں کی پابندی سے آزاد ہو جائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ومنشاء کے مطابق صاف صاف یہ اعلان کر دیں کہ موجودہ حالات میں بنات اسلام کے لئے مساجد اور دیگر اجتماعات میں جانا جائز نہیں ہے وراثت نبوی کی اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے رازدانِ اسرار نبوت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پوری قوت کے ساتھ فرما رہی ہیں کہ "**لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد**"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی حق کی ادائیگی میں عورتوں کو مسجد آنے پر سرزنش فرمایا کرتے تھے۔

آج جو لوگ گرد و پیش اور انجام و عواقب سے آنکھیں بند کر کے خواتین ملت کو گھروں کی چہار دیواری سے باہر نکلنے کی دعوت دے رہے ہیں کیا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ حقوق نسواں کا پاس و لحاظ کرنے والے ہیں یا ان کا معاشرہ اور سوسائٹی عائشہ صدیقہؓ کی سوسائٹی سے عمدہ اور بہتر ہے یا وہ منشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبیر بن عوام عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عروہ بن زبیر قاسم بن محمد، اسود علقمہ تلامذہ ابن مسعود، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، عبد اللہ مبارک اور جمہور صحابہ و تابعین اور فقہاء و محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ آج جب کہ مغرب عورتوں کی آزادی اور پردہ دری سے تنگ آکر اپنی اخلاقی تباہ حالی پر ماتم کر رہا ہے اور وہاں کے ماہرین اس بے حجابی کی آغوش سے نشو و نما پانے اور پروان چڑھنے والی انسانیت سوز بے حیائی و فحش کاری سے اپنے معاشرہ کو بچانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں ہمارے مشرق کے نام نہاد مصلحین نماز و مسجد جیسے مقدس اور باعظمت نام سے مستورات کو بے پردہ کرنے کے درپے ہیں۔

"بریں عقل و دانش بباید گریست" فالی اللہ المشتکیٰ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین.

حبیب الرحمٰن قاسمی
خادم التدریس دار العلوم دیوبند
۲۳ر شعبان ۱۴۱۸ھ